ساگر، دریا، بادل، بوند

از

رضیہ جمیل

یہ ناول

یہ ناول "ساگر' دریا' بادل' بوند" شاید میں کبھی نہیں لکھ سکتی تھی۔ جس شخص نے یہ ناول مجھ سے لکھوالیا۔ اس کے بارے میں کیا کہوں؟ کیا لکھوں؟

میں تو اس وقت بھی اس کے بارے میں چند سطریں لکھنے کی ہمت اپنے آپ میں نہیں پیدا کر سکی تھی جب ارد گرد کے بہت سارے لوگ... اپنے' پرائے اس کے بارے میں لکھ رہے تھے۔ کچھ لوگوں نے مجھ سے کہا... "آپ بھی اس کے بارے میں کچھ لکھیں۔"

اور کچھ نے یہ سوال کیا... "آپ اس کے بارے میں کچھ نہیں لکھیں گی؟"

میں نے جواب دیا... "مجھے نہیں معلوم میں اس کے بارے میں لکھ بھی پاؤں گی یا نہیں اپنے جذبات کا اظہار کر بھی پاؤنگی یا نہیں۔"

وقت گزرتا چلا گیا اور میں صرف سوچتی رہ گئی۔ میری دلی خواہش تھی کہ ماہنامہ کرن میں قسط وار شائع ہونے والا یہ ناول کتابی صورت میں بھی سامنے آئے۔ لیکن کبھی ایک وجہ کبھی دوسری۔ اور تاخیر پہ تاخیر ہوتی رہی۔

اب جب یہ ناول چھپنے جا رہا ہے تو میں نے جب اس کے انتساب کے بارے میں سوچا تو اس شخص سے زیادہ کوئی مجھے اس کا حقدار نظر نہیں آیا جس نے یہ ناول مجھ سے لکھوایا۔

آج جب اس کے بارے میں سوچتی ہوں تو....

دل درد کی شدت سے خوں گشتہ و سی پارہ
ہوا جاتا ہے۔

اپنے پاس کہیں قریب سے' بہت قریب سے مجھے ایک آواز سنائی دیتی ہے وہی گمبھیر سا لہجہ ہے' وہی مانوس سی آواز ہے۔

ہمارے بعد اس محفل میں افسانے بیاں ہونگے
بہاریں ہم کو ڈھونڈیں گی نجانے ہم کہاں ہونگے

یہ سچ ہی تو ہے... بہار و خزاں سب ہی تو اسے ڈھونڈتے ہیں' اسے پکارتے ہیں' زبانوں پر اس کی باتیں ہیں' اس کے تذکرے ہیں' وہ آنکھوں سے دور سہی لیکن دلوں سے دور نہیں۔

لکھنے والے کا دل چاہے یا نہ چاہے' اس کا موڈ ہو یا نہ ہو لیکن اس سے لکھوا لینے کا فن صرف اسی شخص کو آتا تھا۔

ماہنامہ کرن میں شائع ہونے والے کسی ناول کا اختتام ہونے والا تھا۔ ایک روز وہ اچانک میرے پاس آیا اور کہنے لگا۔ "اس ماہ کا کرن دیکھا آپ نے؟"

میں نے کہا "ہاں' دیکھا۔"

"جو ناول شائع ہو رہا ہے' اس کی بس ایک قسط اور باقی ہے"

"اچھا" میں نے سرسری انداز سے کہا۔

"اگلا ناول آپ کا ہوگا۔" اس کے لہجے میں بہت یقین تھا۔

"میرا!!؟" میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"جی.... آپ کا۔" وہ پرسکون انداز سے مسکرایا۔

"میں نہیں لکھ سکتی بابر' پلیز۔"

"کیوں نہیں لکھ سکتیں۔؟"

"میں تمہیں پہلے بھی بتا چکی ہوں، مجھے وقت نہیں ملتا۔"

"میں یہ سب نہیں جانتا' اگلا ناول آپ ہی کا ہوگا۔"

"تم کیسی باتیں کر رہے ہو؟ تمہارے اتنی دفعہ کہنے کے باوجود میں ایک افسانہ تو لکھ کر دے نہیں سکی کرن کے لیے۔"

"کچھ بھی ہو' ناول آپ ہی کو لکھنا ہے۔"

وہ فیصلہ کن انداز میں کہہ کر چلا گیا۔

پھر دو' تین روز بعد اس کا فون آیا۔

"کیوں باجی! کوئی پلاٹ آیا ذہن میں؟"

"بابر پلیز! تم سمجھتے کیوں نہیں ہو؟ پلاٹ ذہن میں آ بھی جائے تو کیا فرق پڑتا ہے؟ لکھنے کے لیے وقت نہیں نکال سکوں گی۔"

"آخر ایسی کون سی مصروفیات ہیں آپ کی؟"

"میری مصروفیات کا اندازہ تمہیں بھی ہے۔" میں سوچ میں پڑ گئی۔

"معلوم ہوتا ہے کوئی پلاٹ ذہن میں آ رہا ہے۔"

اس کے لہجے میں شرارت تھی۔ میں بے اختیار مسکرا دی۔

اس کے لہجے میں محبت بھی تھی اور شوخی بھی۔ میں نے قسط لکھنے کی ہامی نہیں بھری تھی۔ کچھ کہنا چاہتی تھی کہ اس نے ٹیلیفون بند کر دیا۔

اگلے روز آفس جانے سے پہلے وہ میرے ہاں آیا (اس کا اور میرے گھر کا درمیانی راستہ پانچ منٹ کا ہے) اور کہنے لگا "لکھ لی پہلی قسط؟"

میں نے سنی ان سنی کرتے ہوئے کہا "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہیں میرا ہی ناول کیوں چاہیے؟ مجھ سے اب نہیں لکھا جاتا۔"

"اسی لیے تو لکھوا رہا ہوں کہ لکھنے کی عادت رہے۔"

"میں اصل میں ایک بات سے بہت ڈرتی ہوں۔"

"وہ کیا؟"

"قسط پہنچنے میں اگر ذرا بھی دیر ہوتی ہے تو تم اپنا پرچہ لیٹ ہونے کا الزام میرے سر ڈال دیتے ہو۔"

میں نے صاف گوئی سے کام لے کر اپنی جان بچانی چاہی۔

"تو آپ جلدی دے دیا کریں قسط۔"

"میں نے کبھی کوئی قسط بہت زیادہ دیر سے نہیں بھیجی۔ لیکن مجھے یاد ہے جب گذشتہ ناول شائع ہو رہا تھا تو پرچہ کسی اور وجہ سے وقت پر شائع نہیں ہوتا تھا اور تم کہہ دیتے تھے کہ آپ کی قسط کی وجہ سے پرچہ دیر سے شائع ہوا ہے۔"

"ہاں' ہاں کہہ دیجیے کہ تمہاری لاپروائی اور کاہلی کی وجہ سے..."

"تم خود ہی اعتراف کر رہے ہو تو مجھے کچھ کہنے کی کیا ضرورت ہے؟" میں نے مسکرا کر کہا۔

اس کے بعد وقتاً "فوقتاً" اس کے دو تین فون آئے۔

"قسط لکھنی شروع کی؟"

"نہیں' ابھی نہیں۔"

"تو پھر شروع کر دیجیے کب شروع کریں گی؟"

"موڈ نہیں بن رہا بابر! کیسے شروع کروں؟"

"باجی پلیز! بس جی کڑا کے دو چار سطریں لکھ ڈالیے' آگے تو مجھے معلوم ہے... آپ کا قلم چلنا شروع ہوگا تو رکے گا نہیں۔"

پھر ایک روز اس نے پوچھا۔

"کیا نام سوچا ہے ناول کا؟"

"ابھی تو کچھ بھی نہیں سوچا۔"

"کل تک سوچ کر بتا دیجیے گا' اس ماہ کے کرن میں اناؤنس بھی تو کرنا ہے۔"

اس وقت مجھے پختہ یقین ہو گیا کہ یہ شخص جس کا نام محمود بابر فیصل ہے' مجھ سے ناول لکھوائے بغیر نہیں مانے گا۔

کرن شائع ہو کر آ گیا۔ میں اسے ناول کا نام تک نہ بتا سکی۔ بتاتی بھی تو کیسے؟ مجھے یقین ہی نہیں تھا کہ میں لکھ سکوں گی۔ گھر کی مصروفیات کی وجہ لکھنے کی عادت نہیں رہی تھی۔

اور جب اگلے پرچے کا کام شروع ہوا تو ایک روز وہ میرے پاس آیا اور بولا۔

"آپ نہیں لکھیں گی ناں؟"

"میرا خیال ہے ابھی دو' تین سال تک میں کچھ نہیں لکھ سکوں گی"

"اچھا تو پھر تیار ہو جائیے۔" اس کے ہونٹوں پر معنی خیز سی مسکراہٹ تھی چشمے کے پیچھے سے جھانکتی ہوئی آنکھوں میں شرارت ناچ رہی تھی۔

میں نے چونک کر پوچھا۔ "کیا مطلب؟"

اسی نے اسی انداز سے گنگناتے ہوئے کہا "ناول تو چھپے گا آپ کا۔"

"میں سمجھی نہیں۔"

"ناول میں خود لکھوں گا۔ لیکن رضیہ جمیل کے نام سے شائع ہوگا۔"

"مذاق مت کرو۔"

"مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں' شرط لگا لیں مجھ سے۔"

اس سے پہلے کہ میں کچھ اور کہتی وہ چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد میں کچھ پریشان سی ہو گئی حقیقتاً میرے ذہن میں کوئی پلاٹ نہیں تھا۔

میں آج بھی حیران ہوتی ہوں کہ ناول "ساگر' دریا' بادل' بوند" میں نے کیسے لکھ لیا؟ اس ناول کی ہیروئن سے میں صرف ایک بار ملی تھی۔

بہرحال اس ناول کو لکھوانے کا پورا کریڈٹ بابر کو جاتا ہے اور میں اس ناول کو نہایت محبت کے ساتھ اس کے نام کر رہی ہوں۔

وہ ہمہ وقت ہنسنے ہنسانے والا شخص۔ وہ محفلوں کی جان... وہ محفلوں کی رونق.... آج ہمارے درمیان نہیں ہے....

لیکن... ان گنت' بے شمار لوگوں کے دلوں میں وہ زندہ ہے۔ آج بھی زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔

رضیہ جمیل

ناول کا پہلا حصّہ

ساگرا

جو ساگر تھی
وہ دریا ہوئی
پھر بادل بنی
اور بوند رہی

جھلملاتی ہوئی روشنیوں اور امنڈتی ہوئی خوشبوؤں کے سیلاب میں غزنوی نے پہلی بار شفق کو دیکھا اور دیکھتے ہی رہ گئے۔

چند سیکنڈ کے لئے غزنوی کی نگاہیں شفق کے چہرے پر جم کر رہ گئیں۔

انہوں نے حیران ہو کر سوچا۔

"ارے یہ کون ہے؟"

"اور اب تک کہاں تھی؟"

مہندی رنگ کے سادہ شلوار سوٹ پر اس نے ستاروں کے کام کا دوپٹہ اوڑھا تھا کانوں میں پہنے ہوئے آویزے آہستہ آہستہ ہلکورے لیتے ہوئے اس کی شفاف گردن کو چھو رہے تھے۔

ہونٹوں پر ایک ملکوتی سا تبسم تھا۔

اور آنکھوں میں جیسے ان گنت چراغ سے روشن تھے۔

کس قدر چمک تھی اس کی آنکھوں میں۔

اس کی آنکھیں بڑی نہیں تھیں نہ ہی ان آنکھوں کو غلافی آنکھیں کہا جا سکتا ہے۔

آنکھوں کا سارا حسن ان کی چمک کی وجہ سے تھا۔

سیدھے گھنے بالوں کی خوب صورت سی چوٹی پشت پر لہرا رہی تھی۔

اس کے کھڑے ہونے کے انداز میں ایک وقار تھا۔
ایک تمکنت تھی۔
شہزادیوں کی سی آن بان تھی۔
ایک شان بے نیازی کے سے انداز میں کھڑی وہ عورتوں کو باری باری نیرہ کے ہاتھ پر مہندی رکھتے دیکھ رہی تھی۔

غزنوی کو اس قسم کی رسومات سے کبھی بھی دلچسپی نہیں رہی تھی' وہ تو اس وقت بھی اندر نہ آتے اگر یاسر نے اس قدر اصرار نہ کیا ہوتا۔ یاسر کو فوٹوگرافی کرنا تھی۔ فوٹوگرافی ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ کچھ تصویریں اتارنے کے بعد ان کی نگاہ قریب کھڑے غزنوی پر پڑی تو ان کی محویت پر یاسر چونکے بغیر نہ رہ سکے۔

"خیریت تو ہے؟" یاسر نے مسکرا کر پوچھا۔
"اس قدر محویت سے کسے دیکھا جا رہا تھا؟" یاسر نے سرگوشی کی۔
"یہ کون ہے؟" غزنوی نے پوچھا۔
"کہاں کون ہے؟" یاسر کی مسکراہٹ معنی خیز تھی۔
"سیمین کے برابر میں جو کھڑی ہے' مہندی رنگ کے کپڑوں میں" غزنوی کی نگاہیں ایک بار پھر شفق کے چہرے پر جم گئیں۔
"کیوں جناب کو کیا دلچسپی ہے؟"
یاسر کی نگاہوں میں شرارت تھی۔
"میں نے اسے پہلی بار دیکھا ہے" غزنوی نے کہا۔
"تو اس میں قصور کس کا ہے۔ اس لڑکی کا یا آپ کا؟"
یاسر انہیں تنگ کرتے ہوئے بولے۔
"افوہ بھئی' مذاق نہ کرو سنجیدگی سے بتاؤ"
غزنوی بے حد سیریس تھے۔ لیکن یاسر نے پھر اپنی بات دہرائی۔
"قصور وار کون ہے آپ یا وہ لڑکی؟"
"یہ تو مجھے نہیں معلوم لیکن میں حیران ہوں"
"کس بات پر؟"
"اگر یہ خاندان ہی کی لڑکی ہے' تو اب تک میں نے اسے کیوں نہیں دیکھا؟"
یاسر کیمرے کو کندھے پر لٹکا کر دروازے کی سمت بڑھتے ہوئے بولے۔
"اب اس کا پیچھا چھوڑ بھی دو معلوم ہوتا ہے آج تم اسے نظر لگا کر ہی رہو گے"
غزنوی جز بز ہو کر بولے۔
"تم اس وقت مجھے پوری طرح ستانے پر آمادہ ہو"

"کیوں میں نے کیا کیا؟"
یاسر نے چہرے پر معصومیت طاری کرتے ہوئے کہا۔
"ادھر ادھر کی باتیں کئے جا رہے ہو جو کچھ میں پوچھ رہا ہوں اس کا جواب نہیں دے رہے"
"اتنی اہم بات پوچھ رہے ہو اور چاہتے ہو میں آسانی سے بتا دوں"
"اچھا! تو پھر کتنے پیسے لے کر بتانے کا ارادہ ہے؟"
"خاصی بڑی رقم خرچ کرنی پڑے گی"
"ٹھیک ہے' مگر اب تم بتا بھی چکو"
لاؤنج میں پڑی کرسیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یاسر نے کہا۔
"پہلے آرام سے بیٹھ جاؤ پھر بات کرو"
پھر یاسر نے ارد گرد نظریں دوڑاتے ہوئے کہا۔
"ہاں' اب پوچھو سوال نمبر ایک"
"خاندان کی لڑکی ہے؟"
"ہاں' خاندان کی لڑکی ہے؟"
"کوئی دور دراز کا رشتہ معلوم ہوتا ہے۔"
"کوئی ایسا دور کا بھی نہیں"
"لیکن شاید بہت قریب کا بھی نہیں"
"ہاں' یہ اصل میں احتشام چچا کی بیٹی ہے"
"احتشام چچا..؟" غزنوی سوچ میں پڑ گئے۔
"ارے بھئی' خالو جان (غزنوی کے ابو) کے پھوپی زاد بھائی"
"اچھا' یاد آیا' نام تو میں نے سنا ہے کبھی ملاقات نہیں ہوئی"
"ہاں' یہ لوگ پشاور میں رہتے تھے"
"اب یہیں شفٹ ہو گئے ہیں؟"
"ہاں' کیونکہ ان کی بیٹی پر تمہاری نظر انتخاب جو پڑنا تھی"
"تم نے یہ اندازہ کیسے کر لیا کہ میں نے اسے اپنے لئے منتخب بھی کر لیا ہے؟"
"میرا اندازہ غلط ہے؟"
"میں نے ایک نیا چہرہ دیکھ کر اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہی تھیں"
"اچھا! اب ہم سے اڑنے کی کوشش کر رہے ہو' نئے چہرے تو اور بھی کئی نظر آئے ہوں گے' ان کے بارے میں معلومات کیوں نہیں حاصل کیں؟"
یاسر نے معنی خیز نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔ غزنوی سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔

یاسر نے انہیں چھیڑتے ہوئے کہا۔

"نام نہیں پوچھو گے اس کا؟"

"نام میں کیا رکھا ہے؟" غزنوی نے لاپرواہی سے کہا۔

"ہاں' ظاہر ہے نام چاہے مجیدن ہو یا شکورن' اصل چیز تو صورت ہے؟" یاسر نے مسکرا کر کہا۔

"نہیں خیر' اصل چیز صورت تو نہیں' سیرت ہے لیکن بہرحال' صورت کی اچھائی کی بھی ایک اہمیت ہے اپنی جگہ"

"گویا پسند آگئی ہے صورت۔"

"اچھی چیز کسے اچھی نہیں لگتی لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ میں نے اسے زندگی کے ہمسفر کی حیثیت سے قبول بھی کرلیا ہے۔"

غزنوی اس قدر سنجیدہ تھے کہ یاسر نے انہیں مزید چھیڑنے کا ارادہ ملتوی کردیا۔

پھر نکاح اور ولیمے والے روز بھی غزنوی نے اسے دیکھا۔

ہر روز غزنوی کو شفق میں ایک نرالی سی چھب نظر آئی' نہ اس نے نکاح والے روز بہت چمکیلے اور بھڑکیلے کپڑے پہنے تھے اور نہ ہی ولیمے والے روز۔

اس کے کپڑے سادہ مگر قیمتی تھے۔

شلوار قمیض کے علاوہ انہوں نے اسے کسی دوسرے لباس میں نہیں دیکھا۔

نہ دوسری لڑکیوں کی طرح اس کے چہرے پر میک اپ کی دبیز تہیں تھیں۔

نہ اس نے نت نئے ہیئر اسٹائل اپنائے تھے۔

مگر پھر بھی وہ سب میں نمایاں تھی۔

سب سے ممتاز تھی۔

سچ تو یہ تھا کہ اس کا حسن ان سب چیزوں کا محتاج بھی نہیں تھا۔

مسلسل تین روز کی دید آخر کچھ تو رنگ دکھاتی۔

پہلے روز جب غزنوی نے اسے دیکھا تو گھر جاکر انہیں اس کا خیال آیا مگر کم۔

دوسرے روز دیکھا تو ذہن کے کسی نہ کسی گوشے سے اس کی تصویر ابھر کر نگاہوں کے سامنے آتی رہی۔

اور تیسرے روز انہیں یوں محسوس ہوا جیسے ایک سایہ سا ہے جو مسلسل ان کے ساتھ ساتھ چل رہا ہے۔

شفق نے بھی محسوس کیا تھا کہ کسی کی نگاہیں بار بار اس کا تعاقب کررہی ہیں۔

وہ غزنوی کو بالکل نہیں جانتی تھی۔

نہ ہی اس نے پہلے کبھی انہیں دیکھا تھا۔

ایک شہر میں رہتے ہوئے ہی دور دراز کے رشتے داروں کو ایک دوسرے کی خبر نہیں ہوتی پھر وہ دونوں شروع ہی سے الگ الگ شہروں میں رہتے آئے تھے' اور جب احتشام صاحب پشاور سے کراچی شفٹ ہوئے تو غزنوی اعلیٰ تعلیم کے لئے باہر جاچکے تھے اپنی اپنی مصروفیتوں کی وجہ سے دونوں گھرانوں میں میل ملاپ زیادہ نہ ہوسکا۔

شادی کے ہنگامے ختم ہوچکے تھے اور سب ایک بار پھر اپنی اپنی مصروفیتوں میں گم ہوچکے تھے۔

غزنوی کی دونوں بہنیں سیما اور یاسمین ــــ اپنے بچوں کے ساتھ کویت اور مسقط سے آئی ہوئی تھیں۔ بڑے بھائی بھی اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ آئے ہوئے تھے۔ تیمور بھائی کو بڑی مشکل سے ایک ہفتے کی چھٹی ملی تھی۔ ان کی امی نفیسہ بیگم نے ٹیلیفون پر کہہ دیا تھا کہ انہیں شادی میں شریک ہونے کے لئے ضرور آنا چاہئے خواہ وہ صرف دو دن کے لئے کیوں نہ آئیں۔ ان کی اس قدر تنبیہہ و تاکید پر تیمور بھائی کو آنا ہی پڑا اور نفیسہ بیگم اس قدر تنبیہہ اور تاکید کیوں نہ کرتیں' ان کے بھائی کے گھر میں پہلی شادی تھی۔

سیما اور یاسمین تو اپنے اپنے شوہروں کی چھٹیوں میں کراچی آئی ہوئی تھیں اتفاقاً" ہی ان دنوں میں نیرہ کی شادی کی بات ٹھہر گئی۔

ولیمے کے دوسرے روز تیمور بھائی' رعنا بھابھی بھی اپنے بچوں شبی' مونا اور ثاقب کے ساتھ واپس لاہور چلے گئے' اور یاسمین کی واپسی میں بھی ڈیڑھ' دو ہفتے باقی رہ گئے تھے۔ دونوں کی ضد تھی کہ ان کی موجودگی میں ہی غزنوی کے لئے کوئی رشتہ پسند کرکے کم از کم ان کی منگنی تو کردی جائے' غزنوی کے لئے لڑکیاں تو کئی دیکھی جاچکی تھیں' لیکن وہ کسی طرح شادی پر آمادہ نہیں ہوتے تھے جب بھی ان کے سامنے شادی کا ذکر چھیڑا جاتا وہ کسی نہ کسی بہانے سے اسے ٹال دیتے۔ نفیسہ بیگم اور غزنوی کے ابو' احسان صاحب نے تو یہاں تک کہہ دیا تھا کہ اگر خود غزنوی نے ہی اپنے لئے کوئی لڑکی پسند کر رکھی ہے تو بتادیں' وہیں ان کی شادی کردی جائے گی۔

مگر غزنوی نے اپنے لئے کوئی لڑکی پسند کی ہوتی تو بتاتے۔ ان کا دل تو شادی کی طرف مائل ہی نہیں ہوتا تھا وہ ابھی شادی کے جھمیلے میں پڑنا نہیں چاہتے تھے۔ ان کا دل فی الحال آزاد رہنے کو چاہتا تھا۔ کئی اچھی لڑکیاں بھی ان کی نظر سے گزری تھیں۔ دوران تعلیم کئی لڑکیوں سے دوستی بھی رہی مگر ان میں سے کسی کے لئے بھی غزنوی کا دل یہ سوچ کر نہیں دھڑکا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو۔

وہ اس کے بغیر زندگی میں ایک خلا سا محسوس کریں۔

انہوں نے یہ کب سوچا تھا کہ ان لڑکیوں میں سے کسی کو اپنی زندگی کا ہمسفر بنالیں گے۔

ہاں یہ الگ بات تھی کہ ان لڑکیوں میں سے بیشتر نے غزنوی کو اپنا آئیڈیل بنا رکھا تھا۔ ان

میں سے کتنی ہی لڑکیوں کی خواہش تھی کہ غزنوی کبھی تو انہیں کہیں کہ۔

"آپ مجھے اچھی لگتی ہیں"

یہ ایک جملہ سننے کی خواہش لئے وہ منتظر ہی رہیں۔

یہاں تک کہ تعلیمی زندگی کا اختتام ہوگیا۔

راستے بدل گئے۔

منزلیں جدا ہوگئیں۔

مینا، سنبل، سائرہ اور دوسری بہت سی لڑکیاں اب معلوم نہیں کہاں تھیں۔

غزنوی کو ان میں سے کسی کی خبر نہیں تھی۔

بس صرف یہ معلوم تھا کہ ان میں سے کچھ لڑکیوں کی شادیاں ہو چکی تھیں، کچھ سروس کر رہی تھیں۔ اور کچھ اس انتظار میں گھروں میں ہی بیٹھی تھیں کہ یا تو ان کی شادی ہو جائے یا پھر کہیں سروس ہی مل جائے۔

غزنوی ملک سے باہر چلے گئے تو ان کی نگاہوں کے سامنے چند دھندلی دھندلی تصویریں ہی رہ گئیں۔ چند سال بعد وہ پاکستان آئے تو ایئرپورٹ پر انہیں سائرہ ملی۔ وہ اپنے بھائی بھابھی کو الوداع کہنے آئی تھی، جو کینیڈا واپس جا رہے تھے۔ آس پاس اور بھی عزیز و اقارب کھڑے تھے۔

چند لمحوں کی مختصر سی ملاقات تھی۔

وہ سائرہ سے پوچھ بھی نہیں سکے کہ آج کل کیا کر رہی ہو، شادی ہوئی یا نہیں؟

سائرہ نے اپنے ابو سے ان کا تعارف کروایا۔

"ابو یہ غزنوی ہیں میرے ساتھ پڑھتے تھے"

سائرہ کے ابو نے انہیں اپنے گھر آنے کی دعوت دی۔ مگر عجلت میں نہ وہ اپنا ایڈریس دے سکے نہ غزنوی خود ان سے پوچھ سکے۔

وہ چند لمحے سائرہ کی زندگی میں آئے اور گزر گئے۔

ایسے ہی، جیسے ساحل کی جانب سے آنے والی خوشگوار ہوا کا جھونکا آئے اور گزر جائے۔

پھر کچھ باقی نہ بچے۔

بس صرف یاد اور اس کی پرچھائیں۔

سائرہ اس پرچھائیں، اس سائے کا تعاقب اب تک کر رہی تھی۔

لیکن غزنوی کو اگر کچھ یاد تھا تو صرف ایک چمک۔

وہ چمک، جو کسی ہمدم دیرینہ کو دیکھ کر نگاہوں میں پیدا ہو جائے۔

انہیں وطن واپس آئے پانچ ماہ ہی ہوئے تھے، ابھی پچھلے دنوں ہی شاید پندرہ بیس روز قبل انہوں نے نازش فیاض کو دیکھا تھا، جو اب نازش فیاض نہیں تھی، بلکہ نازش محمود بن چکی تھی

وہ یاسر کے ساتھ چند ضروری چیزوں کی خریداری کے لئے ایک شاپنگ سینٹر گئے تھے وہیں انہوں نے نازش کو دیکھا وہ کاؤنٹر پر جھکی ہوئی نیل پالش اور لپ اسٹک کا انتخاب کر رہی تھی۔

غزنوی نے اسے دیکھا اور خاموش رہے۔

انہوں نے دکاندار سے اپنی مطلوبہ شے طلب کی تو نازش نے ایک دم سر گھما کر ان کی طرف دیکھا۔

ایک لمحے کے لئے غزنوی کو اس کی آنکھوں میں بھی وہی چمک نظر آئی جو انہوں نے سائرہ کی آنکھوں میں دیکھی تھی لیکن دوسرے ہی لمحے وہ چمک معدوم ہوگئی۔

اور اس کے بعد آنکھوں سے جھانکتا ہوا فقط ایک احساس باقی رہ گیا۔

کسی بڑی قیمتی شے کے گم ہو جانے کا احساس۔

کسی من پسند ہستی کے نہ حاصل ہونے کا احساس۔

نازش نے غزنوی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"غزنوی صاحب، آپ!"

"جی میں" غزنوی گردن کو قدرے خم دے کر مسکرائے۔

پھر انہوں نے پوچھا۔

"کیسی ہیں آپ نازش فیاض؟"

"نازش فیاض نہیں، نازش محمود کہئے؟"

نازش کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تو تھی لیکن مجروح سی مسکراہٹ۔

"اچھا! بہت بہت مبارک ہو" غزنوی کچھ حیران اور کچھ خوش ہو کر بولے۔

نازش اپنے برابر کھڑے ہوئے صاحب کی طرف پلٹ کر بولی۔

"محمود ان سے ملئے، یہ غزنوی صاحب ہیں"

محمود نے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔

"یہ میرے کلاس فیلو رہ چکے ہیں" نازش نے بتایا۔

چند رسمی باتوں کے بعد محمود نے رسمی ہی انداز سے غزنوی کو اپنے گھر آنے کی دعوت دی اور پرس میں سے اپنا کارڈ نکال کر ان کی طرف بڑھایا۔ غزنوی نے ایک سرسری سی نگاہ کارڈ پر ڈال کر جیب میں رکھ لیا۔

اس دوران دکاندار ان کی مطلوبہ شے نکال چکا تھا۔ وہ بل ادا کر کے ان دونوں کو خدا حافظ کہہ کر آگے بڑھ گئے یاسر معنی خیز نگاہوں سے غزنوی کی طرف دیکھ کر سرگوشیانہ انداز میں بولے۔

"یہ حسینہ نازنین کون تھی؟"

"کلاس فیلو تھی"

"کلاس فیلو تھی؟"
یاسر نے لفظ "تھی" پر زور دیا۔
"ہاں"
"تو اب کیا چاہتی ہے؟"
"کچھ بھی نہیں"
"اس کی نگاہوں کا انداز بہت کچھ کہہ رہا تھا۔"
"اس کی شادی ہو چکی ہے"
"ہاں' مگر باتیں پرانی' یادیں' تمنائیں"
"تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"
"یہی کہ لڑکی بہت اچھی ہے"
"مگر میں نے کہا اس کی شادی ہو چکی ہے"
"لیکن اس وقت تو شادی نہیں ہوئی تھی جب وہ ساتھ پڑھتی تھی"
"نہیں"
"تو پھر اس وقت اس کے بارے میں کیوں نہیں سوچا؟"
"میں نے تو کسی لڑکی کے بارے میں بھی نہیں سوچا"
"میں کسی کی بات نہیں کر رہا ہوں' اس لڑکی کی بات کر رہا ہوں"
"تمہیں اس سے اس قدر دلچسپی کیوں ہے؟"
"تم نے ایک اچھی لڑکی کو کھو دیا۔"
"میں نے اپنے ساتھ پڑھنے والی لڑکیوں کے بارے میں اس انداز سے سوچا ہی نہیں"
"ہوں!" یاسر نے خاصی طویل سانس لے کر ہوں کہا۔
اس دوران وہ دونوں شاپنگ سینٹر کی طویل راہداری طے کر کے فٹ پاتھ پر آ چکے تھے۔
یاسر نے پھر کہا۔
"تمہیں افسوس نہیں ہوا؟"
"کس بات کا؟"
"یہی کہ اس کی شادی ہو چکی ہے"
"میں نے اسے چاہا کب تھا"
غزنوی نے گاڑی کا لاک کھولتے ہوئے کہا۔ پھر یاسر نے نازش کے بارے میں کچھ نہیں کہا۔ اور یہ سچ تھا کہ غزنوی نے ان لڑکیوں میں سے کسی کو نہیں چاہا تھا۔
لیکن انہوں نے کسی کے ساتھ فلرٹ بھی نہیں کیا تھا۔
اگر وہ لڑکیاں انہیں چاہتی تھیں تو قصوروار وہ تو نہیں تھے۔

انہوں نے تو کبھی اپنے کسی قول' کسی فعل سے اس بات کا اظہار نہیں کیا تھا کہ وہ کسی کو پسند کرتے ہیں۔ کسی سے محبت کرتے ہیں۔
اور پھر دوستی کسی کو چاہنا یا اسے اپنا لینا تو نہیں ہوتا۔
دوستی تو انسان بہت سے لوگوں سے کرتا ہے۔
لیکن ہر ایک سے شادی نہیں کرتا۔
ہر کسی کو اپنی زندگی کا ہمسفر تو نہیں بنا سکتا۔
پھر ان حالات میں جب نفیسہ بیگم اور احسان صاحب ان سے کہتے کہ تم اگر کسی لڑکی کو پسند کرتے ہو تو اس کا نام بتادو' ہم اسی سے تمہاری شادی کر دیں گے۔
وہ حیران ہو کر سوچتے۔
میں کس کا نام لے دوں؟
کس کا نام بتادوں؟
اور پھر زندگی کا مقصد محض شادی کر لینا ہی تو نہیں"
اب ادھر ایک ماہ سے مہم پھر زوروں پر تھی کہ غزنوی شادی نہیں تو کم از کم منگنی ہی کر لیں۔
نفیسہ بیگم' سیما' یاسمین' اور غزنوی کی سب سے چھوٹی بہن نائلہ سب ان کے پیچھے پڑی ہوئی تھیں۔ جہاں غزنوی سب لوگوں کے پاس آ کر بیٹھتے یہی ذکر چھڑ جاتا۔
جس روز وہ لوگ تیمور بھائی اور رعنا بھابھی کو ایئرپورٹ چھوڑ کر آئے تو نفیسہ بیگم بڑی آزردہ سی ہو رہی تھیں۔
"تیمور اور دلہن کے جانے سے گھر کس قدر سونا سونا لگ رہا ہے"۔
"ہاں امی! اب تو غزنوی کی شادی کر ہی دیجئے" سیما نے فوراً کہا۔
"غزنوی کسی طرح آمادہ بھی ہوں شادی پر"
"غزنوی بھائی! اب تو آپ کوئی لڑکی پسند کر لیجئے" یاسمین نے التجا بھرے انداز سے کہا۔
غزنوی مسکرا کر رہ گئے۔
"بھائی جان! آپ کہیں تو ہم آپ کے سامنے لائن لگا دیں لڑکیوں کی۔ آپ آمادہ تو ہوں شادی پر" غزنوی کی نگاہوں کے سامنے شہزادیوں کی سی آن بان والی شفق آ کر کھڑی ہو گئی۔ جھلملاتے ہوئے ستاروں سے بھرا مہندی رنگ کا دوپٹہ۔
شفاف گردن کو چھوتے ہوئے آویزے۔
یکے بعد دیگرے ان کی نگاہوں کے سامنے گلابی اور آسمانی آنچل لہرا گئے۔
ہر رنگ اس کے اوپر کھل اٹھا تھا۔
غزنوی حیران تھے۔

کیونکہ اس سے پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔

غزنوی کی شادی کا ذکر اس سے پہلے بھی کئی بار چھیڑا گیا تھا لیکن اس سے پہلے کبھی ان کی نگاہوں کے سامنے دھنک رنگ آنچل نہیں لہرائے تھے۔

اس سے پہلے کبھی کسی کے نقش، مانندِ تصویر ان کی نظروں کے سامنے نہیں آئے تھے۔

نائلہ بچوں کی طرح مچل رہی تھی۔

"بھائی جان! ہاں کردیجئے نا"۔

غزنوی اپنی سوچوں کے بھنور سے نکل آئے اور بولے۔

"اچھا، کوئی لڑکی دیکھی تم نے؟"

"لڑکیاں بہت سی دیکھ رکھی ہیں، بات اصل میں آپ کی پسند کی ہے" یاسمین نے کہا۔

"اگر میری پسند کی بات ہے تو پھر مجھے دو ایک روز سوچنے کا موقع دو"

"اس کا مطلب ہے کہ تمہیں سچ مچ کوئی لڑکی پسند آگئی ہے" سیما نے خوش ہو کر کہا۔

"میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا یقین سے" غزنوی واقعی ابھی تک تذبذب کا شکار تھے۔

نفیسہ بیگم، سیما، یاسمین اور نائلہ تینوں بضد تھیں کہ غزنوی اس لڑکی کا نام بتادیں لیکن وہ دامن بچا گئے۔

اس رات کو نفیسہ بیگم اور تینوں بیٹیوں نے سوچا۔

غزنوی نے آخر کس لڑکی کو پسند کیا ہے؟

ان کی نگاہوں کے سامنے یکے بعد دیگرے کئی لڑکیوں کی صورتیں گھوم گئیں۔ چاروں ماں بیٹیوں نے آپس میں تبادلہ خیال بھی کیا۔

انہیں یہ تو یقین تھا کہ نیرہ کی شادی کے ہنگاموں میں ہی غزنوی کو کوئی لڑکی پسند آگئی ہے۔

مگر وہ کون لڑکی تھی۔

اس پر ان سب کی رائے الگ الگ تھی۔

نفیسہ کو تو نیرہ ہی غزنوی کے لئے پسند تھی۔ لیکن وہ کیا کرتیں، معاملہ لڑکے اور لڑکی کی پسند پر آکر ختم ہو گیا، نیرہ اپنے خالہ زاد بھائی شمعون کو پسند کرتی تھی اور خود اس کی امی کی بھی یہی خواہش تھی کہ ان کا بھانجا ان کا داماد بنے دوسرے نمبر پر انہیں فارینہ پسند تھی۔ جو ان کی خالہ زاد بہن کی بیٹی تھی۔ نیرہ کے بعد نفیسہ بیگم نے جب بھی غزنوی کے بارے میں سوچا۔ فارینہ ان کی نگاہوں کے سامنے آکھڑی ہوئی۔

اور یہ بات کسی کو بھی معلوم نہیں تھی، غزنوی کو اس بات کا یقین تو نہیں البتہ شبہ ضرور تھا کہ فارینہ انہیں پسند کرتی ہے انسان اپنی زبان سے کچھ نہ بھی کہے کبھی کبھی نگاہیں بہت بڑا کام کر گزرتی ہیں۔

دل کی گہرائیوں میں دفن ہونے والے راز کبھی کبھی نگاہوں کی زبانی افشا ہو جاتے ہیں۔

غزنوی نے اس رات از سرِ نو اپنی زندگی کے اس حادثے کا جائزہ لیا جو آجکل ایک خواب بن کر ان کے شب و روز پر چھایا ہوا تھا۔

وہ سوچتے رہے۔

"کیا یہ سچ ہے؟"

"اسی لڑکی کے انتظار میں، میں نے اپنی زندگی کے اتنے بہت سارے برس گزار دیئے؟"

"اگر ایسا نہیں ہے تو پھر اس جیسی مجھے کوئی دوسری لڑکی کیوں نہ ملی؟"

پسند، چاہت، محبت۔

ایک ہی جذبے کے یہ تین مختلف روپ۔

ان کی حقیقت کیا ہے؟

یہی نا کہ ہم کسی کو دیکھیں۔

ایک بار دیکھیں۔

پھر بار بار دیکھنے کے خواہشمند ہوں۔

دل اس کے لئے سوچنے کے لئے مجبور ہو جائے۔

اس کا خیال ہر لمحہ سائے کی طرح ساتھ ساتھ چلتا رہے۔

اور پھر دماغ کی سوچیں آہستہ آہستہ دل کے دروازوں پر دستک دے کر کہیں۔ یہی تمہاری ہم سفر ہے۔

"یہی تمہارا راستہ ہے"

"یہی تمہاری منزل ہے"

"اسے اپنا لو"

رات کا جانے کون سا پہر تھا جب غزنوی اپنی طویل سوچوں کے بعد یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے کہ واقعی انہیں شفق پسند ہے۔

پھر انہوں نے اس بات کا انتظار نہیں کیا کہ ان کی امی اور بہنیں اس بار پھر ان سے اس لڑکی کا نام پوچھیں۔ جسے وہ اپنے لئے پسند کر چکے تھے۔

"امی! احتشام چچا کراچی شفٹ ہو گئے ہیں؟" انہوں نے نفیسہ بیگم سے پوچھا۔

"ہاں، وہ تو دو سال سے یہاں ہیں"

"آپ لوگ ان کے یہاں نہیں جاتے؟"

"کیوں؟" نفیسہ بیگم ان کے اس سوال پر چونکیں۔

سیما نے فوراً بات کی تہہ تک پہنچتے ہوئے کہا۔

"میں سمجھ گئی امی! غزنوی کیوں پوچھ رہے ہیں؟"

نفیسہ بیگم بھی سمجھ گئیں تھیں کہ وہ احتشام چچا کے بارے میں کیوں پوچھ رہے تھے۔
غزنوی سیما کی بات پر مسکرائے۔

"کیوں غزنوی! میں صحیح سمجھی ہوں نا" سیما نے پوچھا۔

"تمہیں احتشام بھائی کی لڑکی پسند ہے؟" نفیسہ بیگم نے اپنے خیال کی تصدیق کرنا چاہی۔

"مگر بھائی جان میں نے سنا ہے وہ بہت مغرور ہیں" نائلہ نے کہا۔

"کس سے سنا تم نے؟"

"خاندان کے سبھی لوگ کہتے ہیں"

"ہاں غزنوی بھائی! نائلہ ٹھیک کہہ رہی ہے" یاسمین نے کہا۔

"کیوں امی۔ یہ بات درست ہے؟" غزنوی نے پوچھا۔

"ہاں بیٹے سنا تو میں نے بھی ہے کہ خاندان کے ہر اچھے لڑکے کا رشتہ جا چکا ہے اس کے لئے لیکن وہ ہر رشتے کو ٹھکرا دیتی ہے"

"غالباً ابھی وہ پڑھ رہی ہوگی" غزنوی نے پوچھا۔

"جی۔ انگلش میں ایم اے کر رہی ہیں 'پریویئس (Previous) میں ہیں"

"ممکن ہے اسی لئے انکار کر دیا ہو کہ تعلیم ادھوری نہ رہ جائے۔" غزنوی نے دلیل دی۔

"ٹھیک ہے مگر یہ بھی تو ہو سکتا تھا کہ شادی ابھی نہ کی جاتی، منگنی تو کی جا سکتی تھی۔ تعلیم ختم ہونے کے بعد شادی ہو جاتی" نفیسہ بیگم نے کہا۔

"امی کوشش کرنے میں کیا حرج ہے۔ ہو سکتا ہے وہ غزنوی کی ہی قسمت میں لکھی ہو اسی لئے باقی سارے امیدوار ہار گئے ہوں"

"میں نے سنا ہے کہ وہ بے حد ضدی اور نک چڑھی لڑکی ہے۔ پھر احتشام بھائی اور بھابھی کے لاڈ پیار نے اسے بالکل ہی بگاڑ دیا ہے" نفیسہ بیگم نے کہا۔

"سنی سنائی باتوں پر یقین نہیں کرنا چاہئے، بہت سے لوگ حسد میں آکر بھی اس طرح کی بے بنیاد باتیں کرنے لگتے ہیں۔ غزنوی کچھ ناگواری سے بولے۔"

"ہاں، تمہارا یہ کہنا بھی درست ہے"

"ممکن ہے امی! لوگوں نے ان کے انکار پر چڑ کر اس طرح کی باتیں مشہور کر دی ہوں" سیما نے کہا۔ "ورنہ اگر وہ اتنی ہی بری ہیں تو لوگوں نے اپنے اپنے بیٹوں کے لئے کوشش کیوں کی تھی" نائلہ نے تائید کی۔

"واہ! کیا زبردست پوائنٹ دیا ہے نائلہ نے"
غزنوی مسکرائے۔

"کچھ نہ کچھ حقیقت تو ہوگی ہی لوگوں کی باتوں میں" یاسمین نے کہا پھر بولی۔

"اور شادی میں آپ لوگوں نے نہیں دیکھا تھا بہت الگ تھلگ ہی رہی تھیں وہ سب سے"

"اس میں تو حرج کی بات نہیں، اکثر لوگ دوسروں سے جلدی فری نہیں ہوتے، پھر بعض لوگوں پر ان کی خاموشی کی وجہ سے یہ الزام لگ جاتا ہے کہ وہ مغرور ہیں"
غزنوی کی باتیں اگرچہ حقیقت پر مبنی تھیں لیکن ان لوگوں کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے غزنوی شفق کی حمایت کر رہے ہوں۔

"دو سال سے زیادہ تو ہو گئے ہیں ان لوگوں کو یہاں شفٹ ہوئے، آخر اور کتنا عرصہ چاہئے فری ہونے کے لئے یاسمین کچھ چڑ گئی"

"اچھا، چلو یہی بتا دو کہ اس دو سال کے عرصے میں تم لوگوں کی کتنی بار ملاقات ہوئی ہے ان لوگوں سے؟" غزنوی نے پوچھا۔

"میں تو یہاں تھی ہی نہیں" یاسمین نے کہا۔

"میں نائلہ اور امی کی بات کر رہا ہوں"

"میں بتاتی ہوں بھائی جان!"
نائلہ نے سوچتے ہوئے کہا۔ پھر کچھ حساب لگا کر بولی۔

"تقریباً" دس مرتبہ"

"اور کس کس موقع پر؟"

"زیادہ تر تو تقریبات کے موقع پر ہی ملاقات ہوئی ہے، ایک دفعہ میں، امی اور ابو ان کے گھر گئے تھے"

"وہ لوگ کبھی نہیں آئے" غزنوی نے پوچھا۔

"احتشام بھائی اور بھابی تو آ چکے ہیں دو بار، لڑکیاں نہیں آئی تھیں"

"آخر فارینہ میں کیا برائی ہے وہ شفق سے کم تو نہیں" سیما نے خاصی دیر خاموش رہنے کے بعد کہا۔

"ہاں سیمی آپی! فارینہ مجھے بھی پسند ہے" یاسمین نے کہا۔

"فارینہ واقعی بہت اچھی ہے" نفیسہ بیگم نے کہا۔

"مجھے تو بھئی ہر لڑکی پسند ہے، بھائی جان جس سے چاہیں شادی کر لیں"
نائلہ نے کرسی کی پشت سے سر ٹکاتے ہوئے اطمینان سے کہا۔ غزنوی نائلہ کی بات سن کر مسکرائے اور بولے۔

"لیکن فارینہ کے حق میں تین ووٹ ہیں"
اسی وقت احسان صاحب وہاں آ گئے اور بولے۔

"یہ ووٹوں کی گنتی کس سلسلے میں ہو رہی ہے؟"

آپ کی دوسری بہو کے انتخاب کے سلسلے میں۔" نفیسہ بیگم نے بتایا۔

"اچھا' ذرا تفصیل سے بتاؤ مجھے اس وقت کی میٹنگ کی ساری روداد"

ساری روداد سننے کے بعد احسان صاحب نے کہا۔

"دیکھو میاں غزنوی! یہ جو زندگی کی ساتھی کے انتخاب کا مسئلہ ہے نا۔ یہ بڑا ٹیڑھا مسئلہ ہے۔ بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا چاہیے"

"جی مجھے آپ کی رائے سے اتفاق ہے" غزنوی نے کہا۔

"اس وقت اگر تم جذبات میں آکر کوئی فیصلہ کرو گے تو آئندہ چل کر تمہارے لئے پریشانی کے سوا اور کچھ باقی نہیں رہ جائے گا"

غزنوی بڑے مودب بنے احسان صاحب کی گفتگو سن رہے تھے۔

"میں نہیں کہہ سکتا کہ احتشام کی بیٹی کے بارے میں جو کچھ کہا جارہا ہے اس میں حقیقت کتنی ہے۔ میں فی الحال نہ اس کے حق میں ووٹ دے سکتا ہوں نہ اس کی مخالفت میں"

"کیوں ابو! یہ کوئی بات نہیں ہوئی' کوئی نہ کوئی رائے تو دے ہی سکتے ہیں آپ اس کے بارے میں" یاسمین نے کہا۔

نائلہ نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔

"ان سے ملنے ملانے کا سلسلہ کتنے عرصے تک جاری رہے گا؟"

"ٹھیک کہتے ہیں ابو! جلد بازی نہیں کرنی چاہیے" غزنوی نے کہا۔

یاسمین' سیما اور نفیسہ بیگم تینوں خاموش بیٹھی تھیں۔

احسان صاحب بولے۔

"کیا بات ہے' تم لوگ خاموش کیوں ہو؟"

"جب آپ بول رہے ہوں تو ہمارے بولنے کی گنجائش کہاں باقی رہ جاتی ہے" نفیسہ بیگم نے مسکرا کر کہا۔

"نہیں بھئی' تمہارے بیٹے کا معاملہ ہے' تمہیں کچھ نہ کچھ تو بولنا ہی چاہئے"

"بیٹے نے اپنے لئے لڑکی پسند تو کرلی ہے"

"تمہاری اور اس کی پسند کا آپس میں ٹکراؤ ہو گیا ہے" احسان صاحب مسکرائے۔

"نہیں خیر" نفیسہ بیگم نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"تمہیں تو فارینہ پسند ہے نا"

"ہاں' لیکن زندگی تو غزنوی کو گزارنی ہے پھر میں اپنی پسند کو اس کے اوپر مسلط کیوں کروں؟"

"بہرحال' ابھی تو غزنوی میاں اپنی پسند کو پرکھیں گے' اس کے بعد ہی کوئی صحیح فیصلہ کرسکیں گے" احسان صاحب مسکراتے ہوئے بولے۔ غزنوی بھی اٹھ کر اندر چلے گئے۔

دوسرے روز احتشام صاحب کو ٹیلیفون پر اطلاع کرکے وہ لوگ ان کے گھر پہنچ گئے۔

غزنوی تنقیدی نگاہ سے ایک ایک چیز کا جائزہ لے کر غالباً "گھر والوں' خصوصاً" شفق کے سگھڑاپے کا اندازہ کرنے کی کوشش کررہے تھے۔ احتشام صاحب کی مالی حیثیت احسان صاحب کے مقابلے میں بہت کم تھی لیکن پھر بھی گھر کی ہر چیز اپنے مکینوں کے سلیقے اور نفاست کی داستان سنا رہی تھی۔

غزنوی احتشام صاحب کے گھر پہلی دفعہ آئے تھے۔ احسان صاحب نے اپنے بچوں کا ان سے تعارف کروایا۔ یہ عاصم ہے' یہ وکی (وقار) ہے یہ مانی (عثمان) ہے یہ ہماری سب سے چھوٹی بیٹی ہے ٹینا' بہت نٹ کھٹ ہے' احتشام صاحب یہ کہتے ہوئے مسکرائے۔

غزنوی کو احتشام صاحب کے باقی بچوں سے کیا دلچسپی ہوسکتی تھی۔ جس کی خاطر وہ یہاں آئے تھے وہ انہیں اب تک نظر نہیں آئی تھی اور نہ ہی احتشام صاحب نے اس کا کوئی ذکر کیا تھا۔

غزنوی سوچ رہے تھے۔

"شاید وہ اندر ہو' کسی کام میں مصروف ہو"

"یا پھر ممکن ہے وہ گھر میں موجود ہی نہ ہو"

"اگر وہ گھر میں نہ ہوئی تو پھر آج کا آنا تو بیکار ہی ثابت ہوا"

"لیکن نہیں' بیکار کیوں ثابت ہوگا' آئندہ میرے یہاں آنے کے لئے راستہ تو ہموار ہو گیا ہے"

اسی وقت احسان صاحب نے پوچھا۔

"شفق نظر نہیں آرہی ہے"

"شفق گھر میں ہے نہیں"

"اپنی ایک سہیلی کے گھر گئی ہوئی ہے کسی تقریب میں"

غزنوی نے سوچا۔

"دیکھا' وہی ہوا نا' جس کا مجھے خدشہ تھا"

"اس کی واپسی کب تک ہوگی؟ احسان صاحب پوچھ رہے تھے"

"جلدی ہی آنے کے لئے کہہ گئی ہے" شفق کی امی عارفہ بیگم نے کہا۔

ان لوگوں کو گھنٹہ بھر ہو گیا لیکن شفق کی واپسی نہیں ہوئی' اور جب غزنوی بالکل ہی مایوس ہو چکے تو وہ اچانک آگئی۔

ڈرائنگ روم میں آنے کے بجائے وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھنے لگی تو احتشام صاحب نے آواز دے کر اسے بلایا۔

"آداب!" اس کے ہونٹوں پر وہی مخصوص ملکوتی سی مسکراہٹ تھی۔ نیوی بلیو پرنٹڈ شلوار سوٹ میں وہ پچھلے تمام دنوں سے کہیں زیادہ اچھی لگ رہی تھی ڈھیر سارے بالوں کو سمیٹ کر اس نے سادہ سا جوڑہ بنایا ہوا تھا۔

احتشام صاحب مسکراتے ہوئے بولے۔

"تمہارے مہمان آئے ہوئے ہیں بیٹے"

"میرے مہمان؟" شفق لفظ "میرے" پر زور دے کر مسکرائی اور نائلہ کے برابر بیٹھ گئی۔

"ہاں احسان بھائی شکوہ کر رہے تھے کہ اسے ہمارے ہاں آنے کی اطلاع تھی پھر بھی وہ فنکشن میں چلی گئی"۔

"نہیں چچا جان ایسی بات کہہ ہی نہیں سکتے" شفق نے بڑے وثوق سے کہا۔

"اچھا مگر ان سے یہ تو کہو کہ کھانا کھا کر جائیں"

"میں تو خیر کہہ ہی دوں گی مگر آپ نے اب تک کیوں نہیں کہا؟"

"میں نے بہت کہا مگر میری بات مان ہی نہیں رہے ہیں"

شفق ان لوگوں سے مخاطب ہو کر بولی۔

"آپ لوگ کھانا کھا کر جائیے گا"۔

"نہیں بیٹی آج نہیں' پھر کبھی سہی" نفیسہ بیگم نے کہا۔

"کیوں؟ آج کیوں نہیں؟"

"تمہارے ابو امی نے چائے کے ساتھ ہی اتنا کچھ کھلا دیا ہے کہ اب مزید کچھ کھانے کی گنجائش نہیں" نفیسہ بیگم نے کہا۔

"اب کے جمعہ کو آپ لوگ ہمارے ساتھ کھانا کھائیے گا" نائلہ نے کہا۔

"کوئی تقریب ہے؟" شفق نے مسکرا کر پوچھا۔

"نہیں؟"

"پھر"

"بس ایسے ہی' اسی بہانے ایک دفعہ اور ملاقات ہو جائے گی"

"اس کا مطلب ہوا کہ ہر دفعہ ملاقات کرنے کے لئے دعوت کا انتظام کرنا پڑے گا" شفق نے کہا

"وہ تو بعد کی بات ہے پہلے اگلی ملاقات تو ہو"

یاسمین جو بڑی دیر سے ٹینا سے باتوں میں مصروف تھی' شفق سے مخاطب ہو کر بولی۔

احسان صاحب نے رسٹ واچ پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

"میرا خیال ہے اب چلنا چاہئے' باقی باتیں اگلی ملاقات کے لئے اٹھا رکھو"

غزنوی جو عاصم سے سیاسی موضوع پر تبادلہ خیال کر رہے تھے سب سے پہلے اٹھ کھڑے ہوئے۔ نائلہ نے کہا کیا بات ہے بھائی جان! آپ کو بہت جلدی ہے؟"

"جلدی' ذرا گھڑی دیکھو کیا وقت ہو رہا ہے" غزنوی نے کہا۔

نائلہ کا موڈ ابھی اور بیٹھنے کا تھا' سب کو اٹھتے دیکھ کر وہ بھی کھڑی ہو گئی۔

کار ڈرائیو کرتے ہوئے راستے میں غزنوی نے حساب لگایا کہ ابھی جمعہ آنے میں کتنے دن باقی ہیں' حالانکہ جمعہ آنے میں صرف تین دن باقی تھے لیکن غزنوی کو ایسا لگ رہا تھا جیسے یہ تین دن نہ ہوں' تین ہفتے ہوں' اپنے دل کی اس کیفیت پر وہ حیران تھے۔

وہ تین دن غزنوی کے لئے تین برس بن گئے' جو کسی طرح گزرنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے' پھر آخر کار وہ تین دن گزر ہی گئے' سیما اور یاسمین اپنی اپنی سسرال میں تھیں نفیسہ بیگم نے تاکید کر دی تھی کہ جمعہ کے روز دونوں شام ہی سے آجائیں۔

نفیسہ بیگم رات کے کھانے کے لئے خاصا اہتمام کر رہی تھیں۔ خانساماں کے ساتھ خود بھی باورچی خانے میں مصروف تھیں' غزنوی کو اس سارے اہتمام سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ ان کی دلچسپی کا مرکز تو صرف شفق تھی۔ سیما اور یاسمین ابھی پہنچی نہیں تھیں کہ راہ داری سے گزرتے ہوئے غزنوی نے ٹیلی فون کی گھنٹی کی آواز سنی' وہ [illegible] پلٹ آئے۔

"ہیلو" انہوں نے ریسیور اٹھا کر کہا۔

"ہیلو' میں شفق بول رہی ہوں"

دوسری طرف سے آواز آئی۔

"جی! فرمایئے" غزنوی نے کہا۔
"میں نے یہ بتانے کے لئے فون کیا ہے کہ....."
"آج آپ لوگ نہیں آ رہے ہیں"
غزنوی نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔
شفق ایک دم ہنس پڑی اور بولی۔
"آپ نے پوری بات تو سنی نہیں"
"تو پھر صرف آپ نہیں آ رہی ہوں گی" غزنوی نے کہا۔
"اُفوہ! اپنے آپ ہی قیاس آرائیاں کئے جا رہے ہیں"۔
"اب بتا بھی دیجئے"
"آپ بتانے بھی دیجئے"
"اچھا چلئے بتایئے"
"دراصل کہنا یہ ہے کہ ہم لوگوں کو آنے میں کچھ دیر ہو جائے گی"
"کیوں.... خیریت؟"
غزنوی اپنے دل کی بیتابیوں کو بڑی مشکل سے چھپا سکے۔
"ابو کے ایک دوست آ رہے ہیں پشاور سے' وہ انہیں لینے ایئرپورٹ جائیں گے' وقت تقریباً" وہی ہے جو آپ لوگوں کے گھر پہنچنے کا ہے"
"اچھا....!"
"جی ابو کہہ کر گئے ہیں کہ میں آپ لوگوں کو اطلاع کر دوں' امید ہے آپ لوگ مائنڈ نہیں کریں گے"
نہیں..... مائنڈ کرنے کی کیا بات ہے' لیکن....."
"لیکن کیا.....؟"
"یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ لوگ وقت پر آ جائیں احتشام چچا بعد میں آ جائیں گے"
"نہیں..... یہ تو برا معلوم ہوتا ہے کہ ظفر انکل آئیں اور گھر میں ہم لوگوں میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو"
"جیسے آپ مناسب سمجھیں' ویسے ہماری طرف سے اپنے ظفر انکل سے بھی کہہ دیں ہمارے ساتھ ہی کھانا کھا لیں....."
"جی بہتر۔ میں کہہ دوں گی اگر وہ آنا چاہیں گے تو آ جائیں گے"
"بس اور تو کچھ نہیں کہنا؟"
شفق الٹا انہی سے سوال کر بیٹھی
غزنوی سے کوئی بات نہ بن سکی تو وہ یوں ہی پوچھ بیٹھے

"آپ تو آ رہی ہیں نا؟"
"یہ سوال کیوں کیا آپ نے؟"
"میں نے سنا ہے آپ بہت کم ہی کہیں جاتی ہیں"
"کس سے سن لیا آپ نے؟"
"بس یونہی اڑتی اڑتی پہنچی ہے یہ خبر مجھ تک"
"سنی سنائی باتوں پر یقین کر لینا درست ہے آپ کے خیال میں؟"
"نہیں.... لیکن میں نے یہ کب کہا کہ میں نے اس افواہ پر یقین بھی کر لیا ہے"
"یقین نہیں کیا مگر دل میں بدگمانی تو کی"
"اچھا بھئی' غلطی ہو گئی' معافی چاہتا ہوں...."
غزنوی نے سوچا۔
اس لڑکی سے بات کرنا آسان نہیں
"اب تک تو میرا ارادہ تھا آپ کے گھر آنے کا' مگر اب میں نہیں آؤں گی"۔ شفق نے خاصے خشک لہجے میں کہا۔
"ارے آپ ناراض ہو گئیں؟" غزنوی جلدی سے بولے۔
شفق نے خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا
غزنوی نے ریسیور کریڈل پر ڈالتے ہوئے سوچا....
ارے! یہ میں کیا کر بیٹھا؟
مجھے کیا ضرورت تھی اس سے یہ سب کچھ کہنے کی
اب وہ نہیں آئے گی۔ خاصی ضدی لڑکی معلوم ہوتی ہے
مگر میں نے ایسی تو کوئی بات کہی بھی نہیں تھی' اتنی ذرا سی بات پر کہ اس نے آنے سے انکار کر دیا....
اسے کیا خبر کہ میں نے یہ تین دن کس طرح گزارے ہیں' ایک ایک منٹ پہاڑ بن کر گزرا ہے مجھ پر اور اسے احساس نہیں۔
اور اسے احساس ہو بھی نہیں سکتا
اس نے مجھے نہیں چاہا۔
پسند تو میں نے کیا ہے اسے۔
زندگی کے ہم سفر کے روپ میں اپنے خوابوں میں تو میں نے سجایا ہے اسے
غزنوی ریسیور پر ہاتھ رکھے سوچے جا رہے تھے۔ گ[illegible] والی ساری تیاری' سارا اہتمام انہیں الکل بے کار' بے مقصد معلوم ہو رہا [illegible]
نائلہ اس طرف سے گزری تو انہوں نے اس سے کہہ دیا کہ احتشام چچا وغیرہ دیر سے

آئیں گے۔ اور وہ خود گاڑی نکال کر یاسر کی طرف چل دیئے۔

غزنوی نے کوشش تو بہت کی کہ یاسر کو ان کی دلی کیفیت کا اندازہ نہ ہو سکے۔ مگر یاسر بھی ایک گھاگ تھے۔ تاڑ گئے کہ ضرور دال میں کالا ہے۔ انہوں نے پوری کوشش کر ڈالی کہ غزنوی اپنی شکل پہ بارہ بجنے کا سبب بتا دیں۔ لیکن غزنوی نے اس بات کو مان کر ہی نہ دیا کہ ان کی شکل پہ بارہ بجے ہیں۔ انہیں یہ بات پسند ہی نہیں تھی کہ کسی لڑکی کو موضوع بنا کر اس پر گفتگو کی جائے۔ یہ الگ بات تھی کہ شادی کے موقع پر شفق کو دیکھ کر انہیں تجسس ہوا اور وہ یاسر سے اس کے متعلق پوچھنے پر مجبور ہو گئے تھے۔

تقریباً" ساڑھے آٹھ بجے تھے۔ جب وہ باتیں کرتے کرتے ایک دم جانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے یاسر اصرار کرتے رہ گئے۔ خالہ روکتی رہیں کہ کھانا کھا کر جانا' مگر وہ نہیں رکے۔

آس اور نراس کے عالم میں گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے وہ گھر تک پہنچے۔

راستے بھر وہ شفق کے متعلق سوچتے رہے۔

معلوم نہیں وہ آئی ہوگی یا نہیں؟

جب اس نے انکار ہی کر دیا تھا تو پھر شاید ہی وہ آئی ہو۔

یا پھر..... ہو سکتا ہے وہ آ ہی گئی ہو۔

اگر آج وہ نہیں آئی تو پھر میں اپنی سوچوں کے دھارے کا رخ بدلنے کی کوشش کروں گا۔ سایوں کا تعاقب کرنے سے کیا حاصل ہوگا مجھے۔

وہ گھر پہنچے تو احتشام چچا آ چکے تھے۔ ان کی گاڑی باہر کھڑی تھی' ڈرائنگ روم تک پہنچتے ہوئے ان کی کیفیت عجیب سی تھی' اندر سے باتوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ چند سیکنڈ کو انہوں نے باہر رک کر سننے کی کوشش کی۔ ملی جلی سی آوازیں تھیں' مگر ان آوازوں میں وہ آواز نہیں تھی جسے سننے کے وہ متمنی تھے۔ وہ بجھے ہوئے دل کے ساتھ اندر داخل ہو گئے۔ ان کے اندر داخل ہوتے ہی سوالوں کی بوچھاڑ شروع ہو گئی۔

"ارے بھئی کہاں چلے گئے تھے؟" احسان صاحب نے پوچھا۔

"یاسر کی طرف گیا تھا" انہوں نے بتایا۔

"بتا کر بھی نہیں گئے۔" نفیسہ بیگم نے کہا۔

غزنوی سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔

"واہ غزنوی بھائی! ہمیں بلا کر خود غائب ہو گئے" ٹینا نے کہا۔

غزنوی نے پلٹ کر ٹینا کی طرف دیکھا تو اس کے پاس ہی انہیں شفق بیٹھی ہوئی نظر آئی جو ان کی طرف سے قطعی بے نیاز بنی یاسمین سے باتوں میں مصروف تھی۔ غزنوی کا بجھا ہوا چہرہ ایک دم جگمگا اٹھا۔

انہیں افسوس ہونے لگا کہ وہ کیوں چلے گئے تھے۔

معلوم نہیں یہ لوگ کتنی دیر سے آئے بیٹھے ہیں۔

وہ ٹینا کی طرف دیکھ کر مسکرائے اور بولے۔

"میں نے سنا تھا کہ آپ لوگ نہیں آئیں گے"

"کس سے سنا تھا؟" ٹینا نے حیران ہو کر پوچھا۔

"جس نے ٹیلیفون کیا تھا"

"ٹیلی فون تو شفق آپی نے کیا تھا"

"اچھا" غزنوی انجان بن کر بولے۔

"میں آواز تو پہچان نہیں سکا تھا' میں سمجھا تھا کہ تم ہو"

غزنوی نے یہ کہتے ہوئے ایک اچٹتی ہوئی نظر شفق پر ڈالی۔ وہ خشمگیں نگاہوں سے ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ پلٹ کر وکی اور مانی سے مخاطب ہو گئے۔

اتنے سارے لوگوں کی موجودگی میں نہ انہیں شفق سے بات کرنے کا موقع ملا نہ ہی شفق نے انہیں مخاطب کرنے کی کوشش کی۔ ہاں' انہیں یہ اندازہ ضرور ہو گیا کہ شفق کے بارے میں سیما اور یاسمین کی وہ پہلی جیسی رائے نہیں رہی تھی۔ وہ دونوں اس سے خاصی خوش نظر آ رہی تھیں۔ نفیسہ بیگم کے چہرے سے کچھ اندازہ نہیں ہو رہا تھا' غزنوی سوچ رہے تھے۔

معلوم نہیں' شفق کے بارے میں امی کی کیا رائے ہے؟

احتشام چچا کے جانے کے بعد گفتگو کا موضوع شفق تھی۔ نائلہ بضد تھی کہ احسان صاحب بھی اس کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کریں

"ابو! اب بتا بھی دیجئے' آپ نے شفق باجی کے بارے میں کیا رائے قائم کی؟"

"دیکھو بیٹی! بات دراصل یہ ہے کہ اتنی جلدی کسی کے بارے میں رائے قائم نہیں کی جا سکتی"

"پھر بھی کچھ تو بتائیے"

"ہاں اچھی لڑکی معلوم ہوتی ہے"

"غزنوی بھائی! آپ کے کیا تاثرات ہیں؟" یاسمین نے پوچھا۔

"میرے کوئی تاثرات نہیں"

"کیوں؟"

"میری تو اس سے کوئی بات ہی نہیں ہوئی"

"تو آپ نے کیوں نہیں کی؟"

"اس لئے کہ اس نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی"

"اس طرح تو یہ معاملہ بہت طول کھینچے گا" نائلہ نے پریشان ہو کر کہا۔

"تو تمہارا کیا نقصان ہے اس میں؟" غزنوی نے کہا۔

"میں چاہتی ہوں یہ معاملہ جلدی سے طے کیا جائے"

"کسی بھی کام میں جلد بازی اچھی نہیں ہوتی" احسان صاحب نے کہا۔

"وہ تو ٹھیک ہے ابو!" لیکن اتنی زیادہ دیر بھی اچھی نہیں ہوتی۔

"ہاں!"

احسان صاحب نے محض "ہاں" کہہ کر بات کو ٹالنے کی کوشش کی۔

غزنوی اٹھ کر اپنے کمرے میں چلے گئے تو نائلہ بھی ان کے پاس پہنچ گئی

"کیوں، خیریت؟"

غزنوی اس کی طرف دیکھ کر معنی خیز انداز سے مسکرائے

"بھائی جان۔ یہ لوگ تو اس طرح معاملے کو ٹالتے رہیں گے"

"اچھا تو پھر کیا کرنا چاہیے؟" غزنوی نے پوچھا۔

"انہیں یہ سوچ کر دل ہی دل میں ہنسی آرہی تھی کہ وہ خود تو شفق کے لئے بے تاب ہیں ہی، نائلہ بھی کچھ کم بے چین نہیں"

نائلہ نے کہا۔

" آپ ایسا کیجئے کہ آپ خود ہی شفق باجی سے بات کر کے اس معاملے کو آگے بڑھائیں"

"یعنی میں تمہاری شفق باجی سے کہہ دوں کہ میں ان سے شادی کرنا چاہتا ہوں"

غزنوی اسے چھیڑتے ہوئے بولے۔

"نہیں بھائی جان۔ میرا مطلب ہے کہ آپ شفق باجی سے ویسے بات کیجئے تاکہ وہ آپ سے فری ہو سکیں"

"اچھا ٹھیک ہے، فری ہو گئیں تمہاری شفق باجی مجھ سے، پھر کیا ہو گا؟"

" پھر ہو گا یہ کہ آپ دونوں کو ایک دوسرے کے مزاج کا اندازہ ہو جائے گا۔ اور ابو بھی چاہتے ہیں کہ آپ دونوں ایک دوسرے کو سمجھ لیں تاکہ آپ لوگوں کے مستقبل کے بارے میں کوئی فیصلہ کیا جا سکے"

"اچھا دادی اماں! بہت باتیں بنانے لگی ہو"

غزنوی نے مصنوعی ناراضگی سے کہا۔

نائلہ روہانسی ہو گئی تو غزنوی کو اس پر ترس آگیا۔ اس کا سر تھپتھپا کر بولے۔

"اچھا بھئی۔ کچھ کریں گے، تم اتنی فکر مند مت ہو اور نہ ہی اپنا موڈ خراب کرو"

نائلہ کے دل کو کچھ تسلی ہوئی۔

"وہ چلی گئی تو غزنوی سوچنے لگے کہ واقعی اگر میں نے اور شفق نے اسی طرح خاموشی اپنائے رکھا تو بات جہاں ہے وہیں رہے گی۔ اس سے آگے نہیں بڑھ سکے گی۔"

لیکن وہ پریشان تھے کہ اپنے دل کی بات شفق سے کیسے کہہ سکیں گے۔

ان کی زندگی میں ایسے لمحات نہیں آئے تھے

انہوں نے کسی لڑکی کے متعلق اس انداز سے سوچا ہوتا تو انہیں اپنے جذبات کے اظہار کی ضرورت بھی پیش آتی۔ اور پھر جذبات کے اظہار کے لئے الفاظ کا سہارا لینا انہیں بالکل پسند نہیں تھا۔

انہیں احساس تھا کسی کو پسند کر لینا بڑی آسان سی بات ہے لیکن اس راہ کا تعین کرنا بہت مشکل ہے جس پر چل کر اپنی منزل مقصود تک پہنچا جا سکے۔

مشکل تو یہ تھی کہ شفق انہیں عام لڑکیوں سے کچھ مختلف نظر آئی، اگر اس کی طرف سے ذرا سی بھی حوصلہ افزائی ہوتی تو وہ بھی قدم آگے بڑھا سکتے تھے۔

اب ایسا بھی نہیں تھا کہ شفق ان کے مفہوم سے بالکل ہی بے خبر تھی۔ شادی کے ہنگاموں میں گزرے ہوئے وہ تین دن، کم تو نہ تھے۔ شفق کی جگہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو کسی کی نگاہوں کے تعاقب کو محسوس کر کے اور کچھ نہ سہی کم سے کم اس بات کا اظہار تو کر ہی سکتی تھی کہ وہ ان نگاہوں کے مفہوم سے بے خبر نہیں۔

لیکن شفق کا انداز تو ایسا تھا جیسے اسے غزنوی کی نگاہوں کے تعاقب کا احساس تک نہ ہو۔

دو تین روز گزر گئے۔
غزنوی کی سمجھ میں بالکل نہیں آرہا تھا کہ شفق تک پہنچنے کے لئے وہ کون سی راہ اپنائیں۔

بغیر بلائے اس کے گھر جانا بھی انہیں بہت عجیب لگتا تھا۔

لیکن اس روز شفق کے گھر جانے کا سبب خود بخود پیدا ہوگیا۔ وہ شام کو آفس سے لوٹ رہے تھے کہ راستے میں عارفہ چچی اور ٹینا نظر آئیں۔ وہ دونوں شاپنگ کرنے کے بعد کسی سواری کی تلاش میں پریشان کھڑی تھیں اپنے اپنے ہاتھوں میں شاپنگ بیگ سنبھالے وہ سڑک پر سے گزرنے والی ہر ٹیکسی اور رکشہ پر نگاہ رکھے ہوئی تھیں کہ شاید کوئی خالی ٹیکسی یا رکشہ مل جائے ایسے میں غزنوی فرشتہ رحمت بن کر آگئے

"شکر ہے غزنوی بھائی! آپ نے اس وقت ہمیں دیکھ لیا ورنہ آج گھر پہنچنے کی کوئی صورت نظر نہیں آرہی تھی" ٹینا نے کہا۔

"بہت دیر سے کھڑی تھیں آپ لوگ؟"

"ہاں بیٹے! خاصی ہی دیر ہوگئی کھڑے ہوئے"

"شام کے وقت اس طرف سے سواری مشکل سے ہی ملتی ہے" غزنوی نے کہا۔

احتشام چچا کا گھر آیا تو غزنوی انہیں ڈراپ کرکے جانے لگے۔ مگر دونوں مصر ہو گئیں کہ

اس طرح وہ ہرگز نہیں جانے دیں گی۔ غزنوی کو اندر جاتے ہی بن پڑی۔

غزنوی' عارفہ چچی اور ٹینا کے ساتھ اندر داخل ہوئے تو سب سے پہلے ان کا سامنا شفق سے ہی ہوا۔ وہ ٹھٹک کر رہ گئی۔

غزنوی کو اپنے سامنے پاکر وہ سخت حیران تھی۔ چند سیکنڈ بعد اپنی کیفیت پر قابو پاکر وہ عارفہ بیگم سے مخاطب ہوئی۔

"اتنی دیر کردی امی آپ نے؟"

"شکر کیجئے کہ آج کی تاریخ میں گھر واپس آگئے" ٹینا نے کہا۔

"کیوں۔ کیا آج واپس آنے کا ارادہ نہیں تھا؟"

"ہمارا ارادہ تو گھر واپس آنے کا ہی تھا' لیکن رکشہ' ٹیکسی والوں کا ارادہ نہیں تھا ہمیں گھر تک پہنچانے کا"۔ ٹینا نے کہا۔

عارفہ بیگم بولیں۔

"اچھا۔ اب باتیں چھوڑو' جاکر مجید سے کہو چائے بنائے"

"چائے تو تیار ہے امی" شفق نے کہا۔

"غزنوی بیٹے تم منہ ہاتھ دھولو"

عارفہ بیگم نے کہا۔ پھر وہ شفق کی طرف دیکھتے ہوئے بولیں۔

"غزنوی کو باتھ روم دکھادو"

"آیئے۔!" شفق نے کہا

غزنوی اس کے پیچھے پیچھے چل دیئے۔

وہ لوگ چائے کی میز تک پہنچے ہی تھے کہ مجید نے آکر اطلاع دی کہ "کوئی بیگم صاحبہ عارفہ چچی سے ملنے آئی ہیں۔"

"تم لوگ چائے پیو' میرا خیال ہے بیگم ارشد ہوں گی' دوپہر کو فون کیا تھا انہوں نے"
عارفہ بیگم نے کہا۔

عارفہ بیگم کے جانے کے بعد شفق اور غزنوی ہی رہ گئے۔ ٹینا پہلے ہی نہانے کے لئے گھس گئی تھی۔

"بیٹھیے!" شفق نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

"کیا بات ہے۔ عاصم' وکی' مانی کوئی بھی نظر نہیں آرہا؟"

"جی ہاں۔ شام کو یہ لوگ گھر میں ذرا کم ہی ٹکتے ہیں"

"احتشام چچا بھی نظر نہیں آرہے ہیں؟"

"وہ ظفر انکل کے ساتھ کہیں گئے ہیں"

شفق نے کپ میں چائے انڈیلتے ہوئے کہا

"اچھا آپ کے ظفر انکل ابھی ہیں"
"جی' وہ ایک ہفتے کے لئے آئے ہیں"
شفق نے چائے کا کپ غزنوی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا
"صرف ایک کپ چائے بنائی ہے آپ نے؟" غزنوی نے پوچھا۔
"جی....!"
"کیوں....؟ آپ....؟"
"میں چائے پی چکی ہوں"
"ساتھ دینے کے لئے بھی نہیں پئیں گی؟"
شفق نے ان کی بات کا جواب دیئے بغیر اپنے لئے بھی چائے بنالی۔
"اور کیا مشاغل ہیں آپ کے...؟"
غزنوی نے چائے کا گھونٹ لے کر پوچھا۔
"کوئی مشاغل نہیں"
"یعنی صرف پڑھائی سے دلچسپی ہے"
"جی!"
"فلموں کا شوق ہے؟"

چند سیکنڈ تک کمرے میں خاموشی رہی۔ غزنوی کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا اور کیا بات کریں' شفق نے خود ہی ان کی مشکل آسان کردی۔ وہ نائلہ' سیما اور یاسمین کے بارے میں پوچھتی رہی۔

"کسی دن ان لوگوں کو یہاں لے کر آیئے" شفق نے کہا۔
"آپ خود فون پر بات کرلیجئے ان لوگوں سے' وہ جب کہیں گی میں لے آؤں گا"
"ٹھیک ہے' میں بات کرلوں گی؟"
شفق نے کہا۔ پھر کرسی کی پشت سے سر ٹکاتے ہوئے بولی۔
"ایک بات پوچھوں؟"
"جی' ضرور پوچھئے"
غزنوی قدرے حیران ہوئے۔
"آپ نے اس دن ٹینا سے جھوٹ کیوں بولا تھا؟"
"کیسا جھوٹ.....؟"
"یہی کہ آپ آواز نہیں پہچان سکے تھے"
غزنوی ایک دم مسکرا دیئے۔
"میں نے اپنا نام بھی بتایا تھا۔ پھر آواز نہ پہچاننے کی گنجائش کہاں باقی رہ جاتی ہے"

شفق خاصی سنجیدہ تھی۔
"میں نے تو مذاق کیا تھا' آپ نے مائنڈ کیا؟"
"میں نے بھی مذاق میں کہا تھا کہ میں نہیں آؤں گی۔ آپ نے کیوں مائنڈ کیا؟"
"میں نے تو نہیں مائنڈ کیا تھا"
"تو پھر آپ چلے کیوں گئے تھے"۔
"میں!"
غزنوی سوچ میں پڑ گئے کہ اسے سچ مچ بتادیں یا پھر جھوٹ کا سہارا لیں۔
"کیوں چلے گئے تھے آپ؟"
شفق نے دوبارہ اپنا سوال دہرایا۔
"میں نے سوچا آپ تو آئیں گی نہیں پھر میں رک کر کیا کروں گا"
"تو گویا آپ کو صرف میرے آنے سے دلچسپی تھی"
"جی" غزنوی نے صاف گوئی سے کہا۔
"اچھی بات ہے' میں ابو امی اور باقی لوگوں کو بتادوں گی"
"کیا بتادیں گی؟"
"کہ آپ کو ان سب لوگوں کا جانا برا لگا تھا"
شفق ہونٹ دانتوں تلے دبا کر مسکرائی۔
"یعنی آپ نہیں چاہتیں کہ ہم لوگ ایک دوسرے سے ملیں"
غزنوی نے چائے کا آخری گھونٹ لے کر کہا
"آپ ہم لوگوں سے ملنا چاہتے ہیں؟"
"جی....!"
"کیوں؟"
"آپ تک پہنچنے کا کوئی راستہ تو ہونا چاہئے"
غزنوی بے ساختہ کہہ بیٹھے۔
شفق شاید اس صاف گوئی کے لئے تیار نہیں تھی۔ اس کی حیرت زدہ نگاہیں چند سیکنڈ کے لئے غزنوی کے چہرے پر جم کر رہ گئیں۔
اسی دوران ٹینا آگئی
"آپی! پلیز ایک کپ چائے بنادیں"
شفق اس کے لئے چائے بنانے لگی تو وہ غزنوی سے مخاطب ہو کر بولی۔
"آپ رات کا کھانا کھا کر جایئے گا غزنوی بھائی"
"رات کا کھانا پھر کسی روز کھالوں گا اب تو میں گھر جاؤں گا' امی انتظار کررہی ہوں گی"

غزنوی نے اٹھتے ہوئے کہا۔
"اچھا' پھر کس دن؟"
"کسی بھی دن' آنے سے پہلے فون کردوں گا"
"پھر میں تو یہیں سے آپ کو خدا حافظ کہہ دیتی ہوں' ورنہ میری چائے ٹھنڈی ہو جائے گی" غزنوی اس کی سادگی پر مسکرا دیئے۔
ٹینا نے شفق سے کہا
"آپی! آپ غزنوی بھائی کو گیٹ تک چھوڑ آئیں' امی کو بھی بتا دیجئے گا"
ڈرائنگ روم کے دروازے پر ہی غزنوی نے عارفہ چچی کو خدا حافظ کہا اور شفق کے ساتھ گیٹ تک آئے۔
گاڑی کی چابی جیب سے نکالتے ہوئے انہوں نے شفق سے کہا۔
"آپ کس دن فون کریں گی؟"
"آپ کو بتانا ضروری ہے؟"
"نہیں میں نے تو ویسے ہی پوچھ لیا۔"
"میں جس دن بھی مناسب سمجھوں گی' کردوں گی"
"اچھا خدا حافظ"
غزنوی نے کہا اور گاڑی کی طرف بڑھ گئے
راستے میں انہوں نے سوچا۔
اس اچانک ملاقات کا تو میں نے تصور بھی نہیں کیا تھا
شفق کے ساتھ مختصر سا وقت گزار کے وہ سارے دن کی تھکن بھول گئے تھے۔
شفق نے دوسرے ہی روز نائلہ کو ٹیلی فون کیا اور اسے سیما اور یاسمین کے ساتھ گھر آنے کی دعوت دی۔ سیما اور یاسمین تو اپنی سسرال میں تھیں' نائلہ نے ان کی طرف سے معذرت کرلی اور وہ خود جیسے شفق کے گھر جانے کے لئے تیار ہی بیٹھی تھی۔ جھٹ حامی بھرلی
یوں غزنوی اور شفق کی ایک اور ملاقات ہوگئی
فاصلے کچھ اور سمٹ گئے
اجنبیت اور جھجک کچھ اور کم ہوگئی
عاصم نے غزنوی سے کہا۔
"غزنوی بھائی! آپ شام کو کیا کرتے ہیں۔ ہمارے یہاں آجایا کیجئے"۔
"میں نے سنا ہے تم لوگ شام کو گھر میں ٹکتے ہی نہیں ہو" غزنوی نے کہا۔
یہ کہتے ہوئے انہوں نے شفق کی طرف دیکھا۔ عاصم ہنس کر بولا۔
یہ ڈائیلاگ مجھے شفق کا معلوم ہوتا ہے۔

شفق اور عاصم میں صرف ایک سال کا فرق تھا۔ عاصم اسے صرف شفق کہتا تھا' جب کہ شفق کا اصرار ہوتا تھا
کہ مجھے "آپا" یا "آپی" کہا کرو۔
"غزنوی بھائی! اگر آپ آجایا کریں گے تو ہم آپ کو شکایت کا موقع نہیں دیں گے' شام کو بڑی باقاعدگی سے گھر میں ہی نظر آیا کریں گے" وکی نے کہا۔
"اگر تم دونوں اپنی اپنی درخواست تحریری طور پر پیش کرو تو میں اس پر غور کرنے کے لئے کچھ وقت نکالوں"
غزنوی نے جواب دیا۔
شفق' نائلہ اور ٹینا لان کے آخری سرے پر بیٹھی فلم دیکھنے کا پروگرام بنا رہی تھیں۔
"ہم لوگ فلم اپنے اپنے پیسوں سے دیکھتے ہیں' کسی ایک کے اوپر بوجھ نہیں ڈالتے" ٹینا نے بتایا۔
نائلہ نے بڑی فراخدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔
لیکن اس دفعہ فلم صرف ایک آدمی کے پیسوں سے دیکھی جائے گی" یعنی بھائی جان کے پیسوں سے"۔
"بھائی جان یہاں آیئے"
اس نے آواز دے کر غزنوی کو بلایا۔
شفق اور ٹینا منع کرتی رہ گئیں' لیکن نائلہ نے جھٹ پٹ غزنوی سے سارا معاملہ طے کرلیا کہ کس دن کس شو میں کون سی فلم دیکھنی ہے۔
گھر جاتے ہوئے نائلہ نے راستے میں غزنوی سے کہا۔
"بھائی جان میرا تو خیال ہے شفق باجی بالکل بھی مغرور نہیں ہیں"
"ہاں....."
"اب تو امی اور ابو کو بات کچھ اور بڑھانی چاہئے"
"کچھ عرصے اور صبر کرو"
"معلوم ہوتا ہے ابھی آپ مطمئن نہیں ہوئے"
"کچھ دن اور پرکھ لیتے ہیں کیا حرج ہے"
"اچھا بھئی... جیسی آپ کی مرضی"
نائلہ نے ایک طویل سانس لی اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی

ایک ایک کرکے بہت سارے دن گزر گئے۔ دونوں گھرانوں کے تعلقات آہستہ آہستہ بڑھنے لگے۔ احسان صاحب اور نفیسہ بیگم بھی شفق کے معاملے میں خاصے مطمئن نظر آتے تھے۔ اب تو نفیسہ بیگم کو بھی کچھ کچھ یقین سا آگیا تھا۔ شفق انہیں نک چڑھی معلوم ہوتی تھی نہ مغرور' ہاں کسی کسی وقت یہ احساس ضرور ہوتا تھا کہ وہ کچھ کم سخن سی ہے' یا پھر ان کے خیال میں بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے بات ناپ تول کر کرنے کی۔ شفق کا شمار بھی ایسے ہی لوگوں میں کرتی تھیں۔

نفیسہ بیگم اور احسان صاحب کا خیال تھا کہ اب اس معاملے کو مزید آگے بڑھانا چاہئے۔

سیما اور یاسمین تو اپنے اپنے دلوں میں غزنوی کی منگنی کا ارمان لئے ہی واپس چلی گئی تھیں۔ نفیسہ بیگم کو اس بات کا افسوس تو تھا مگر وہ کیا کرتیں۔ بغیر سوچے سمجھے تو کسی لڑکی کو غزنوی کے سر نہیں منڈھ سکتی تھیں۔ جو لڑکی ان کے خیال میں ہر لحاظ سے غزنوی کے لئے موزوں و مناسب تھی' اس کی طرف غزنوی مائل ہی نہیں ہوتے تھے۔ فارینہ تو ان کی نگاہوں کے سامنے بچپن سے ہی تھی۔ اس کی ہر اچھی' بری عادت کا انہیں علم تھا۔ وہ ہر لحاظ سے اسے پرکھ چکی تھیں۔ مگر شاید خدا کو ہی منظور نہیں تھا کہ فارینہ ان کے غزنوی کی دلہن بنے۔

اس روز غزنوی آفس سے آئے تو شام کی چائے پینے کے بعد نفیسہ بیگم نے ان کی شادی

کا ذکر چھیڑ دیا۔ احسان صاحب بھی موجود تھے۔

"غزنوی بیٹے! میرا خیال ہے کہ اب تک تو تمہیں شفق کی طبیعت کا اندازہ ہو چکا ہوگا"

"جی.... ! خاصی حد تک"۔

"پھر تمہارا کیا خیال ہے۔ احتشام بھائی سے بات کی جائے"

"اتنی جلدی کیا ہے امی!"

"لیکن اس قدر دیر کرنے کی بھی کیا ضرورت ہے؟"

"ہاں بھئی! میں بھی سمجھتا ہوں کہ اب احتشام اور بھابی کے سامنے ذکر کر ہی دینا چاہئے"۔
احسان صاحب نے کہا۔

"ویسے تو کچھ عرصے اور ہم خاموشی اختیار کر لیتے' لیکن لڑکی شکل و صورت کی اچھی ہے' اور آج کل لوگ شکل و صورت پہلے دیکھتے ہیں' عادات و اطوار پر بعد میں دھیان دیتے ہیں' کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی اور جگہ بات طے ہو جائے"
نفیسہ بیگم نے کہا۔

"ہاں تمہاری امی ٹھیک کہتی ہیں"

"کچھ روز اور ٹھہر جائیے۔ امی" غزنوی نے کہا۔

"آخر کتنے روز اور بھئی؟"

"بس' دو چار روز اور"

"چلو تم کہتے ہو تو کچھ دن اور خاموشی اختیار کر لیتے ہیں"
غزنوی کے جانے کے بعد احسان صاحب نے کہا۔

"نفیسہ بیگم! تم نہیں سمجھتیں' یہ نئے زمانے کے لوگ ہیں' تمہارے صاحبزادے جب تک اس لڑکی سے اس کا اعتراف نہیں کروائیں گے کہ وہ انہیں پسند کرتی ہے' اسے اس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں' اس وقت تک ہمیں احتشام سے بات نہیں کرنے دیں گے"

غزنوی نے اس رات فیصلہ کر لیا کہ وہ کل ہی شفق سے اس موضوع پر صاف صاف بات کرلیں گے۔ انہوں نے سوچا۔

بجائے اس کے کہ بات بڑوں کے درمیان ہو اور خدانخواستہ انکار کی صورت میں سارے خاندان کو معلوم ہو' بہتر یہ ہے کہ معاملہ میرے اور شفق کے درمیان رہے

دوسرے روز انہوں نے آفس سے ہی ٹیلی فون کیا۔

انہوں نے سوچا۔

اگر فون شفق نے ریسیور کیا تو اس وقت وہ اس سے بات کرلیں گے

وقت کچھ ایسا تھا کہ سب ہی اپنے اپنے کمروں میں آرام کر رہے تھے۔ فون کی گھنٹی بجی تو شفق اتفاقاً ادھر سے گزر رہی تھی

"ہیلو!" اس نے ریسور کان سے لگاتے ہوئے کہا۔
غزنوی شفق کی آواز سن کر خوش ہو گئے 'انہوں نے اطمینان کی سانس لی اور بولے
"شکر ہے فون آپ ہی نے ریسور کیا"
"کیوں خیریت؟" شفق نے پوچھا۔
"سوچا تھا آج شام گھر آؤں گا آپ سے ایک اہم موضوع پر بات کروں گا"
"اچھا پھر؟"
"لیکن اب سوچتا ہوں کہ گھر پر شاید موقع نہ مل سکے"
"ایسی کون سی خاص بات ہے؟"
"بتادوں.....؟"
"بتادیجئے....."
"یہ بھی ذہن میں رکھئے گا کہ آپ کو جواب بھی اسی وقت دینا پڑے گا"
"اچھا اب بتا بھی دیجئے' اس قدر سسپنس کیوں پیدا کر رہے ہیں؟"
"متحمل بھی ہو سکیں گی آپ اس بات کو سننے کی؟"
"تحمل کا فقدان تو ہے مجھ میں" شفق نے کہا۔
"تو پھر نہ کہوں؟"
"نہیں کہئے"
"میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے ساتھ رہیں"
"آپ کے ساتھ رہوں؟"
شفق نے حیران ہو کر کہا
"جی' یہ میری خواہش ہے' میری تمنا ہے"
"آپ کس قسم کی باتیں کر رہے ہیں؟"
شفق کے لہجے سے ناراضگی کا اظہار ہو رہا تھا
"آپ ناراض نہ ہوں' صرف میری اس بات کا جواب دیں کہ آپ میرے ساتھ رہنا چاہتی ہیں یا نہیں؟"
"معلوم نہیں آپ کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہیں"
"یہ بہکی بہکی باتیں نہیں شفق' ایک خواب ہے۔ میرے حال کا جسے مستقبل میں زندگی کی حقیقت بنانا چاہتا ہوں"
"اوہ....."
شفق نے ایک گہری سانس لی۔
"کس قدر الجھا کر بات کرتے ہیں آپ" اس نے کہا۔

"میں نے تو بہت صاف اور سیدھے الفاظ میں اپنی دلی خواہش کا اظہار کیا ہے"
غزنوی نے کہا۔ شفق خاموش رہی۔
"پھر آپ کا کیا فیصلہ ہے!" غزنوی نے پوچھا۔
"آپ نے کہا تھا ایک اہم موضوع پر بات کرنی ہے"
"ہاں' تو آپ کے خیال میں یہ اہم موضوع نہیں؟"
"یقیناً اہم موضوع ہے"
"تو پھر....."
"آپ خود سوچئے' زندگی کا اتنا اہم معاملہ ہو اور فیصلہ ایک دم بغیر سوچے سمجھے کرلیا جائے۔ آپ کے خیال میں یہ مناسب ہے؟"
شفق نے پر سکون انداز میں کہا۔
غزنوی اس کی بات سن کر لاجواب سے ہوئے چند سیکنڈ خاموش رہ کر انہوں نے کہا۔
"اچھا' تو پھر کتنا وقت درکار ہے۔ آپ کو فیصلہ کرنے کے لئے؟"
"یہ بتانا بھی مشکل ہے"۔
"کیوں.... اس میں کیا مشکل ہے"
"آپ نے یک طرفہ طور پر فیصلہ کر کے مجھے سنا دیا۔ میں تو ذہنی طور پر تیار بھی نہیں تھی اس کے لئے"
"اچھا چلئے' فیصلہ بعد میں کرتی رہئے گا' لیکن ایک بات تو بتادیجئے"
"جی پوچھیے"
"مجھے آپ نے کیسا پایا؟"
"جیسے آپ ہیں"
"یہی تو معلوم کرنا چاہتا ہوں میں کیسا ہوں؟"
"آپ کو خود نہیں معلوم آپ کیسے ہیں؟"
"میں تو اس کی رائے معلوم کرنا چاہتا ہوں جس کے ساتھ زندگی گزارنی ہے"
"آپ قطعی فیصلہ کر چکے کہ آپ کو زندگی میرے ہی ساتھ گزارنی ہے؟"
"آپ کو شک ہے؟"
"سوچ سمجھ کر بھی کیا ہے فیصلہ؟"
"بہت اچھی طرح"
"آپ کو شاید اندازہ نہیں' مجھے برداشت کرنا بہت مشکل ہے"
"اچھا! اگر میری نظر سے اب تک آپ کی کوئی ایسی حرکت گزری نہیں۔ جس سے آپ یہ سمجھ سکیں کہ مجھے برداشت کرنا مشکل ہے"۔

"میرا خیال ہے ہمیں ملتے ہوئے بہت زیادہ عرصہ نہیں گزرا"

"کیا کہنا چاہتی ہیں آپ؟"

"یہی کہ اتنی جلدی نہ کسی کو صحیح طور پر سمجھا جاسکتا ہے نہ ہی اس کے بارے میں کوئی ح رائے قائم کی جاسکتی ہے"

"چھوڑیئے ان سب باتوں کو' میں آپ کو یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ امی اور ابو احتشام چچا ا چچی جان سے بات کرنے کے لئے آنا چاہتے تھے' میں نے انہیں روک دیا"

"اچھا....!"

"ہاں۔ میں نے سوچا کہ پہلے آپ سے تو پوچھ کر دیکھوں کہ آپ کے دل میں میرے ل جگہ بھی ہے یا نہیں"

"پھر کیا معلوم ہوا؟"

"کچھ بھی نہیں' آپ بڑی گہری ہیں"

غزنوی نے ایک طویل سانس لے کر کہا

شفق ہنس پڑی

"اچھا' خدا حافظ" غزنوی نے کہا۔

"شام کو آئیں گے' آپ؟"

"ایک شرط پر"

"کون سی شرط پر؟"

"آپ شام تک میری بات کا جواب دیں گی"

"یہ بہت مشکل ہے"

"بالکل مشکل نہیں' ابھی کئی گھنٹے ہیں سوچنے کے لئے"

"اچھا دیکھوں گی...."

"خدا حافظ!"

غزنوی نے فون بند کر دیا۔

کئی منٹ تک وہ سوچوں میں ڈوبے بیٹھے رہے۔

وہ فکر مند تھے۔

آنے والی شام کے لئے۔

امید اور ناامیدی کا دامن تھامے وہ سوچ رہے تھے

معلوم نہیں وہ کیا فیصلہ کرے گی....؟

اگر اس کا جواب انکار میں ہوا تو؟

شاید میرے لئے اپنے آپ کو سنبھالنا مشکل ہو جائے۔

غلطی میری ہی ہے۔ مجھے اتنا آگے نہیں بڑھنا چاہئے تھا

لیکن میں نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا۔ یہ سب کچھ تو غیر ارادی طور پر ہو گیا' ارادہ کر کے نہ تو کسی کو چاہا جاسکتا ہے نہ کسی سے محبت کی جاسکتی ہے

خیر اللہ مالک ہے

دیکھا جائے گا جو بھی قسمت میں ہو گا

انہوں نے سر جھٹک کر اپنے ذہن کو سوچوں سے آزاد کیا اور کام میں مصروف ہو گئے لیکن آنے والی شام کے انتظار میں وہ دل ہی دل میں بے چین تھے۔

دوپہر سے شام تک کا وقت سوچوں کے بھنور میں ڈوبتے اور ابھرتے ہی گزر گیا۔ غزنوی کا دل چاہتا تھا وقت تیزی سے گزر جائے۔ وہ شفق سے ملیں اور اور انہیں اپنی بات کا جواب اثبات میں مل جائے۔

غزنوی کپڑے تبدیل کر کے شفق کے گھر جانے کے لئے باہر آئے ہی تھے کہ ان کے دوست آگئے' آصف احمد ان کے بڑے اچھے دوستوں میں سے تھے لیکن اس وقت انہیں آصف احمد کا آنا بالکل اچھا نہیں لگا۔ مگر کیا کرتے۔ جبراً اپنے ساتھ لے کر اندر آگئے آصف احمد جب تک بیٹھے رہے غزنوی نے چور نگاہوں سے معلوم نہیں کتنی بار وال کلاک کی طرف دیکھا ایک ایک منٹ ان کے اوپر سے پہاڑ بن کر گزر رہا تھا خدا خدا کر کے ان کے دوست رخصت ہوئے تو غزنوی شفق کے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔

کال بیل کی آواز پر شفق ہی باہر آئی۔ اس کی تیاری دیکھ کر غزنوی کو گمان گزرا کہ شاید اسے کہیں جانا ہے۔

"آیئے...."

شفق نے ایک طرف ہٹ کر انہیں اندر آنے کا راستہ دیا

"آپ تنہا ہیں گھر میں؟"

غزنوی نے صوفے کی طرف بڑھتے ہوئے پوچھا

"نہیں امی ہیں' ٹینا بھی ہے"

"اور باقی لوگ؟"

"ابو آپ کا انتظار کر کے چند منٹ پہلے ہی باہر گئے ہیں"

"غالباً آپ بھی کہیں جانے کے لئے تیار ہیں"

غزنوی نے سرتاپا اس کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں' مجھے ایک فنکشن میں جانا ہے"

شفق نے ان کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا

"کیسا فنکشن ہے؟"

غزنوی نے پوچھا
"میری ایک کلاس فیلو کی بہن کی شادی ہے"
"اچھا پھر تو میں ناحق ہی آیا' آپ کو دیر ہو جائے گی"
"نہیں ابھی تو خاصا ٹائم ہے"
شفق نے رسٹ واچ پر ایک سرسری سی نگاہ ڈالی
"آپ جانا چاہیں تو چلی جائیں' میں چچی جان اور ٹینا کے ساتھ کچھ وقت گزار لوں گا"
شفق غزنوی کے اس جملے پر چونکی
ان کی طرف دیکھتے ہوئے تاثرات کا اندازہ لگانے کی کوشش کی۔
ایسا محسوس ہوا جیسے غزنوی کو اس کا فنکشن میں شرکت کرنا کچھ پسند نہ آیا ہو
"چچی جان کیا کر رہی ہیں؟"
غزنوی نے پوچھا
"نماز پڑھ رہی ہیں"
"اور ٹینا؟"
"وہ بھی نماز پڑھ رہی ہیں"
"آپ نہیں پڑھتیں نماز؟"
"پڑھتی ہوں اس وقت نہیں پڑھی"
"ہوں...."
غزنوی صوفے کی پشت پر سر ٹکا کر سوچنے لگے
"اب اس وقت وہ بات چھیڑنا مناسب بھی ہے' جس کی خاطر میں یہاں آیا ہوں"
"کس سوچ میں ڈوبے ہوئے ہیں؟"
شفق نے پوچھا
"سوچ رہا ہوں کہ اس وقت آپ میری بات کا جواب دے بھی سکیں گی"
"کون سی بات"
شفق نے انجان بن کر کہا
"دوپہر کو میں نے آپ سے ایک بات کا جواب مانگا تھا"
"جی...."
شفق ابھی غزنوی کی بات کا جواب بھی نہیں دے پائی تھی کہ عارفہ بیگم اندر آ گئیں
"آداب چچی جان!"
غزنوی احتراماً" کھڑے ہو گئے
"جیتے رہو بیٹے' بیٹھو"

"گھر میں سب ٹھیک ہیں"
"جی...."
"اور تم کیسے ہو؟"
"کچھ زیادہ ٹھیک نہیں"
غزنوی شرارت آمیز انداز میں مسکرائے
"کیوں خیریت؟"
عارفہ بیگم نے پریشان ہو کر کہا
"بس ایک شخص نے مجھے پریشان کر رکھا ہے"
غزنوی ایک سرسری نگاہ شفق پر ڈال کر عارفہ بیگم سے مخاطب ہوئے
"کیوں پریشان کر رکھا ہے' کچھ بتاؤ بھی تو سہی"
عارفہ بیگم اٹھ کر غزنوی کے قریب بیٹھ گئیں۔
غزنوی خاموش رہے
"اور آخر وہ شخص ہے کون؟"
عارفہ بیگم نے اس انداز سے کہا جیسے اگر وہ شخص سامنے آ گیا تو وہ اسے کچا ہی چبا جائیں گی
پھر وہ شفق سے مخاطب ہو کر بولی۔
"جاؤ ٹینا سے کہو' غزنوی کے لئے چائے لے آئے۔"
شفق نے دروازے سے باہر نکلتے ہوئے خشمگیں نگاہوں سے غزنوی کی طرف دیکھا
غزنوی مسکرا دیئے۔
"اب بتاؤ بیٹے کیا معاملہ ہے اور وہ کون شخص ہے؟"
عارفہ بیگم نے رازدارانہ انداز سے پوچھا
غزنوی نے فوراً انداز گفتگو بدلتے ہوئے کہا
"ارے چچی جان' کوئی ایسی قابل ذکر بات نہیں ہے"
"وہ شخص تمہیں کوئی نقصان پہنچانا چاہتا ہے"
"نہیں یہ آپس کی دوستوں کی بات ہے۔ کسی کا کام ہے جو اس نے میرے سپرد کر رکھا ہے، مجھے وقت نہیں مل رہا ہے وہ شخص سمجھتا ہے میں اس کا کام کرنا نہیں چاہتا۔ صبح و شام ٹیلیفون کر کے اس نے مجھے پریشان کر دیا ہے۔"
غزنوی کو اچھی طرح اس بات کا اندازہ تھا کہ شفق دریچے کے قریب کھڑی ان کی باتیں سن رہی ہے' عارفہ بیگم نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا۔
"افوہ تم نے تو مجھے ڈرا ہی دیا تھا"

"اسی وقت ٹینا اندر آ گئی"

"آداب غزنوی بھائی؟"

"جیتی رہو"

غزنوی نے بزرگوں کے سے انداز میں کہا۔

"بہت دنوں بعد آئے آپ؟"

"تم نے تو بھی ہم کو یاد نہیں کیا۔ نہ خود آئیں"

"میں آپ کو روزانہ یاد کرتی ہوں اور پرسوں میں آپ کے گھر گئی تھی تو آپ غائب تھے"

"آنے سے پہلے ٹیلیفون کر دیتیں تو میں تمہارے استقبال کے لئے موجود رہتا"

"اگر یہ بات ہے تو آئندہ آنے سے پہلے ٹیلی فون کر دیا کروں گی۔ پھر دیکھوں گی کہ آپ اپنی بات کس حد تک نبھاتے ہیں"

"ہوں"

غزنوی نے اپنے مخصوص انداز سے کہا پھر بولے

"کیا بات ہے' آج کل تم نے اس قدر پابندی سے نمازیں پڑھنی کیوں شروع کر دی ہیں"

"میں ہمیشہ پابندی سے نمازیں پڑھتی ہوں"

غزنوی' ٹینا اور عارفہ بیگم باتوں میں مصروف رہے۔ شفق اس طرف نہیں آئی۔ چائے بھی اس نے مجید کے ہاتھ بھجوا دی۔

غزنوی کو گمان ہوا کہیں وہ چلی نہ گئی ہو۔

انہوں نے سوچا۔

اگر وہ سچ مچ چلی گئی تب تو آج یہاں آنا بےکار ثابت ہوا

لیکن شفق نے بھی میرے ساتھ زیادتی کی ہے۔

اگر فنکشن میں جانا تھا تو مجھے بتا دیتی۔

میں آج یہاں نہ آتا۔

چائے کا آخری گھونٹ لے کر انہوں نے پوچھ ہی لیا۔

"شفق چلی گئی؟"

"نہیں' ابھی کیسے جائیں گی' گاڑی تو ابو لے کر گئے ہوئے ہیں"

"مگر امی! آپی کو دیر ہو جائے گی۔ خاصا ٹائم ہو چکا ہے"

"ہاں معلوم نہیں تمہارے ابو کہاں رہ گئے؟"

"اگر کوئی حرج نہ سمجھیں تو میں شفق کو ڈراپ کر دوں؟"

غزنوی نے فوراً موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی خدمات پیش کیں

نہیں حرج تو کوئی نہیں لیکن چند منٹ اور دیکھ لیتے ہیں شاید احتشام صاحب آ ہی جائیں

"لیکن آپی شاید آپ کے ساتھ جانا مناسب نہ سمجھیں" ٹینا نے کہا۔

"اس میں نامناسب بات کون سی ہے غزنوی کوئی غیر مرد تو نہیں ہے"

"آپ کو تو معلوم ہی ہے آپی کی عادت کا"

"تمہارے ابو آ جائیں تو بہتر ہے ورنہ میں اسے سمجھا کر غزنوی کے ساتھ ہی بھیج دوں گی"

چند منٹ اور گزر گئے احتشام صاحب تو نہیں آئے البتہ شفق کچھ ناراضگی کے سے انداز میں ادھر ہی آ گئی۔ اور آتے ہی عارفہ بیگم سے مخاطب ہو کر بولی۔

"امی! بہت دیر ہو گئی مجھے' ابو معلوم نہیں کب آئیں گے"

ہاں معلوم نہیں کہاں گئے

"میں رکشہ سے چلی جاتی ہوں"

"نہیں اس وقت رکشہ سے جانا مناسب نہیں ہے"

"اس میں حرج ہی کیا ہے امی"

"جو حرج ہے میں وہ سمجھتی ہوں"

"لیکن اب یہ تو نہیں ہو سکتا کہ میں فنکشن میں شرکت نہ کروں۔ میں نے سحر سے وعدہ کر لیا ہے"

"غزنوی کہہ رہے تھے تمہیں ڈراپ کر دیں گے"

"نہیں میں ان کے ساتھ نہیں جاؤں گی۔" شفق نے کہا۔

"کیوں؟ کیا حرج ہے"

"ان کا راستہ الگ ہے مجھے بالکل مخالف سمت جانا ہے"

"کوئی بات نہیں میں پھر بھی آپ کو ڈراپ کر دوں گا"

"ناحق آپ کو زحمت ہو گی"

"جی نہیں' مجھے کوئی زحمت نہیں ہو گی۔ آپ آیئے پہلے ہی آپ کو دیر ہو گئی ہے"

غزنوی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

شفق پھر بھی بحث کرنے سے باز نہ آئی دو ایک منٹ اس نے اسی کوشش میں صرف کر دیئے کہ غزنوی کے ساتھ جانے کے بجائے رکشہ سے چلی جائے۔

"کیوں بحث کر رہی ہو' شفق' تم غزنوی کے ساتھ چلی جاؤ" عارفہ بیگم نے کہا۔

بادل نخواستہ شفق غزنوی کے ساتھ باہر آ گئی۔ غزنوی نے گاڑی کا لاک کھولا تو وہ پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر بیٹھ گئی۔

گاڑی گھر سے خاصی دور پہنچ گئی تو غزنوی نے کہا۔
"آپ کی یہ بات مجھے کچھ پسند نہیں آئی"
"کون سی بات؟"
"یہی پچھلی سیٹ پر بیٹھنے والی"
"اس میں حرج ہی کیا ہے؟"
"اچھا نہیں معلوم ہوتا"
"مجھے اسی طرح اچھا لگتا ہے"
"بہر حال میں گاڑی روکتا ہوں آپ آگے آجایئے"
"نہیں میں یہی ٹھیک ہوں"
"کیا آپ کے لئے ٹھیک ہے اور کیا نہیں' یہ میں بہتر سمجھتا ہوں"
"اپنے متعلق اتنے اختیارات میں نے ابھی تک تو آپ کو سونپے نہیں ہیں"
"سونپنے کا ارادہ ہے؟"
"ابھی کچھ کہہ نہیں سکتی"
"آپ نے کیا فیصلہ کیا"
"میں نے آپ سے دن میں ہی کہہ دیا تھا"
"کیا کہہ دیا تھا؟"
"زندگی کے اتنے بڑے اور اہم فیصلے اتنی جلدی نہ کئے جاسکتے ہیں اور نہ کرنے چاہئیں"
"اچھا تو پھر اب میرے لئے کیا حکم ہے؟"
"کیسا حکم؟"
"میرا مطلب ہے آپ کا فیصلہ سننے کے لئے میں کب آؤں؟"
"یعنی آپ فیصلہ سننے کے لئے آئیں گے ویسے نہیں آئیں گے"
"دوسری صورت میں مجھے اپنا آنا بے مقصد معلوم ہوتا ہے" غزنوی نے صاف گوئی سے کہا۔
"اچھا اس موضوع پر میں پھر آپ سے بات کروں گی"
"کیوں؟ اس وقت کیوں نہیں؟"
"اس وقت مجھے پہنچنے کی فکر ہے"
"مگر کیوں؟ آپ پہنچ ہی جائیں گی"
غزنوی نے کہا۔ شفق خاموش رہی۔
"مجھے آپ کی ایک بات بہت ناگوار گزری"
"کونسی بات؟" شفق چونکی

"کہ آپ میرے ساتھ آنے سے انکار کیوں کر رہی تھیں؟" غزنوی نے پوچھا۔
شفق ابھی کوئی جواب بھی نہیں دے پائی تھی کہ غزنوی نے کہا۔
"رکشہ ڈرائیور یا مجھ سے زیادہ قابل اعتماد اور قابل بھروسہ شخص ہے' آپ کے نزدیک"
"بڑا غلط انداز فکر ہے آپ کا" شفق نے کہا۔
"پھر آپ کیوں بضد تھیں کہ رکشہ سے جائیں گی؟"
"اس لئے کہ مجھے کسی کا احسان لینا پسند نہیں"
"آپ کا کیا خیال ہے ہم لوگوں کو ملتے ہوئے کافی وقت نہیں گزر گیا؟"
"جی گزر تو گیا ہے"
"لیکن پھر بھی میں آپ کے نزدیک "کسی" ہوں جو اگر راستے میں آپ کو ڈراپ کردے گا تو آپ کے اوپر احسان ہوگا"
غزنوی کے انداز سے کچھ کچھ ناراضگی ظاہر تھی۔
شفق ایک گہری سانس لے کر رہ گئی۔
"آپ کے ایک اور جملے پر بھی مجھے سخت اعتراض ہے"
"وہ بھی بتا دیجئے"
"آپ نے کہا تھا' ان کا راستہ الگ ہے مجھے بالکل مخالف سمت جانا ہے"
"جی میں نے کوئی غلط بات نہیں کی تھی"
"دیکھئے شفق! اصل میں یہ اپنے اختیار کی بات ہے ہم چاہیں تو ایک ہی راستے کو اپنا لیں۔ اور چاہیں تو دو مخالف سمتوں میں چلتے رہیں"
"اچھا' اس وقت ان باتوں کو چھوڑیئے' دھیان سے گاڑی چلایئے"
"اچھا کس طرف جانا ہے؟"
"بس اسی طرف چلئے جہاں آس پاس کئی میرج ہال ہیں"
"ٹھیک ہے ویسے اتنی دور رکشہ میں آپ کا تنہا آنا مناسب تھا؟" غزنوی نے کہا۔
"اب چھوڑیئے بھی اس ذکر کو آپ تو ایک بات کے پیچھے ہی پڑ گئے"
"اچھا خیر واپسی کا کیا انتظام ہے"
"ابو لینے آئیں گے یا پھر سحر کسی کے ساتھ واپسی کا بندوبست کرے گی"
شفق کو چھوڑ کر واپس گھر جاتے ہوئے غزنوی نے سوچا
"معلوم نہیں شفق فیصلہ کرنے میں کتنے دن لگائے گی"
امی اور ابو احتشام چچا اور چچی سے بات کرنا چاہتے ہیں۔
لیکن ان لوگوں کا اس موضوع پر بات کرنا فی الحال بے کار ہے بالفرض اگر شفق کا جواب انکار میں ہوا تو نتیجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں نکلے گا کہ شفق کے امیدواروں میں ایک۔ اور کا

اضافہ ہو جائے گا اور خاندان بھر میں یہ بات مشہور ہو جائے گی کہ اس نئے امیدوار نے بھی منہ کی کھائی۔

غزنوی نے فیصلہ کر لیا۔ وہ امی اور ابو کو اس وقت تک احتشام چچا اور چچی سے بات نہیں کرنے دیں گے جب تک شفق سے یہ نہ معلوم کر لیں کہ ان کی ذات اس کے لئے قابل قبول بھی ہے یا نہیں۔

ورنہ دوسری صورت میں سوائے اپنی ہنسی اڑوانے کے اور کچھ نہیں ہو گا۔

معلوم نہیں کیا بات تھی آج شفق سے ملنے کے باوجود غزنوی کا دل بجھا بجھا سا تھا

ایسا کیوں تھا!

وہ کچھ سمجھ نہیں پا رہے تھے۔

ظاہر ہے اس کی وجہ یہ تو نہیں ہو سکتی کہ شفق نے ان کی بات کا فیصلہ کن جواب نہیں دیا تھا۔ اس نے تو دوپہر کو ٹیلیفون پر ہی کہہ دیا تھا کہ وہ زندگی کا اتنا اہم فیصلہ اتنی جلدی نہیں کر سکتی

اس کی بات درست بھی ہے۔

زندگی کے صحیح ہمسفر کا انتخاب کرنا اتنا آسان نہیں جتنا لوگ سمجھ لیتے ہیں

شفق جو کچھ بھی کر رہی ہے اس میں حق بجانب ہے۔

سوچ سمجھ کر ہی کوئی قدم اٹھانا چاہئے۔

لیکن، پھر اتنا الجھا الجھا کیوں ہوں

غزنوی سوچوں میں ڈوبے ہوئے گھر پہنچے تو نائلہ پریشان صورت لئے باہر لان میں ہی انہیں مل گئی۔

"کیوں نائلہ خیریت تو ہے؟" غزنوی نے پوچھا۔

نائلہ بدستور خاموش رہی۔

"کیا بات ہے۔ اتنی پریشان کیوں ہو؟"

"خانساماں چلا گیا ہے بھائی جان"

"کہاں چلا گیا ہے؟"

"جواب دے کر چلا گیا ہے۔"

"کیوں، کیا تکلیف تھی اسے یہاں؟"

"کوئی تکلیف نہیں تھی، بلکہ کچھ زیادہ ہی عیش کر رہا تھا"

"اچھا! پھر۔۔ کیوں ناراض ہو گیا؟"

"وہ چیزوں میں اور کمانے میں بہت گڑبڑ کرنے لگا تھا جس پر امی نے روک ٹوک شروع کر دی تھی بس اس بات پر"

"کوئی بات نہیں، کوئی دوسرا خانساماں مل جائے گا"

"دوسرا خانساماں مل جانا اتنا آسان نہیں" نائلہ نے کہا۔

"ٹھیک ہے مگر تم اتنی پریشان کیوں ہو رہی ہو"

"اس لئے کہ جب تک خانساماں کا انتظام نہیں ہو جاتا مجھے اور امی کو اس گرمی میں کھانا پکانا پڑے گا"

"تو مت پکانا کھانا"

"پھر کھائیں گے کیا؟"

"ہوٹل بازی کروائیں گے تم سب کو"

"ایک دن، دو دن، آخر کتنے دن ہوٹل بازی ہو گی"

"جتنے دن تک کوئی انتظام نہیں ہوتا"

"امی ناراض ہوں گی وہ ہرگز نہیں مانیں گی"

نائلہ نے منہ بسورتے ہوئے کہا۔

"تم سب کچھ میرے اوپر چھوڑ دو"

غزنوی نے کہا

نائلہ کی پریشانی کچھ کم ہوئی

نفیسہ بیگم کے آواز دینے پر وہ اندر چلی گئی تو غزنوی وہیں لان میں ایزی چیئر پر نیم دراز ہو گئے۔ نائلہ کی پریشان صورت کا خیال کر کے ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

انہیں معلوم تھا، نائلہ کو باورچی خانے کے کاموں سے بہت گھبراہٹ ہوتی تھی۔ کھانا پکانے کے معاملے میں اسے صرف اس حد تک دلچسپی تھی کہ کبھی کبھار موڈ بن جانے پر کوئی ڈش تیار کر لیتی۔ صبح شام باورچی خانے میں گھسے رہنا اسے سخت ناپسند تھا۔ جب کہ سیما اور یاسمین طرح طرح کے کھانے پکانے میں ماہر تھیں۔ انہیں انواع و اقسام کے کھانے پکانے کا شوق بھی تھا۔ دیسی کھانوں کے علاوہ انہیں غیر ملکی ڈشز تیار کرنے سے بھی دلچسپی تھی۔

نفیسہ بیگم اکثر نائلہ کو نصیحت کرتی رہتی تھیں کہ لڑکیوں کو باورچی خانے کے کاموں سے نہیں گھبرانا چاہئے مگر نائلہ کو باورچی خانے میں جانے کے خیال سے ہی گھبراہٹ ہوتی تھی۔ خصوصاً گرمیوں کے دنوں میں۔

کچھ دیر کے لئے اس گھریلو مسئلے میں الجھ کر غزنوی کے ذہن سے شفق کا خیال نکل گیا۔ دل پر جو ایک نامعلوم سا بوجھ محسوس کر رہے تھے وہ بھی قدرے کم ہو گیا۔

انہوں نے رسٹ واچ پر نظریں ڈالتے ہوئے وقت کا اندازہ کیا پچھلے کئی روز سے ان کی ملاقات یاسر سے نہیں ہوئی تھی۔

انہوں نے سوچا۔

کھانا کھا کر یاسر کی طرف چلے جائیں گے۔ لیکن چند منٹ بعد یاسر خود ہی آموجود ہوئے۔
غزنوی مسکراتے ہوئے ان کے قریب پہنچے اور بولے۔
"اس سے تو بہتر تھا کہ میں اس وقت کسی اور کے متعلق سوچتا۔ شاید وہی نصیب ہو جاتی۔"
"کیا مطلب؟"
یاسر نے معنی خیز نگاہوں سے غزنوی کی طرف دیکھا۔
اس وقت میں تم سے ملاقات کرنے کے بارے میں ہی سوچ رہا تھا۔
"اچھا لیکن یہ کسی اور کون ہے؟"
"تم تو ذرا ذرا سی بات پکڑتے ہو۔"
"کس کے فراق میں صورت پہ بارہ بج رہے ہیں؟"
یاسر انہیں چھیڑنے سے باز نہ آئے۔
غزنوی نے سنی ان سنی کرتے ہوئے کہا۔
"کوئی ڈھنگ کی بات کرو"
"اتنے دنوں تک اپنی صورت نہ دکھانے کا سبب بتاؤ"
"بہت خوب، یعنی غائب خود رہے اور الزام مجھ پر" یاسر نے کہا۔
"میں.... میں بھلا کہاں غائب ہو سکتا ہوں" غزنوی نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔
"معلوم نہیں کیا مصروفیات ہیں آج کل آپ کی۔ جب گھر آؤ معلوم ہوتا ہے گھر میں نہیں ہیں، کہیں گئے ہوئے ہیں"
"کسی اور کے گھر کا راستہ دیکھ لیا ہے تم نے"
"میں کس کے گھر کا راستہ دیکھوں گا"
یہ کہتے ہوئے غزنوی کے لہجے سے معلوم نہیں کیوں مایوسی ٹپک رہی تھی۔
"کہیں احتشام چچا کی بیٹی کے چکر میں تو نہیں ہو تم؟"
یاسر نے گہری نگاہوں سے غزنوی کے چہرے کا جائزہ لیا۔
غزنوی اپنے چہرے کے بدلتے ہوئے رنگ بڑی مشکل سے چھپا سکے۔ مسکرا کر بولے۔
"احتشام چچا کی بیٹی۔ وہی نا جس کے بارے میں، میں نے تم سے پوچھا تھا۔ غالباً نیرہ کی شادی کے موقع پر"
"ہاں، بالکل وہی مگر تم تو اس طرح کہہ رہے ہو جیسے اس کے بعد دوبارہ اس سے کبھی ملے ہی نہیں"
یاسر کی نگاہوں سے بے یقینی جھانک رہی تھی۔
غزنوی انہیں باتوں میں اڑاتے ہوئے بولے۔

"لیکن وہ تو بڑی مغرور اور نک چڑھی ہے"
"ہاں بھائی۔ بڑے بڑے امیدوار کھڑے ہوئے تھے اس کے لئے"
"پھر....؟"
غزنوی نے پوچھا۔
"تم نے قسمت آزمائی نہیں کی؟"
"ہاں کوشش تو ہماری امی جان نے بھی کی تھی"
"اچھا۔ پھر؟"
غزنوی نے حیرت کا مظاہرہ کیا۔
"کامیابی نہیں ہوئی"
"تمہیں افسوس تو بہت ہوا ہو گا"
غزنوی نے متجسس ہو کر پوچھا۔
"نہیں۔ یہ سوچ کر صبر کر لیا کہ وہ اپنی نہیں کسی اور کی قسمت کا ستارہ ہو گی اور"
"اور....؟"
غزنوی نے کہا۔
یاسر مسکرا کر بولے۔
"میں تو خدا کی مصلحتوں کے آگے سر جھکانے والوں میں سے ہوں۔ یہ سوچ کر دل کو تسلی دے لی کہ معلوم نہیں اس میں میرے لئے کیا بہتری ہو گی"
"خاصے عقلمند ہو گئے ہو"
"ہو نہیں گیا ہوں۔ پیدائشی عقلمند ہوں"
یاسر نے کہا۔
پھر رازدارانہ انداز میں غزنوی سے بولے۔
"ویسے میرا مشورہ ہے کہ تم بھی قسمت آزمائی کر لو"
"اور جو میں نے بھی منہ کی کھائی تب؟"
"کوئی بات نہیں، گرتے ہیں شہسوار ہی میدان جنگ میں" پھر وہ خاصے وثوق سے بولے۔
"ویسے غزنوی میرا دل کہتا ہے کہ تم کامیاب رہو گے۔"
"اچھا، پھر تو تمہاری تجویز پر غور کرنا پڑے گا"
غزنوی نے کہا۔
"لیکن روزانہ کی رپورٹ ملنی چاہئے مجھے"
یاسر نے رعب سے کہا۔

"کام کی ابتدا تو ہونے دو پہلے"
غزنوی نے کہا اور سوچنے لگے۔
جب یاسر کو اصل صورتحال معلوم ہوگی تو یقیناً وہ برا مان جائے گا۔
مگر میں کیا کروں؟
میں اپنی عادت سے مجبور ہوں۔
جب تک کسی کام کو پایہ تکمیل تک پہنچنے کا مجھے یقین نہ ہو جائے اس کا ذکر دوسروں کے سامنے کرنا مجھے اچھا نہیں لگتا۔
یہ شفق 'اور میرے وقار کا معاملہ بھی۔
یاسر انہیں سوچوں میں ڈوبا دیکھ کر مسکرائے اور بولے۔
"کہاں پہنچے ہوئے ہو؟"
"کہیں نہیں 'یہیں ہوں"
"لیکن تمہاری اتنی گہری سوچ تو کچھ اور کہتی ہے"
اسی وقت ملازم لڑکے نے آکر کھانا لگ جانے کی اطلاع دی۔
"چلو اٹھو کھانا کھالو"۔
غزنوی نے کہا۔
"اتنی جلدی کھانا کھانے کا موڈ نہیں ہے" یاسر نے کہا۔
"نو بجے ہیں بھلے آدمی! یہ جلدی ہے"۔
"میں کبھی دس اور کبھی ساڑھے دس بجے کھانا کھاتا ہوں"
"حالانکہ تمام شریف آدمی نو بجے تک رات کا کھانا کھالیتے ہیں"
"گویا تمہارے نزدیک میں شریف آدمی نہیں ہوں"
"ہاں تمہاری حرکات وسکنات شریفوں والی نہیں معلوم ہوتیں"
"اچھی بات ہے 'اندر چلو 'ابھی خالہ جان کے گوش گزار کرتا ہوں یہ ساری روداد"
یاسر نے برآمدے کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے کہا۔
یاسر کو اندر آتا دیکھ کر نائلہ نے کہا۔
"افوہ۔ یاسر بھائی! آپ کو بھی آج ہی آنا تھا"
"کیوں۔ کیا آج میں نے غلطی کی ہے؟"
یاسر نے حیران ہو کر پوچھا۔
نفیسہ بیگم ہنس کر بولیں۔
"آج اصل میں تمہیں نائلہ کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا کھانے کو ملے گا"
"یہ تو بڑی اچھی بات ہے' آپ کے خانساماں کے ہاتھ کے پکے ہوئے کھانے کھا کر

آگیا تھا"
"لیکن مجھے پکانا کہاں آتا ہے"
نائلہ روہانسی ہو رہی تھی
"پکاتی رہو۔ ایک دن لذیز کھانے پکانے لگو گی"
"لیکن مجھے کوئی شوق نہیں ہے لذیذ کھانے پکانے کا۔"
"شوق نہیں ہے تو شوق پیدا کرو"
یاسر کا انداز ناصحانہ تھا۔
سب کھانا کھانے بیٹھ گئے تو نائلہ کھانا کھانے کے ساتھ بار باری سب کے چہروں کا جائزہ لے کر یہ اندازہ لگانے کی کوشش کرتی رہی کہ اس کے ہاتھ کے پکائے ہوئے کھانے سب کو پسند بھی آرہے ہیں یا نہیں۔

دو تین روز تک غزنوی انتظار کرتے رہے کہ شفق ٹیلی فون کرکے انہیں اپنا فیصلہ سنائے
گی لیکن شفق نے بالکل خاموشی اختیار کر رکھی تھی۔
غزنوی ویسے تو خود ہی اسے فون کر لیتے اور اس سے پوچھ لیتے لیکن معلوم نہیں کیوں آج
کل ان کی سوچیں بڑی عجیب سی ہو گئیں تھیں۔
انہیں ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اپنے آپ کو گرا رہے ہیں۔ آخر وہ لڑکی ہی تو ہے۔
وہ کیوں اپنی انا کو اس کے سامنے مجروح کر رہے ہیں۔
ٹھیک ہے۔ انہوں نے اسے پسند کیا۔
وہ انہیں اچھی لگتی ہے۔
وہ ان تمام لڑکیوں سے بھی مختلف ہے جن سے اب تک وہ ملے ہیں
مگر ایسا بھی کیا؟
تھوڑا بہت جھکاؤ تو اس کی طرف سے بھی ہونا چاہئے
اس روز آفس میں بیٹھے ہوئے چائے سے اٹھتی ہوئی گرم گرم بھاپ پر نگاہیں جمائے ہوئے انہوں نے سوچا، میں تو اپنی زبان سے اقرار کر چکا
میں نے اسے پسند کیا
میں اسے اپنا بنانا چاہتا ہوں

زندگی کے ہم سفر کے لئے میں نے اس کا انتخاب کیا ہے۔
اور یہ انتخاب میں نے جذباتی ہو کر نہیں کیا
سوچ سمجھ کر کیا ہے۔
شفق کو اب تک کوئی نہ کوئی جواب تو دے ہی دینا چاہئے' انکار میں یا اقرار میں
یہ اس کی مرضی ہے
وہ میری پابند تو نہیں ہے۔
انہوں نے چائے کا کپ اٹھا کر ہونٹوں سے لگا لیا۔ چائے پیتے ہوئے جانے کیوں ان کا ذہن بھٹک کر فارینہ کی طرف چلا گیا وہ بہت دنوں سے ان کے گھر نہیں آئی تھی۔ حالانکہ پہلے اکثر وہ اپنی امی اور بھائی بہنوں کے ساتھ آجایا کرتی تھی۔
وہ تو عرصے سے اس کے گھر نہیں گئے تھے۔
فارینہ کے درمیان کوئی بہت زیادہ تکلفات کی دیوار نہیں تھی۔ وطن سے باہر جانے سے پہلے ان کا فارینہ کے گھر آنا جانا تھا۔ یہ الگ بات تھی کہ انہوں نے فارینہ کے لئے اس انداز سے کبھی نہیں سوچا تھا جس انداز سے ان کی امی نے سوچا ہوا تھا۔ غزنوی کے نزدیک بس وہ ان کی کزن تھی ایسے ہی جیسے ماموں جان کی بیٹی نیرہ یا پھر یاسر کی بہن سبین۔
غزنوی نے کچھ تو خود محسوس کیا اور کچھ دوسرے لوگوں کی زبانی اڑتی اڑتی ان تک پہنچی کہ فارینہ کا انداز نظر کچھ اور ہے۔
فارینہ ان لڑکیوں میں سے تو نہیں تھی جو دل کی چوکھٹ پر لکھی ہوئی کہانیاں اپنے اردگرد رہنے والوں کو سنانے کے لئے بیتاب ہوں
وہ ان لڑکیوں میں سے نہیں تھی جو اگر کسی کو پسند کر بیٹھیں تو اس کا اشتہار بھی دیتی پھریں
وہ بڑی تمکنت سی لڑکی تھی۔ جس کی فطرت میں نہ بے باکی اور بے حجابی تھی اور نہ ہی بے جا شرم' اس کی فطرت میں نہ تصنع تھا نہ بناوٹ' اس نے اگر غزنوی کو چاہا تو اس کے لئے وہ قصوروار ہرگز نہیں تھی کسی کو چاہنا یا پسند کرنا اپنے اختیار کی بات کب ہوتی ہے۔ وہ اور غزنوی بچپن سے ایک دوسرے کو دیکھتے آئے تھے بچپن سے ایک دوسرے سے ملتے تھے۔
فارینہ پر جب پہلی بار یہ انکشاف ہوا کہ غزنوی اسے اچھے لگتے ہیں۔
وہ چونک پڑی وہ سچ مچ لاعلم تھی۔
انجانے میں غزنوی کو پسند کر بیٹھی تھی۔ یہ انکشاف پہلی بار اس وقت ہوا جب اسے معلوم ہوا کہ غزنوی اعلیٰ تعلیم کے لئے باہر جانے والے ہیں۔ دو ایک لڑکے ان کے علاوہ بھی اعلیٰ تعلیم کے لئے ملک سے باہر گئے تھے۔ وہ بھی اس کے کزن تھے ان سے بھی اتنی ہی بے تکلفی تھی جتنی غزنوی سے تھی لیکن.....
ان کے جانے کی خبر سن کر فارینہ کے دل کی وہ کیفیت نہیں ہوئی تھی جو غزنوی کے جانے

کی خبر سن کر ہوئی تھی۔

اس کا دل عجیب انداز سے دھڑکا تھا۔ دل کی دھڑکن کا یہ انداز بالکل نیا تھا' بالکل نرالا

غزنوی چلے جائیں گے؟

اتنے طویل عرصے کے لئے؟

اس نے سالوں کا حساب مہینوں' ہفتوں اور دنوں میں لگایا تو اسے اندازہ ہوا کہ وہ مہینے دن نہیں ہوں گے بلکہ شاید صدیاں ہوں گی جن کا گزارنا اس کے لئے محال ہو جائے گا۔

اس کا دل بے اختیار چاہا۔

غزنوی اس سے اتنی دور نہ جائیں' ہرگز نہ جائیں۔

لیکن یہ باتیں وہ صرف دل میں سوچ کر رہ گئی

زبان سے نہ کہہ سکی۔ کسی کے سامنے بھی ان باتوں کا اظہار نہ کر سکی۔

اسے ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے غزنوی کے جانے کی خبر سن کر اس کے دل و دماغ پر ا بھاری بوجھ آگرا ہو۔

اس روز پہلی بار اس نے حیرت زدہ انداز سے خود اپنے آپ سے سوال کیا۔

ارے! غزنوی مجھے اتنے اچھے لگتے ہیں۔؟

وہ مجھ سے اس قدر قریب ہیں۔؟

اتنے قریب' رگ جاں سے بھی قریب؟

بڑی دیر تک تو فارینہ کو یقین ہی نہیں آیا۔

اس نے اپنے آپ کو جھٹلایا

نہیں ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟

میں اور غزنوی کو چاہوں؟

ارے نہیں! یہ بھی کوئی مذاق ہے؟

غزنوی میرے لئے ایسے ہی ہیں جیسے یاسر' جیسے فاروق' جیسے ارشد۔

یہ سب بھی تو باہر گئے ہیں' ان سب کے جانے کا اثر بھلا میں نے کب لیا تھا؟ خاندان لڑکے حصول تعلیم کی غرض سے باہر جایا ہی کرتے ہیں۔ غزنوی باہر جا رہے ہیں تو کون انوکھی بات ہو رہی ہے۔

فارینہ نے اپنے آپ کو سمجھانے کی کوشش کی۔

لیکن ہوا یوں کہ ایک ہفتہ گزر گیا۔ دل کا بوجھ بجائے کم ہونے کے بڑھتا ہی چلا گیا۔

پھر انہی دنوں فارینہ نے سنا غزنوی کی امی اسے اپنی بہو بنانے کی خواہشمند ہیں۔

کس قدر طمانیت سی محسوس ہوئی تھی اسے یہ سن کر۔ اس بات کا اندازہ تو اسے بہت سے تھا۔ کہ نفیسہ خالہ اسے پسند کرتی ہیں لیکن اس حد تک پسند کرتی ہیں یہ اس نے

سوچا تھا۔

مگر طمانیت اور خوشی کا یہ سارا احساس درد و کرب کے سیل رواں میں بہہ گیا جب اسنے سنا۔

غزنوی نے اپنی امی کی خواہش کو ہنسی میں ٹال دیا ہے۔

انہوں نے یہ کہہ کر ان کی تجویز کو رد کر دیا ہے۔

"کیسی باتیں کرتی ہیں امی۔ فارینہ میرے لئے ایسی ہی ہے جیسی نیرہ' جیسی ببین"

"میرے ذہن میں تو کبھی بھول کر بھی یہ خیال نہیں آیا کہ ان تینوں لڑکیوں میں سے کسی کے ساتھ شادی بھی کر سکتا ہوں۔"

"یہ خیال آپ اپنے دل و دماغ سے نکال دیجئے امی"

فارینہ کے دل کو ایک دھچکہ سا لگا۔

اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ خود اپنی ہی نگاہوں میں گر گئی ہو۔

دل کے جذبوں کو اس نے زبان نہیں دی تھی' مگر پھر بھی اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کی انا مجروح ہوئی ہو۔ جیسے سارے زمانے کو راز دل کی خبر ہو گئی ہو۔

سب اس کی ہنسی اڑا رہے ہیں۔

"ذرا دیکھو تو سہی' اس نے' اس احمق لڑکی نے غزنوی کو پسند کیا ہے۔ یہ سوچے سمجھے بغیر کہ وہ اس کی چاہت کو مقام بھی دیں گے یا نہیں"

اس نے سوچا۔

افوہ! انجانے میں ہی سہی مگر میں یہ کیا کر بیٹھی ہوں

آنکھیں بند کر کے آگے بڑھتی چلی گئی۔

یہ بھی نہیں سوچا کہ انسان اگر بہت آگے بڑھ جائے تو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ واپسی کے راستے بند ہو جاتے ہیں۔

فارینہ اپنی زندگی کے اس حادثے کے متعلق جتنا سوچتی تھی اتنا ہی اس کا ذہن الجھتا تھا۔

اور غزنوی' انہیں اس سے پہلے فارینہ کے دل کی خبر نہیں تھی۔ لیکن ادھر چند دنوں کے اندر اندر انہوں نے فارینہ کے چہرے کے بدلتے ہوئے رنگوں کو دیکھا تو وہ سوچ میں پڑ گئے۔

ان کے جانے کی خبر سن کر اس کا ایک دم بجھ کر رہ جانا۔

اپنی امی کی خواہش کا علم ہونے پر انہوں نے فارینہ کے چہرے پر کھلتے گلابوں کی سی جو کیفیت دیکھی تھی۔ اس کیفیت کا اس وقت ایک دم معدوم ہو جانا' جب انہوں نے اسے بھی ببین اور نیرہ کی صف میں لا کر کھڑا کر دیا۔

چہرے کے ان بدلتے ہوئے رنگوں کی اپنی ایک زبان تھی۔

جو غزنوی سے بہت کچھ کہہ گئی۔

غزنوی نے سوچا۔

ارے یہ لڑکی! یہ پاگل لڑکی!

انجانے میں کس راستے پر چل نکلی ہے

کیا ہو گیا ہے تمہیں فارینہ، مجھے تم سے اس حماقت کی توقع تو ہرگز نہیں تھی۔

مگر معلوم نہیں کیوں اس کی سنجیدگی، اس کی بردباری کے آگے غزنوی کی زبان ہمیشہ گ
ہو جایا کرتی تھی۔ وہ اس سے کہہ تو کچھ بھی نہیں سکے۔ اور کچھ کہنے کی نوبت یوں بھی نہ
کہ ان کے خیالات کا علم ہونے کے بعد فارینہ خود ہی بہت محتاط ہو گئی تھی۔

غزنوی بھی اس واقعے کے بعد سے دل ہی دل میں اپنے آپ کو اس کا مجرم سمجھنے ل
تھے۔ جو اس کے جذبات و احساسات کا پاس نہ کر سکے تھے۔

ان دونوں کے درمیان برسوں سے قائم رہنے والی دوستانہ فضاء خود بخود ختم ہوتی چلی گ

ان دونوں کے درمیان اجنبیت کی ایک دیوار سی اٹھتی چلی گئی۔

یہاں تک کہ غزنوی کے باہر جانے کا وقت قریب آگیا۔ فارینہ نے بہت رسمی انداز میں انہیں خدا حافظ کہا۔

غزنوی بزنس ایڈمنسٹریشن کی اعلیٰ تعلیم کے لئے ملک سے باہر رہے۔ وہ طویل عرصے تک ملک سے باہر رہے۔ اور جب واپس آئے تو خاندان کی کئی لڑکیوں کی شادیاں ہو چکی تھیں۔
مگر فارینہ کی شادی اس وقت تک نہیں ہوئی تھی۔

غزنوی اور فارینہ کے درمیان ایک مرتبہ جو اجنبیت اور تکلف کی دیوار قائم ہوئی تو پھر گرائی نہ جا سکی۔ دونوں میں سے کوشش بھی تو کسی نے نہیں کی تھی۔

فاصلے بڑھتے چلے گئے۔

ایسا بھی نہیں تھا کہ دونوں ایک دوسرے سے بات نہیں کرتے تھے وطن واپسی کے بعد غزنوی کی ملاقات فارینہ سے کئی بار ہوئی تھی دونوں کا ایک دوسرے کے گھر آنا جانا بھی تھا۔

لیکن غزنوی محسوس کر رہے تھے کہ ادھر جب سے انہوں نے شفق کے گھر جانا شروع کر دیا تھا فارینہ نے ان کے گھر آنا پہلے تو کم کیا، پھر بالکل ہی ختم کر دیا۔

اور آج انہیں فارینہ کا خیال آیا تو بڑی دیر تک اس کے متعلق سوچتے ہی چلے گئے۔ وہ حیران تھے ایسا کیوں ہو رہا ہے۔

فیصلہ وہ شفق سے سننا چاہتے تھے اور خیال انہیں فارینہ کا آ رہا تھا۔

انہوں نے سر جھٹک کر اپنے آپ کو سامنے رکھی ہوئی فائلوں میں مصروف رکھنے کی کوشش کی لیکن وہ محض کوشش ناکام ثابت ہوئی۔

انہوں نے ایک نگاہ وال کلاک پر ڈالی اور سوچا کیا حرج ہے، اگر اس وقت میں شہزؔ فون کرلوں۔ ہو سکتا ہے اس نے فیصلہ کرلیا ہو۔

اور وہ اس بات کی منتظر ہو کہ میں خود فون کرکے اس سے اس کا فیصلہ پوچھوں۔

آخر وہ ایک لڑکی ہے

ممکن ہے اسے یہ بات پسند نہ ہو کہ خود ہی فون کرکے اپنا فیصلہ سنائے

یہی سوچتے ہوئے غزنوی نے نمبر [illegible] نے شروع کردیئے، لیکن جب دوسری طرؔ سے فون ریسیو کرنے والی کی آواز سنائی دی تو چند منٹ کے لئے وہ سکتے کے عالم میں بیٹھے گئے۔

دوسری طرف سے فارینہ بول رہی تھی۔

انجانے میں وہ فارینہ کا نمبر ڈائل کر بیٹھے تھے۔

مگر اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔

وہ ہیلو کہہ چکے تھے۔

اور فارینہ ان کی آواز پہچان کر حیرت زدہ انداز میں کہہ رہی تھی۔

"غزنوی صاحب آپ فرمایئے کیسے یاد کیا؟"

غزنوی اس سچویشن پر خود بھی اتنے حیران اور کچھ پریشان تھے کہ چند لمحوں تک وہ کچھ بول ہی نہ سکے۔

فارینہ نے کہا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ آپ غلطی سے یہ نمبر ڈائل کر بیٹھے ہیں"

غزنوی نے فوراً اپنے آپ کو سنبھالا اور بولے۔

"نہیں غلطی سے تو نہیں"

"تو میری آواز سن کر خاموش کیوں ہیں؟"

"لہجے کی اجنبیت پر غور کر رہا تھا"

"اچھا، مگر یہ لہجہ آج ہی آپ کو اجنبی محسوس ہوا؟"

"نہیں، بہت عرصے پہلے محسوس کرلیا تھا"

"اور اس احساس کا اظہار آج کر رہے ہیں؟"

غزنوی سے کوئی جواب نہ پڑا، وہ ریسیور کان سے لگائے خاموش بیٹھے رہے

"مجھے یقین ہے آپ غلطی سے میرا فون نمبر ڈائل کر بیٹھے ہیں" فارینہ نے پھر کہا۔

"نہیں آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے"

غزنوی نے کہا

"آخری آپ اس بات کو تسلیم کیوں نہیں کرلیتے؟"

"آپ اس ذکر کو ختم نہیں کرسکتیں؟"

"کیوں، سچی بات بری لگ رہی ہے؟"

"پلیز فارینہ کوئی اور بات کرو"

"اچھا تو پھر آپ ہی بات کیجئے۔ میرے پاس تو آپ سے بات کرنے کے لئے کوئی موضوع نہیں رہا"

"اچھا! اس قدر ناراضگی؟"

"نہیں ناراضگی تو نہیں"

"تو پھر؟" غزنوی نے پوچھا۔

فارینہ خاموش رہی۔

غزنوی نے کہا۔

"تمہیں یاد نہیں پہلے ہم کتنی باتیں کیا کرتے تھے۔ تقریباً ہر موضوع پر ہم نے باتیں کی ہیں اور کتنی دیر تک کی ہیں"

"ہاں، مگر اب میں سوچتی ہوں تو خیال آتا ہے کہ میں نے آپ کا کتنا وقت ضائع کیا"

"میرا وقت تو ضائع نہیں ہوا، اگر تمہیں اپنا وقت ضائع ہونے کا افسوس ہو تو الگ بات ہے"

فارینہ نے سنی ان سنی کرتے ہوئے کہا۔

"اگر تم بات نہیں کرنا چاہتیں تو بند کردو"

"میرے چاہنے نہ چاہنے کی بات کیوں کرتے ہیں؟"

"کیوں نہ کروں؟"

"جب کہ مجھے یقین ہے کہ آپ مجبوراً مجھ سے بات کر رہے ہیں"

"اپنے اس یقین کو اپنے پاس ہی رکھو، یہ بتاؤ تم نے ہمارے گھر آنا کیوں چھوڑ دیا؟"

"جو راہ اپنی نہ ہو، اس پر چلنے سے فائدہ؟"

فارینہ نے صاف گوئی سے کام لیا۔

اور غزنوی چند لمحوں کے لئے خاموش ہوگئے۔ انہیں شاید فارینہ سے اس صاف گوئی کی توقع نہ تھی۔

"کیا میں نے کوئی تکلیف دہ بات کہہ دی؟" غزنوی کو خاموش پاکر فارینہ نے کہا۔

"تمہارا لب ولہجہ، تمہاری باتیں سب کچھ بدل گیا ہے فارینہ۔"

"وقت کی اہمیت سے تو انکار نہیں ہے نا آپ کو؟"

"مجھے کیا شاید کسی کو بھی نہیں ہو سکتا"

"بس تو اصل بات یہ ہے کہ وقت نے بہت کچھ سکھا دیا ہے مجھے"

غزنوی کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اس بات کا کیا جواب دیں۔

فارینہ نے کہا۔

"مجھے اجازت دیجئے۔ امی بلا رہی ہیں۔ خدا حافظ"

فارینہ نے ٹیلی فون بند کردیا۔

غزنوی نے بھی ایک طویل سانس لے کر ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔ فارینہ سے باتیں کرنے کے بعد ان کے دل و دماغ کی عجیب کیفیت ہوگئی تھی۔ انہوں نے شفق کو فون کرنا چاہا تو نہ کرسکے۔ انھیں فارینہ کے جملوں کی بازگشت سنائی دے رہی تھی۔ انہوں نے اپنے آپ سے سوال کیا۔

میں نے فارینہ کے ساتھ شادی سے انکار کرکے بہت بڑے جرم کا ارتکاب کیا ہے؟

اس کا دل ٹوٹ گیا ہے۔

وہ بکھر گئی ہے۔

اتنے سال گزر گئے ہیں۔ لیکن وہ اپنے آپ کو سنبھال نہیں پائی ہے۔

اس دوران خاندان کی کتنی لڑکیوں کی شادیاں ہوچکی ہیں۔

مجھے معلوم ہے اس کے لئے بھی بہت اچھے اچھے رشتے آچکے ہیں۔

لیکن اس نے انکار کردیا۔

معلوم نہیں اس نے اپنی زندگی کے بارے میں کیا فیصلہ کیا ہے۔

کیا وہ اپنی عمر یونہی گزار دے گی؟

احمق لڑکی! اپنی زندگی کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئی ہے۔

میں اسے سمجھاؤں گا۔

اسے یوں اپنی زندگی برباد نہیں کرنے دوں گا۔

میں اس سے ملوں گا اس سے بات کروں گا۔ اسے سمجھاؤں گا۔

انہوں نے رسٹ واچ پر نظر ڈالی تو چونک گئے۔

احسان صاحب نے اس روز اسٹاف ممبرز کی میٹنگ بلائی تھی۔ غزنوی کو انہوں نے صبح تاکید کردی تھی کہ وہ آج کی میٹنگ میں غیر حاضر نہ ہوں۔ وہ پچھلی میٹنگ بھی اٹینڈ نہیں کرسکے تھے اور آج بھی فارینہ سے باتیں کرنے میں اتنے الجھ گئے تھے کہ ان کا دل آفس کے کسی کام میں نہیں لگا۔ میز پر پڑی فائلیں ان کی توجہ کی طلبگار تھیں دوسری طرف فون کی گھنٹی بج رہی تھی انہوں نے بڑی بے دلی سے ریسیور اٹھایا 'یاسر بول رہے تھے اور بضد تھے کہ وہ ان کے ساتھ فلم دیکھنے چلیں غزنوی نے دل نہ چاہتے ہوئے بھی حامی بھرلی۔

یاسر سے بات کرنے کے بعد وہ میٹنگ اٹینڈ کرنے چل دیئے۔

خانساماں کے جانے کے بعد نائلہ نے تقریبا ہفتہ بھر سخت مشکل میں گزارا۔ خدا خدا کرکے ایک معقول خانساماں ملا تو اس کی جان میں جان آئی۔ احسان صاحب نے اخبار میں اشتہار دیا تھا۔ خانساماں تو کئی آئے لیکن نفیسہ بیگم کے مزاج نے کسی کو گوارا ہی نہیں کیا۔ کوئی انہیں شکل سے لوفر معلوم ہوا تو کسی کا حلیہ ان کی نفاست پسند طبیعت پر گراں گزرا کسی کے بڑھے ہوئے ناخن دیکھ کر انہیں گھن آئی تو کوئی محض اس بناء پر ریجکٹ کردیا گیا۔ کہ انٹرویو دیتے وقت اس کے سیدھے ہاتھ کی چھوٹی انگلی مسلسل کان کی صفائی کا کام کرتی رہی۔

نصیرالدین عرف بھورے کو انہوں نے اس وجہ سے منتخب کیا کہ وہ بہت صاف ستھرا تھا اور بہت مہذب بھی معلوم ہوتا تھا۔ اندر کا حال تو خدا ہی بہتر جانتا تھا' لیکن شکل سے شرافت ہی ٹپک رہی تھی۔ کھانا کیسا پکانا جانتا تھا یہ تو بعد میں معلوم ہوتا لیکن نائلہ تو یہ سن کر ہی خوش ہوگئی کہ وہ حیدر آبادی ہے خود نائلہ کو حیدر آبادی کھانے بہت پسند تھے۔ نفیسہ بیگم بھورے کو منتخب کرتے ہوئے اگر تھوڑا سا ہچکچائیں تو صرف اس وجہ سے کہ وہ قدرے اونچا سنتا تھا۔ نائلہ نے ان کے اعتراض پر فورا" یہ جواب دیا۔

"کوئی بات نہیں امی! ہم اسے لکھ کر دیا کریں گے"

"لو یہ اچھی کہی تم نے! اب چوبیس گھنٹے قلم اور کاغذ ہاتھ میں لئے پھرتے رہیں"

"کوئی بات نہیں امی' آپ کچھ دن کے لئے اسے رکھ کر تو دیکھیں اگر زیادہ دشواری ہوئی

اسے بات سمجھانے میں تو جواب دے دیں گے"

نفیسہ بیگم خاموش ہو گئیں۔

گھر کے ملازم لڑکے شبیر نے جب نصیر الدین عرف بھورے کو انٹرویو کے لئے نفیسہ بیگم کے سامنے لا کر کھڑا کیا تو پہلے نائلہ اور نفیسہ بیگم اس کے سفید جھک کپڑوں کو دیکھ کر مرعوب ہو گئیں۔ کپڑوں سے ہٹ کر جب نگاہ جوتوں پر پڑی تو وہ بھی محنت اور نفاست کا اشتہار بنے ہوئے تھے۔ دھوبی کے ہاں کا دھلا ہوا سفید کرتا اور پاجامہ اور پالش کر کے چمکائے ہوئے پاموکیشن دیکھنے والوں کو مرعوب کرنے کے لئے کافی تھے

ماتھے پر ہاتھ رکھ کر قدرے جھک کر انہوں نے بڑے مہذب انداز سے سلام کیا۔

نفیسہ بیگم نے سر ہلا کر سلام کا جواب دیا تو وہ ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گئے۔

کیا نام ہے تمہارا؟"

"نصیر الدین عرف بھورے۔"

"عرف بھورے' یہ کیوں؟" نائلہ نے پوچھا۔

"جی میرے بال بہت بھورے ہیں نا! اس واسطے میرے کو بھورے بولتے لوگاں۔"

بھورے نے حیدر آبادی لہجے میں کہا۔

"اچھا یہ بات ہے۔"

"ہاں جی' بچپن سے اچ میرے کو بھورے بول کے بلاتے گھر والے۔"

"ہوں' کون کون ہے تمہارے گھر میں۔"

نفیسہ بیگم نے پوچھا۔

"سارے لوو گاں ہیں۔ اماں' باوا' بھائیاں' بہنیاں ہیں۔"

"اچھا' ابا بھی کچھ کام کرتے ہیں؟"

"ہاؤ' انیں ایک ہوٹل میں کام کرتے' بھائی ایک ورکشاپ میں کام کرتے' چھوٹے بھائی کو میں نے کوئی کام نئیں کرنے دیا۔ اس کو پڑھنے کے واسطے ایک اسکول میں بٹھایا۔"

"اچھا کیا کیا پکا لیتے ہو؟"

"سارے اچ کھانے پکالیتاؤں۔ پاکستانی' حیدر آباد' فارن کے بھی کئی ایک ڈشز تیار کرنے آتے میرے کو۔"

نائلہ نے پوچھا۔

"کون کون سے حیدر آبادی کھانے بنا لیتے ہو؟"

"اجی سوب (سب) بنالیتا ہوں کچی بریانی' بھگارے بیگن (بگھارے بینگن) مرچی کا سالن' ڈبل کا مٹھا' خوبانی کا مٹھا' لُخمی وغیرہ۔"

نفیسہ بیگم کچھ سوچ کر بولیں۔

"تمہارے بارے میں ہم نے سنا تھا کہ تم کچھ اونچا سنتے ہو مگر تم تو ہر بات ٹھیک سن اور سمجھ رہے ہو۔"

بھورے کچھ برا مان کر بولا۔

"کون بولا میرے بارے میں ایسی بات؟"

"ہمارا ملازم شبیر کہہ رہا تھا۔"

"کون' وہ پوٹا جو میرے کو آپ کے سامنے حاضر کیا؟"

"ہاں' وہی۔"

"[illegible] ہے میرے کو' انیں ایسی بات کئے کے واسطے بولا؟ ذرا اس کو بلایئے تو میرے سامنے۔"

نفیسہ بیگم نے آواز دے کر شبیر کو بلایا تو اس کی صورت دیکھتے ہی بھورے نے کہا۔

"کیوں منے تم میرے کو بھیرا (بہرا) بولے؟"

"میں نے کب کہا کہ تم بہرے ہو؟"

شبیر نے کہا۔

"بیگم صاحب جھوٹ تو نئیں بول سکتے۔"

"میں نے تو یہ کہا تھا کہ تم تھوڑا اونچا سنتے ہو۔"

"اجی میں اونچا نئیں سنتا۔ تم اچ دھیرے بولتے۔"

نفیسہ بیگم نے دخل اندازی کرتے ہوئے کہا۔

"اچھا' اچھا ٹھیک ہے چلو شبیر اپنا کام کرو۔"

پھر وہ بھورے سے مخاطب ہو کر بولیں۔

"نصیر! تم آج سے اپنا کام شروع کر دو۔ لیکن ابھی چند روز تک ہم تمہارا کام دیکھیں گے۔ اس کے بعد فیصلہ کریں گے کہ تمہیں مستقل طور پر رکھیں یا نہ رکھیں۔"

"جیسا آپ حکم کریں' لیکن میرے کو یخین (یقین) ہے کہ میرے کام میں آپ لوگاں (لوگ) کوئی نخص (نقص) نکال ہی نہیں سکتے۔"

نفیسہ بیگم نے شبیر کو دوبارہ آواز دے کر اسے بھورے کو کوارٹر دکھانے کو کہا۔

نصیر الدین عرف بھورے اپنا ڈھیلا ڈھالا کرتا جھلاتے شبیر کے ساتھ چل دیئے۔

دو تین روز گزر گئے۔ غزنوی کو شفق کے فون کا انتظار تھا مگر شفق نے بالکل خاموشی اختیار کر رکھی تھی۔ دوسری طرف غزنوی یاسر کے سوال و جواب سے پریشان تھا۔ وہ ہر روز پوچھتے تھے انہوں نے شفق سے کوئی بات کی؟ اگر نہیں کی تو کب کریں گے؟

غزنوی چاہتے تھے کہ شفق ان کی بات کا جواب انکار یا اثبات کسی صورت میں دے' دے تو سہی تاکہ اسی کو مدنظر رکھ کر وہ یاسر سے کچھ کہہ سکتے۔

اس روز غزنوی شفق کے گھر جانے سوچ ہی رہے تھے کہ ٹینا کا ٹیلی فون آگیا۔
"خیریت تو ہے غزنوی بھائی؟"
"ہاں کیوں؟"
"بہت دنوں سے آئے نہیں آپ۔"
"بہت دن تو نہیں ہوئے"۔
"ہمیں تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔"
"اچھا۔"
"کیوں نہیں آئے آپ؟"
"آپ نے بلایا بھی تو نہیں۔"
"اب بھی آپ کو بلانے کی ضرورت ہے؟ آپ کا گھر ہے جب دل چاہے آئیں۔"
"مگر جب کوئی گھر میں موجود ہو تو آؤں' ورنہ کیا فائدہ؟"
"آپ کا مطلب ہے کہ ہم لوگ آپ کو گھر میں ملتے ہی نہیں۔"
"اور کیا۔"
"ایسا کب ہوا؟ ذرا بتایئے تو سہی۔"
"پچھلی بار جب میں آیا تھا۔"
"میں' امی' شفق آپی گھر پر ہی تو تھے۔"
"اسے گھر میں موجود ہونا تو نہیں کہیں گے؟"
"کیوں بھئی؟"
"آپ کی آپی صاحبہ تو کسی فنکشن میں جانے کے لئے تیار بیٹھی تھیں۔"
"اچھا تو اس بات پر ناراض ہیں آپ۔"
"نہیں خیر' ناراض تو نہیں۔"
"آپ نے روک لیا ہوتا آپی کو۔" ٹینا کی آواز میں شوخی تھی
"ابھی اتنے اختیارات تو نہیں دیئے انہوں نے مجھے۔" پھر غزنوی نے کہا۔
"اور کون سا وہ میرے روکنے پر رک جاتیں۔"
"کیا شفق کو فنکشنز اٹینڈ کرنے کا بہت شوق ہے؟"
"بہت' بے شمار تو ان کی سہیلیاں ہیں۔"
"اچھا!" غزنوی نے حیرت کا اظہار کیا۔
"پھر وہ ینگ رائٹرز ایسوسی ایشن کی ممبر بھی ہیں۔"
غزنوی کی حیرت میں کچھ اور اضافہ ہوا۔
"آپ کو معلوم نہیں آپی کو لکھنے کا بھی شوق ہے؟"

"نہیں بھئی' یہ انکشاف تو بالکل نیا ہے۔"
"دراصل آپی منع کرتی ہیں۔"
"کس بات سے منع کرتی ہیں۔"
"یہی کہ ان کے لکھنے کا ذکر کسی کے سامنے کیا جائے۔"
"کیوں...؟"
"کہتی ہیں ابھی میں اپنا شمار لکھنے والوں میں نہیں کرتی۔"
"گویا بہت بڑی رائٹر بننے کے انتظار میں ہیں۔"
"جی"
"ہوں"
غزنوی' ہوں کہہ کر خاموش ہو گئے۔
ٹینا نے پوچھا۔
"پھر آج شام کو آپ آرہے ہیں نا؟"
"پہلے یہ بتاؤ' آج تو تمہاری آپی کو کسی فنکشن میں نہیں جانا؟"
"نہیں؟۔"
"پکی بات ہے نا؟"
"جی' بالکل پی... یٹن..."
"لیکن کیا؟"
"آج امی اور ابو کو جانا ہے کسی شادی میں۔"
"تمہارا مطلب ہے ان کی غیر موجودگی میں مجھے نہیں آنا چاہئے۔"
"نہیں' نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے غزنوی بھائی! آپ کے اوپر تو بہت اعتماد ہے امی' ابو کو۔"
"پھر کیا بات ہے؟"
"کوئی بات نہیں' میں نے یونہی آپ کو اطلاع دینے کی غرض سے کہا تھا۔"
"اچھا میں شام کو آؤں گا۔"
"نائلہ کو بھی لیتے آیئے گا۔"
"ٹھیک ہے اسے تم لوگوں سے ملے ہو کافی دن ہو گئے ہیں۔"
"اچھا' خدا حافظ۔"
ٹینا نے کہا۔
"خدا حافظ۔"
غزنوی نے فون بند کر دیا اور سوچنے لگے۔ "معلوم نہیں شفق آج بھی میری بات کا جواب

دے گی یا نہیں۔"

غزنوی جب نائلہ کو لے کر شفق کے گھر پہنچے تو احتشام چچا اور چچی جا چکے تھے۔ عاصم وکی بھی کہیں جانے کے لئے تیار تھے۔ مانی کا کوئی دوست آیا ہوا تھا۔ عاصم اور وکی غزنوی کو دیکھ کر ٹھہر گئے۔ معلوم ہوا عاصم کے ایک دوست کے ساتھ ان کا فلم کا پروگرام تھا۔

غزنوی نے رسٹ واچ پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

"سیکنڈ شو میں ابھی بہت دیر ہے کچھ دیر بیٹھ کر ذرا گپ بازی کرتے ہیں۔"

عاصم نے کہا۔

"ویسے تو اب آپ آگئے ہیں تو ہم لوگ آپ کے ساتھ گپ بازی کرلیں گے۔"

وکی مسکرایا۔

نائلہ اندر چلی گئی۔ غزنوی باہر لان میں ہی بیٹھ کر عاصم اور وکی سے باتیں کرنے لگے۔

مانی "ابھی آتا ہوں" کہہ کر اپنے دوست کے ساتھ باہر نکل گیا۔

وکی نے کہا

"مانی کی یہ ابھی معلوم نہیں کتنی دیر میں ختم ہوگی؟"

"نہیں جلدی ہی آجائے گا۔ اسے معلوم ہے کہ امی اور ابو بھی گھر میں نہیں ہیں [illegible] دونوں بھی جا رہے ہیں۔"

عاصم اور وکی کے جانے کے بعد غزنوی اٹھ کر اندر آگئے۔ نائلہ، ٹینا اور شفق کے ساتھ باتوں میں مگن تھی۔

ٹینا نے کہا۔

"کھانا کھا لیجئے غزنوی بھائی۔"

"کھانا میں گھر جا کر ہی کھاؤں گا۔"

"معلوم ہوتا ہے گھر میں کوئی خاص چیز پکی ہے۔"

"نہیں خاص چیز کیا پکے گی؟ وہی روزمرہ کا کھانا ہوگا۔"

"تو پھر یہیں کھا لیجئے۔"

"تم کہتی ہو تو یہیں کھا لیتے ہیں۔ کیا پکا ہے؟"

"یہاں بھی روزمرہ کا کھانا ہی پکا ہے۔"

"مثلاً"

"اروی گوشت، ثابت مسور اور چاول۔"

"واہ کیسی اچھی اچھی چیزوں کے نام لئے ہیں منہ میں پانی آرہا ہے۔"

نائلہ نے کہا۔

شفق خاموش بیٹھی تھی۔

غزنوی نے کہا۔

"کیا بات ہے؟ آپ کیوں خاموش بیٹھی ہیں؟"

"آپ تینوں بول رہے ہیں کوئی سننے والا بھی تو ہونا چاہئے۔"

"اچھا تو پھر اب آپ بولئے میں سنوں گا۔"

"چھوڑیئے۔ اس وقت نہ کوئی بولے نہ کوئی سنے، میں جا کر مجید سے کہتی ہوں کھانا نکالے، بھوک بہت زور کی لگ رہی ہے۔"

کھانے کے بعد نائلہ اور ٹینا تو لان میں ٹہلنے لگیں، شفق، غزنوی کے ساتھ ڈرائنگ روم میں آگئی۔

"کیا بات ہے؟ آپ کچھ ناراض ہیں؟"

"نہیں، ناراضگی کی کیا بات ہے؟"

"تو پھر اس قدر خاموش کیوں ہیں؟"

"آج کل میں زیادہ تر خاموش ہی رہتی ہوں۔"

"اس کی کوئی خاص وجہ؟"

"جی، بہت خاص۔"

"مجھے بتانا پسند کریں گی؟"

"آپ سے تو تعلق ہے اس بات کا۔"

"اچھا!!!"

غزنوی چونکے۔

"جی"

"تو پھر بتا دیجئے۔"

"آپ نے بڑی الجھن میں ڈال دیا ہے۔"

غزنوی اس کی بات کا مطلب سمجھ کر بولے۔

"میں آپ کی بات سمجھ گیا ہوں۔"

شفق خاموش رہی۔

"آپ کی بات سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے اب تک کوئی فیصلہ نہیں کیا۔"

"آپ کے خیال میں فیصلہ کرنا اتنا ہی آسان ہے؟"

"ہاں۔ آخر میں نے بھی تو ایک قطعی فیصلہ کرلیا ہے۔ آپ کے بارے میں۔"

"اور آپ مطمئن بھی ہیں؟"

"ہاں۔۔۔ بالکل۔"

"کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ ہم یہ فیصلہ سال بھر بعد کریں۔"

"سال بھر بعد!"
غزنوی چونکے۔
"ہاں" شفق نے اطمینان سے کہا۔
غزنوی کو شفق کے مطمئن لہجے پر حیرت ہوئی۔ دو ایک سیکنڈ وہ اس کے چہرے کی طرف دیکھتے رہے پھر بولے۔
"ایک تو آپ اپنے جملوں میں "ہم" کا لفظ نکال دیں۔"
"کیوں...؟"
"اس لئے کہ میں قطعی اور آخری فیصلہ کر چکا' اب فیصلہ آپ کو کرنا ہے۔"
"اگر میرا جواب انکار میں ہو تو؟"
شفق نے غزنوی کے چہرے کا جائزہ لیا۔
غزنوی کا دل ایک لمحے کے لئے بڑی زور سے دھڑکا لیکن پھر وہ فوراً" سنبھل کر بولے۔
"اس صورت میں میرے دل کو جو تکلیف پہنچے گی اس کا اندازہ شاید آپ کو نہ ہو سکے۔"
شفق کی نگاہوں میں حیرت سی اتر آئی۔
غزنوی نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔
"اس کی وجہ یہ ہے کہ میرے قدم بہت آگے بڑھ چکے ہیں۔"
"لیکن اس کے لئے میں آپ کو قصوروار نہیں ٹھہراؤں گا۔ آپ قصوروار ہیں بھی نہیں یہ ابتداء آپ کی طرف سے ہوئی اور نہ ہی آپ نے مجھے کوئی آس دلائی۔" غزنوی نے کہا۔
شفق سوچ رہی تھی....
غزنوی کتنی سچی اور کھری باتیں کر رہے ہیں۔
اس نے غزنوی سے کہا۔
"جو کچھ آپ چاہتے ہیں اگر ایسا نہ ہو سکا تو پھر.... میرا مطلب ہے آپ....."
"میں آپ کا مطلب سمجھتا ہوں شفق! یہ کوئی نئی اور انوکھی بات نہیں ہو گی۔ دنیا میں بے شمار لوگ اس حادثے سے دوچار ہو جاتے ہیں.... لیکن...."
وہ ایک سیکنڈ کے لئے رک کر بولے۔
"میرا خیال ہے آپ بھی یہ تسلیم کرتی ہوں کہ وقت اگر زخم لگاتا ہے تو مرہم بھی ہے۔ کبھی کبھی انسان اس حادثے سے دوچار ہو کر زندگی بھر ایک خلا محسوس کرتا ہے کبھی.... اگر زندگی میں اس سے بہتر ساتھ مل جائے اور زندگی خوشگوار گزرنے لگے تو وہ ... ہے کہ ناحق میں ایک سائے کا تعاقب کرتا رہا۔ کیسی حماقت سرزد ہوئی مجھ سے!"
شفق کو شاید غزنوی سے اس قدر صاف گوئی کی توقع نہیں تھی۔ وہ پلکیں جھپکائے بنا ان کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔

"کیوں کیا میں کوئی غلط بات کہہ گیا؟" غزنوی نے پوچھا۔
"اتنی زیادہ صاف اور سچی بات کرنے والا شخص اب سے پہلے میری نظر سے نہیں گزرا۔" شفق نے کہا۔
پھر وہ کچھ سوچ کر بولی۔
"ایک بات بتائیے۔"
"پوچھیئے۔"
"آپ اتنی جلدی میرا فیصلہ سننا چاہتے ہیں۔ اس کی کوئی خاص وجہ ہے؟"
"پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ اسے جلدی نہ کہیں میرے خیال میں خاصا وقت ہو چکا ہے اس بات کو کہے ہوئے اور رہ گئی دوسری بات تو اس کا جواب یہ ہے کہ خاص وجہ ہی ہے۔"
"یعنی"
"میرے باہر جانے سے پہلے ہی امی میری شادی کر دینا چاہتی تھیں۔ اتنے عرصے باہر رہا اور واپس آئے ہوئے بھی کافی عرصہ گزر چکا ہے اب تو ان کا بس نہیں چل رہا کہ وہ کل کے بجائے آج ہی اپنی دوسری بہو کو گھر لے آئیں۔"
شفق کا چہرہ ایک لمحے کے لئے گلابی سا ہوا لیکن فوراً" ہی وہ نارمل ہو گئی غزنوی کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔
"ظاہر ہے ان کی نظر میں کوئی نہ کوئی لڑکی تو ہو گی ہی۔"
"ہاں ایک نہیں دو لڑکیاں ہیں۔"
"اچھا"
"ان دو لڑکیوں میں سے ایک آپ ہیں۔"
"اور دوسری....."
غزنوی نے بات ادھوری چھوڑ کر شفق کے چہرے کی طرف دیکھا انہوں نے محسوس کیا۔ شفق اس دوسری لڑکی کا نام جاننے کے لئے بے چین تھی۔
انہوں نے کہا۔
"دوسری لڑکی کا نام فارینہ ہے۔ شاید آپ جانتی ہوں گی۔"
"جی ہاں! ملاقات تو ہوئی ہے ان سے تقریبات کے موقع پر وہی جو غالباً" کسی کالج میں لیکچرار ہیں۔"
"ہاں' وہی۔"
"پہلا انتخاب تو وہی ہوں گی؟"
شفق نے کریدا۔
"جی کیونکہ انہیں بچپن سے امی دیکھتی آئی ہیں۔ آپ لوگ تو بعد میں شفٹ ہوئے ہیں

یہاں۔"

"آپ فارینہ سے کیوں نہیں کر لیتے شادی؟"

"فرض کیجئے کہ آپ کسی کو پسند کرتی ہیں اور اور میں خاندان کے کسی لڑکے کا نام لے کر کہوں کہ آپ اس سے شادی کیوں نہیں کر لیتیں؟ تو آپ کیا جواب دیں گی؟"

غزنوی نے کہا۔

شفق سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔

"یہ زبردستی کا سودا نہیں ہوتا شفق بیگم!"

شفق بات بنا کر بولی۔

"میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ فارینہ میں کسی بات کی کمی تو نہیں ہے۔"

"بے شک فارینہ میں کوئی کمی نہیں ہے لیکن آپ اپنے دل کو مجبور تو نہیں کر سکتیں کہ کسی شخص کو زبردستی پسند کر لے۔ ہمارے دل ہمارے کہنے کی پروا کب کرتے ہیں؟"

"آپ تو بچپن سے فارینہ کے ساتھ رہے ہوں گے؟"

شفق نے کریدا۔

"ہاں، ہم نے بہت سا وقت گزارا ہے۔ ہم بہت اچھے دوست رہے ہیں اور رہیں گے۔"

"برسوں ایک دوسرے کے ساتھ رہنے کے بعد بھی آپ کے دل میں ان کے لئے جگہ نہیں ہو سکی"۔

شفق، غزنوی سے ان کے اور فارینہ کے بارے میں معلوم نہیں کیا معلوم کرنا چاہتی تھی۔

غزنوی نے کہا۔

"پھر وہی احمقانہ بات، آپ یہ کیوں نہیں سمجھتیں کہ ہم زبردستی اپنے دلوں میں ایک دوسرے کیلئے جگہ پیدا نہیں کر سکتے۔"

شفق سوچ میں پڑ گئی۔

"اب کیا سوچ رہی ہیں آپ؟"

"بہت سی باتیں۔"

"**مثلاً**"؟"

"**مثلاً**" یہ کہ آپ کو شاید اندازہ نہیں مجھے برداشت کرنا بڑا مشکل کام ہے"

"کیوں....؟"

"بڑی عجیب عادتیں ہیں میری۔"

غزنوی مسکرائے۔

"آپ مذاق نہ سمجھیں، میں سچ کہہ رہی ہوں۔"

"چلئے، اگر آپ کی بات سچ ہو تو بھی کیا فرق پڑتا ہے۔"

"کوئی فرق نہیں پڑتا؟"

"نہیں، انسان سمجھوتے بھی تو کر سکتا ہے اور شادی تو نام ہی سمجھوتے کا ہے۔"

شفق سے کوئی جواب نہ بن پڑا تو اس نے کہا۔

"دوسری بات یہ ہے کہ میری تعلیم ادھوری رہ جائیگی۔"

"آپ کی تعلیم ادھوری نہیں رہے گی۔ امی کو مطمئن کرنے کے لئے فی الحال میں منگنی پر ہی اکتفا کر لوں گا۔"

غزنوی مسکرائے۔

شفق کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ بکھر گئی۔

"لیکن شفق! پلیز! اب آپ فیصلہ کر ہی لیجئے۔" غزنوی نے کہا۔

شفق خاموش رہی۔

"کچھ تو بولیئے۔ آپ تو وقت بے وقت سوچوں میں ڈوب جاتی ہیں۔"

"مجھے کچھ وقت دیجئے سوچنے کے لئے۔" شفق نے کہا۔

"اور کتنا وقت لیں گی شفق؟"

"بس کل تک کا وقت۔"

"اچھا ٹھیک ہے، میں کل فون کروں گا۔"

شفق نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اسی روز.... جب غزنوی نائلہ کو لے کر گھر پہنچے تو احسان صاحب اور نفیسہ بیگم باہر لان میں ہی انہیں مل گئے۔

نفیسہ بیگم تو غزنوی کے انتظار میں ہی بیٹھیں تھیں غزنوی کے بیٹھتے ہی بولیں۔

"پھر تم نے کیا سوچا غزنوی؟"

غزنوی انجان بن کر بولے۔

"کس بارے میں؟"

نفیسہ بیگم کچھ ناراض ہو کر بولیں۔

"احتشام بھائی سے بات کی جائے یا نہ کی جائے۔"

"کر لیجئے گا امی۔ ایسی جلدی کیا ہے۔"

غزنوی نے ٹالنے کے لئے کہا۔

"پھر وہی بیکار بات۔ تمہارے نزدیک یہ جلدی ہے؟"

"میرا مطلب ہے کہ دو چار روز ٹھہر جایئے۔"

"تمہارے یہ دو چار روز کب ختم ہوں گے میں اب اور انتظار نہیں کر سکتی۔"

"امی! میرا مطلب ہے کہ آپ تو ایسے کاموں میں نیک دن اور نیک ساعت کی اہمیت پر بہت زور دیتی ہیں۔"

"ہونا بھی چاہئے۔"

"تو پھر جمعہ کو چلی جائیے گا۔ اگر اس کا جواب اثبات میں ہوا تو۔"

"کیا مطلب؟"

نفیسہ بیگم چونکیں۔

"بھئی صاف بات تو کہہ رہا ہے تمہاری سمجھ کو جانے کیا ہو گیا ہے۔"

احسان صاحب جو اب تک خاموش بیٹھے تھے بولے۔

غزنوی مسکرائے۔

احسان صاحب نے کہا۔

"صاحبزادے نے شفق سے کہا ہو گا کہ اگر تمہیں کوئی اعتراض نہ ہو تو میں اپنے ماں باپ کو بھجوا دوں اور شفق ابھی تک سوچ بچار میں ہو گی۔"

احسان صاحب نے بڑی سنجیدگی سے کہا تو غزنوی کچھ شرمندہ سے ہو گئے۔

"اتنے دن ہو گئے' ابھی تک وہ سوچ بچار میں ہی ہے۔"

نفیسہ بیگم کو شفق کی طرف سے اس قدر تاخیر کچھ گراں گزری۔

"بھئی زندگی بھر کا معاملہ ہے جس قدر سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا جائے اتنا ہی اچھا ہے۔"

احسان صاحب بولے۔

"خواہ مخواہ آپ دونوں باپ بیٹے دیر کئے جا رہے ہیں۔"

"ہم دیر کرنے والے کون ہوتے ہیں اوپر والے کو ابھی منظور ہی نہیں ہے۔"

"میں تو کب کی احتشام بھائی اور عارفہ سے بات کر چکی ہوتی۔ آپ دونوں کی نرالی باتیں ہوتی ہیں۔"

"جو آپ چاہتی تھیں وہ مناسب نہیں تھا' امی۔"

"کیوں؟ نامناسب بات کون سی تھی اس میں؟"

"فرض کیجئے شفق کو یہ بات منظور نہ ہوتی' احتشام چچا اور چچی انکار کر دیتے۔"

"انکار کر دیتے' تمہارا کیا بگڑتا؟ تمہارے لئے کوئی لڑکیوں کی کمی ہے' کوئی اس سے اچھی لڑکی مل جاتی۔"

"لیکن میں نہیں چاہتا کہ خاندان کے لوگوں کو یہ بات معلوم ہو شفق کے امیدواروں میں ایک اور کا اضافہ ہوا اور اس کو بھی جواب انکار میں ملا۔"

"خاندان کے لوگوں کو معلوم ہو جاتا تو کونسا غضب ہو جاتا۔ آخر شادیاں اسی طرح ہوتی ہیں۔" احسان صاحب بولے۔

"چلو کوئی بات نہیں۔ جہاں اتنے دن صبر کیا ہے چار دن اور سہی۔"

نفیسہ بیگم کچھ الجھی ہوئی بیٹھی رہیں۔

دوسری طرف اسی رات شفق سخت تذبذب کا شکار تھی۔ ادھر تین ہفتوں سے غزنوی نے
اسے سخت الجھن میں مبتلا کر رکھا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا فیصلہ کرے۔ انکار
کردے یا اقرار۔

بظاہر غزنوی میں اسے کوئی کمی نظر نہیں آتی تھی۔

شکل وصورت، عادات واطوار، روپے پیسے، کسی لحاظ سے بھی وہ دوسرے بے شمار مردوں
سے کم نہیں تھے۔ خاندان میں ان کی ذہانت اور قابلیت کے جو چرچے ہوتے تھے، شفق ان
سے بھی لاعلم نہیں تھی۔

"اتنے عرصے میں شفق کو اس بات کا اندازہ بھی کافی حد تک ہو چکا تھا کہ غزنوی تند مزاج
اور سخت مزاج اور سخت گیر نہیں تھے ان کی فطرت میں نرم دلی اور انکساری تھی، وہ بہت
ٹھنڈے مزاج کے انسان تھے۔

کسی لڑکی کو اپنی زندگی کے ہمسفر میں بھلا اور کون سی خوبیوں کی ضرورت محسوس ہو سکتی
تھی۔ لیکن پھر بھی جانے کیا بات تھی، اس کا دل کسی یک طرفہ فیصلے پر آمادہ ہی نہیں ہو رہا
تھا۔

اس نے اپنی تعلیم ادھوری رہ جانے کا عذر پیش کیا تو غزنوی کے پاس اس کا بھی مفقول

جواب موجود تھا۔

اور اب شفق کے پاس مزید وقت بھی نہیں تھا۔ کل دوپہر تک اسے غزنوی کو اپنے فیصلے
سے آگاہ کردینا تھا۔

وہ اس بات کے لئے پابند نہیں تھی کہ جواب اثبات میں ہی جواب دیتی۔ وہ غزنوی کو انکار
میں بھی جواب دے سکتی تھی۔ اس نے سوچا۔

اگر میں نے انکار کردیا تو ممکن ہے ان کا دل ٹوٹ جائے، یا پھر بقول خود ان کے مجھ سے بہتر
ہم سفر مل جانے پر وہ مجھے بھول جائیں۔ غزنوی کی امی کے سامنے دوسری لڑکی موجود ہے۔

فارینہ۔

اور مجھے یقین ہے کہ غزنوی کی امی کو میرے مقابلے میں فارینہ سے زیادہ محبت ہوگی۔ وہ
ان کا پہلا انتخاب ہے۔ غزنوی چاہیں یا نہ چاہیں میری طرف سے انکار کی صورت میں ان کی
امی فارینہ سے ان کی شادی کردیں گی۔

اس نے سوچا۔ غزنوی جیسے اچھے انسان سے فارینہ کی شادی ہوجائے گی۔

وہ ذہانت، قابلیت ہر لحاظ سے اچھی ہے۔ کیا حرج ہے اگر غزنوی سے اس کی شادی
ہوجائے۔ دل نے کہا۔

حماقت کی باتیں مت سوچو۔

غزنوی جیسے ہیرا انسان کو خود اپنے ہاتھوں مت گنواؤ۔

اسے کسی دوسرے کا مت ہونے دو۔

ہاں اور نہیں کی تکرار بڑی رات تک اس کے دماغ پر ہتھوڑے برساتی رہی۔ معلوم
نہیں کس وقت اس کی آنکھ لگ گئی لیکن وہ پرسکون نیند نہیں سو سکی۔ پریشان سوچیں اس کے
دماغ میں بسیرا کئے رہیں اور پھر ان ہی سوچوں نے خواب کا روپ دھار لیا۔

اس نے دیکھا اس نے انکار کردیا ہے۔

غزنوی ناراض ہو کر چلے گئے اور ادر پھر کچھ دنوں بعد ان کی شادی فارینہ سے ہوگئی ہے۔
فارینہ دلہن بنی غزنوی کے برابر بیٹھی ہے اور ایک تفاخر سے شفق کی طرف دیکھ رہی ہے۔
شفق کو ایسا محسوس ہوا.... جیسے کہہ رہی ہو۔

"دیکھا جیت میری ہوئی۔ تم ناحق میدان میں آگئی تھیں، اس گھر کی بہو بننے کا حق تو میرا
تھا۔"

شفق کی آنکھ کھلی تو اس کے دماغ پر خواب کا گہرا اثر تھا۔

اسے اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

اسے احساس ہوا کہ وہ غزنوی کو فارینہ کا ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکے گی۔

اور اسی لمحے اس نے فیصلہ کرلیا۔

دوپہر کو جب غزنوی نے شفق کو فون کیا تو ان کا دل بڑی زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ معلوم نہیں وہ کیا فیصلہ سنائے گی۔

لیکن جب شفق کا جواب انہوں نے اثبات میں سنا تو چند سیکنڈ تک انہیں یقین ہی نہ آیا۔ انہیں شک گزرا وہ جو کچھ سن رہے ہیں ٹھیک بھی ہے۔

کہیں وہ خواب تو نہیں دیکھ رہے۔

کہیں شفق ان کے ساتھ مذاق تو نہیں کر رہی ہے۔

انہوں نے کچھ جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"آپ سیریس ہیں نا؟"

"آپ کا کیا خیال ہے میں مذاق کر رہی ہوں؟" شفق کی آواز سے حیرانگی ظاہر ہو رہی تھی۔

"تو پھر امی اور ابو، چچا اور چچی جان سے بات کرنے آجائیں؟"

"کیا آج ہی؟"

شفق نے پوچھا۔

"نہیں، آج نہیں جمعہ کو۔"

"ٹھیک ہے۔"

"آپ خوش ہیں نا اپنے فیصلے پر؟"

غزنوی نے پوچھا۔

"اپنے احساسات کا کچھ اندازہ نہیں کر پا رہی ہوں۔"

"مطمئن بھی نہیں؟"

"میں نے کہا نا! ابھی تک عجیب سی کیفیت طاری ہے مجھ پر۔"

"ہو سکتا ہے کچھ وقت گزر جانے کے بعد آپ کو اپنے فیصلے پر خوشی کا احساس بھی ہو اور اطمینان کا بھی۔"

غزنوی نے کہا۔

"ممکن ہے ایسا ہی ہو۔" شفق نے کہا۔

"اچھا خدا حافظ۔" غزنوی نے فون بند کر دیا۔

وہ اپنی کامیابی پر دل کھول کر خوش ہونا چاہتے تھے۔

ان کا دل چاہتا تھا وہ اسی وقت گھر فون کر کے امی کو بتا دیں۔ "امی وہ مان گئی ہے۔" نائلہ کو خوش خبری سنا دیں "شفق راضی ہو گئی ہے۔" یاسر سے کہیں "یاسر! اس کے امیدواروں میں ایک اور اضافہ تو ہوا لیکن وہ آخری امیدوار ہارا نہیں۔ اس نے مات نہیں کھائی" وہ یاسر کو اتنے سارے مہینوں کی روداد سنا دیں اور ان کی ناراضگی پر انہیں منا لیں۔

غزنوی کے لئے آفس میں بیٹھنا اور کام کرنا دشوار ہو گیا۔ وہ اپنی آرام کرسی کی پشت سے سر ٹکائے اپنے دل کی صدا سنتے رہے۔

آفس سے اٹھتے ہوئے غزنوی کا دل تو یہی چاہا کہ شفق سے ملتے ہوئے جائیں لیکن وہ نائلہ اور اپنی امی کو خوشخبری سنانے کے لئے بھی بے چین ہو رہے تھے۔ انہوں نے شفق کے گھر جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

گھر پہنچ کر غزنوی کو مایوسی ہی ہوئی۔ نہ نفیسہ بیگم گھر میں تھیں نہ نائلہ۔ پہلے تو وہ خود ہی سارے گھر میں انہیں تلاش کرتے رہے لیکن جب دونوں کہیں نظر نہ آئیں تو انہیں بھورے سے پوچھنا پڑا۔

"بھورے! امی اور نائلہ نہیں ہیں گھر میں؟"

"نئیں چھوٹے پاشا۔"

بھورے نے روز اول سے غزنوی کو چھوٹے پاشا کہنا شروع کر دیا تھا۔

"کہاں گئی ہیں؟" غزنوی نے پوچھا۔

"بیگم صاحبہ تو یاسر میاں کے ہاں گئے ہیں اور نائلہ بی بی اپنی سہیلی کے پاس گئے ہیں۔"

"اچھا کب تک واپس آئیں گی؟"

"میرے کو بول کر نئیں گئے وہ لوگاں۔" بھورے نے کہا۔

"اچھا" غزنوی اپنے کمرے کی طرف چل دیئے۔

"چھوٹے پاشا! کھانا نکالوں آپ کے واسطے؟"

مارے خوشی کے غزنوی کی بھوک واقعی اڑ گئی تھی۔ مگر بھورے نے کھانا میز پر رکھا تو غزنوی با دل نخواستہ کھانا کھانے بیٹھ گئے انہیں سخت جھنجلاہٹ ہو رہی تھی۔

انہوں نے سوچا۔

"امی اور نائلہ کا آج ہی جانا ضروری تھا۔"

اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے راہداری کی طرف سے گزرتے ہوئے انہیں خیال آیا۔ کیوں نہ یاسر کو ٹیلی فون کر دوں۔ یاسر کو یقیناً خوشی ہو گی۔

کس قدر اصرار تھا اس کا کہ میں جلد سے جلد قسمت آزمائی کروں۔

اس بے چارے کو کیا خبر تھی کہ میں تو کب سے اپنی کوشش میں لگا ہوا تھا اور اب جب میں اسے صحیح صورت حال بتاؤں گا تو وہ کس قدر ناراض ہو گا۔ مگر خیر اسے منانا میرے لئے کوئی مشکل کام نہیں۔

لیکن ٹیلی فون پر کچھ بتانے سے بہتر تو یہ ہو گا کہ میں یاسر کے پاس شام کو خود ہی چلا جاؤں۔

غزنوی نے بستر پر دراز ہوتے ہوئے سرہانے پڑا ہوا میگزین اٹھا لیا اور اپنا ادھورا پڑھا ہوا آرٹیکل پڑھنے کی کوشش کرنے لگے۔

لیکن وہ کیا کرتے؟

شفق آج انہیں بہت ڈسٹرب کر رہی تھی۔

بار بار اس کی من موہنی صورت نگاہوں کے سامنے آجاتی تھی۔ ان کی نگاہیں میگ تھیں لیکن الفاظ دھندلے پڑ چکے تھے۔ میگزین کے صفحے پر تو شفق کی تصویر مسکرا رہی تھی میگزین سینے پر ڈال کر آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر سونے کی کوشش کرنے لگے۔

شام کو غزنوی کی آنکھ کھلی تو دھوپ ڈھل چکی تھی وال کلاک پر نگاہ پڑی تو حیران رہ وہ کتنی دیر تک سوئے تھے۔

نائلہ اور نفیسہ بیگم آچکی تھیں۔ بھورے نے آکر شام کی چائے کی اطلاع دی۔ چائ نفیسہ بیگم، احسان صاحب، نائلہ کے علاوہ انیسہ خالہ (یاسر کی امی) بھی ان کی تھیں۔ غزنوی دروازے تک پہنچے تھے کہ انہیں نائلہ کی آواز سنائی دی۔

"بھورے! بھائی جان کیا کر رہے ہیں؟ ان سے کہو سب چائے پر ان کا انتظار کر ہیں۔"

"چھوٹی بی بی! میں ان کو بول دیا ہوں۔"

"پھر کیا کہا انہوں نے؟"

"میرا خیال ہے انوں غسل کرنے کے واسطے باتھ روم کو گئے ہیں۔" بھورے نے کہا۔

"افوہ! پھر تو وہ بہت دیر کردیں گے۔"

اسی وقت غزنوی اندر داخل ہو کر بولے۔

"کیوں؟ ایسی کونسی خاص چیز تیار کی ہے تم نے جو تمہیں اس شدت سے میرا انتظ ہے؟"

پھر انیسہ خالہ پر نگاہ پڑتے ہی وہ مسکرا کر بولے۔

"آداب عرض خالہ امی آپ کب آئیں؟"

"جیتے رہو مجھے آئے ہوئے تو دیر ہوگئی۔"

"بالکل غلط، میں آیا ہوں تو امی بھی گھر پر نہیں تھیں، بھورے نے بتایا کہ آپ کی گئی ہیں۔"

"میرا خیال ہے ہمارے آنے سے چند منٹ پہلے ہی تم سوئے ہو گے۔" نفیسہ بیگم کہا۔

"اور تم؟" غزنوی نے نائلہ سے جواب طلب کیا۔

"میں ابھی دس منٹ پہلے آئی ہوں"

"کہاں کہاں کی سیر کرتی پھرتی ہو تم مجھ سے پوچھے بغیر؟" غزنوی نے ذرا رعب سے کہا۔

"سیر کرنے نہیں گئی تھی بھائی جان! میں بہت ضروری کام سے گئی تھی ثروت کے پاس

"مجھے اچھی طرح معلوم ہے تم لڑکیوں کے ضروری کام کیا ہوتے ہیں۔" غزنوی مسکرائے۔

"برخوردار! میں باقی رہ گیا ہوں۔" احسان صاحب نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

غزنوی ایک دم ہنس پڑے پھر بولے۔

"آپ نے تو آفس میں ہی بغیر میرے پوچھے بتادیا تھا کہ آپ ارشد صاحب کے گھر ہوتے ہوئے آئیں گے۔"

"اچھا جبھی تم نے مجھے بخش دیا۔" احسان صاحب مسکرائے۔

انیسہ خالہ چائے کا کپ اپنی طرف سرکاتے ہوئے بولیں۔

"مجھے بھی تم سے بازپرس کرنی ہے غزنوی۔"

"مجھ سے....؟" غزنوی حیران ہو کر بولے۔

"ہاں تم سے۔"

"کیجئے۔"

"تم میرے گھر کا راستہ کب سے بھولے ہوئے ہو؟"

انیسہ خالہ نے کہا۔

"بہت زیادہ دن تو نہیں ہوئے۔" غزنوی نے کہا۔

"ہاں، تم تو یہی کہو گے۔" انیسہ خالہ نے کہا

"ویسے آپ یقین کریں، میں آج آپ کی خدمت میں حاضر ہونے والا تھا۔"

"رہنے دو، سب منہ دیکھے کی باتیں ہیں۔"

"آپ کہیں تو میں قسم کھالوں۔"

"رہنے دو، باتیں نہ بناؤ، معلوم نہیں کیا مصروفیات ہیں تمہاری، جو خالہ کے گھر کا رخ کرنے کو دل ہی نہیں چاہتا تمہارا۔"

"آج کل کے لڑکوں کی مصروفیات کچھ عجیب و غریب ہوتی ہیں۔" احسان صاحب کی مسکراہٹ معنی خیز تھی۔

غزنوی کچھ پشیمان ہوگئے۔

چائے کے بعد سب باہر آکر بیٹھے تو نفیسہ بیگم نے کہا۔

"غزنوی! آخر تم کب تک مجھے بہلائے رکھو گے؟"

نائلہ کو ہنسی آگئی۔

"امی! آپ بھی کوئی بچہ ہیں جو بھائی جان آپ کو بہلائیں گے۔"

"تمہارا بھائی مجھے بچہ ہی سمجھے ہوئے ہے۔"

"کیوں بھئی؟ تمہاری والدہ محترمہ کیا فرما رہی ہیں"۔ احسان صاحب نے کہا۔

"ابو میرا تو خیال ہے' امی کو کچھ غلط فہمی ہو گئی ہے۔" غزنوی زیر لب مسکرائے۔

"بہت مذاق ہو چکا غزنوی! آج تم مجھے صاف صاف بتا دو۔ میں احتشام بھائی سے بات کروں یا نہ کروں؟"

"آپ ان سے ضرور بات کر لیجئے بلکہ اگر آپ کو بہت جلدی ہو تو بے شک آپ جمعہ کا انتظار بھی نہ کریں۔"

غزنوی نے کہا تو نائلہ بچوں کی طرح خوش ہو کر بولی۔

"سچ بھائی جان! واہ! دل خوش کر دیا آپ نے تو۔"

"شکر ہے خدا کا۔ معلوم نہیں کب سے اس لڑکے نے مجھے پریشان کر رکھا تھا۔"

انیسہ خالہ حیران ہو کر بولیں۔

"آخر یہ کیا معاملہ ہے نفیسہ۔"

"ارے آپا! بس کیا بتاؤں؟ احتشام بھائی کی لڑکی تو دیکھی ہے نا آپ نے؟"

"شفق کا ذکر کر رہی ہو؟"

"جی"

"نیرہ کی شادی کے موقع پر کہیں یہ اسے پسند کر بیٹھے۔"

"اچھا! اور تم آج بتا رہی ہو مجھے۔"

"مجھ سے کوئی شکوہ نہ کیجئے گا۔ جو کچھ کہنا ہے اپنے بھانجے سے کہیئے۔"

"کیوں؟ تم سے کیوں نہ کہوں؟"

"اس لئے کہ اس لڑکے نے مجھے منع کر رکھا تھا کہ جب تک شفق کی مرضی نہ معلوم ہو جائے آپ کسی سے ذکر نہ کریئے گا۔"

"اچھا"

"جی؟ حد تو یہ ہے کہ صاحبزادے اس بات کے لئے راضی نہیں تھے کہ احتشام اور عارفہ سے اس کا ذکر کیا جائے۔"

احسان صاحب نے کہا۔

"یا اللہ! آخر اس قدر رازداری کیوں؟"

انیسہ حیران ہو کر بولیں۔

"بس کہیں میں نے یہ کہہ دیا تھا کہ خاندان کے کئی لڑکوں کے لئے انکار ہو چکا ہے شفق کی طرف سے۔"

"ہاں' تو یہ ایسی کونسی انہونی بات ہے' رشتوں' ناتوں کے معاملے میں انکار' اقرار ہوتا ہی رہتا ہے۔"

انیسہ خالہ نے کہا۔

"خالہ امی! بھائی جان کہتے تھے کہ اگر میرے لئے بھی ان لوگوں نے انکار کر دیا تو خواہ مخواہ ہی سبکی ہو گی۔"

"تو اس میں سبکی کی کیا بات ہے۔"

"میں نے تو اسی لئے منہ سے بھاپ تک نہیں نکالی' بلکہ جب آپ نے خود بھی مجھے مشورہ دیا کہ میں غزنوی کے لئے احتشام بھائی سے بات کروں تب بھی میں خاموش ہی رہی۔"

نفیسہ بیگم نے کہا۔

احسان صاحب مسکرا کر بولے۔

"اب تو آپ کو معلوم ہو گیا نا! کہ غزنوی کی کیا مصروفیات ہیں جن کی وجہ سے وہ آپ کو اپنی صورت نہیں دکھا سکے۔"

غزنوی اس تمام گفتگو کے دوران انجان بنے میگزین پر نظریں جھکائے بیٹھے تھے۔

انیسہ خالہ نے غزنوی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"کیوں غزنوی؟ مجھے بھی کانوں خبر نہ ہونے دی تم نے؟"

"میں نے تو یاسر کو بھی نہیں بتایا خالہ امی۔"

"اور اب یاسر اچھی طرح خبر لے گا تمہاری۔"

"وہ مجھے منظور ہے۔" غزنوی مسکرائے۔

انیسہ خالہ یاسر کی منتظر تھیں کہ وہ انہیں لینے آئیں گے لیکن جب انہیں انتظار کرتے ہوئے کافی دیر ہو گئی تو انہوں نے غزنوی سے کہا۔

"غزنوی بیٹے تم ہی مجھے چھوڑ آؤ' یاسر معلوم نہیں آئے گا بھی یا نہیں۔"

"ایسی جلدی بھی کیا ہے خالہ امی...؟ کھانا کھا کر جایئے گا۔"

"کھانا میں پھر کسی روز کھا لوں گی' آج تو مجھے جانے دو۔"

نفیسہ بیگم' احسان صاحب اور نائلہ نے بھی بہت اصرار کیا کہ کھانا کھا کر جائیں مگر انیسہ بیگم کی عادت کچھ اس قسم کی تھی کہ اگر کسی بات کے لئے ناں کہہ دیں تو پھر اس کا ہاں میں بدل جانا ناممکن ہی ہوتا تھا۔

اسی دوران بھورے ادھر سے گزرا تو نائلہ نے اسے آواز دے کر کہا۔

"بھورے.....! ذرا ادھر تو آنا۔"

"جی! چھوٹی بی بی!"

بھورے صاحب سڑپڑ اپنی ہوائی چپل گھسیٹتے ہوئے آ گئے۔

"خالہ امی تمہاری انسلٹ کر کے جا رہی ہیں۔" نائلہ نے کہا۔

"پتہ نہیں کیا بول رہئیں آپ چھوٹی بی بی۔"

"مطلب یہ ہے کہ خالہ امی تمہارے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا نہیں کھا رہی ہیں۔" نائلہ نے

کہا۔

"انوں میرے ہاتھ کا کھانا چکھ چکے ہیں۔ اور بہت پسند کئے تھے۔" بھورے نے بڑے
سے کہا۔

"تو پھر آج کیوں نہیں کھا رہی ہیں؟"

"اجی بھوک نہیں ہوئے گی۔ زبردستی کائے کے واسطے کرتے آپ لوگاں۔"

بھورے نے خالہ امی کی حمایت لیتے ہوئے کہا۔

"عقلمند آدمی معلوم ہوتا ہے۔" خالہ امی مسکرائیں۔

"بیگم صاحب! عخلمند دخلمند... کیا ہونا' آپ تو ویسے اج دل خوش کرنے کی باتا
کرتے۔" بھورے جھینپ کر بولا۔

"ویسے آج تم نے پکایا کیا ہے؟" نائلہ نے پوچھا۔

"مئیں؟ مئیں آج کیا پکایا ہوں؟"

"ہاں۔"

"مئیں آج پکایا ہوں۔ آلو گوشت کا سالن' بھنڈی تلی ہوئی' چاول' مسور کی دال اور شا
کباب کا خیمہ تیار کرکے رکھا ہوں' اگر بولیں گے تو کباب بھی تل کے دے دوں گا ور
دوپہر کے کھانے میں کباب مل جائیں گے۔"

"معلوم ہوتا ہے خالہ امی! آپ کو ان میں سے کوئی چیز بھی پسند نہیں ہے۔" نائلہ
کہا۔

"مجھے سب چیزیں پسند ہیں لیکن اس وقت تو مجھے جانے ہی دو۔"

انیسہ خالہ گھر جانے کے لئے بچوں کی طرح ضد کر رہی تھیں۔

"بھورے! تم نہیں چاہتے کہ خالہ امی کھانا کھا کر جائیں۔" نائلہ نے کہا۔

"ای! میرے کو کیا تکلیف ہو سکتی ہے' مئیں کیوں نہ چاہوں گا؟"

"تو پھر انہیں روکتے کیوں نہیں۔"

"اجی رک کیوں نہیں جاتے آپ بیگم صاحبہ؟ خواہ مخواہ بچوں کی طرح ضد باندھے ہیں
آپ۔" بھورے نے کہا۔

"ارے چل! بڑا آیا میرا بزرگ بن کے' جا' جا کے اپنا کام کر۔"

خالہ امی نے جھاڑ پلائی۔

"جیسی آپ کی مرضی۔"

بھورے منہ ہی منہ میں جانے کیا بڑبڑاتا ہوا چلا گیا۔

غزنوی کو توقع تھی کہ وہ انیسہ خالہ کو چھوڑنے جائیں گے تو یاسر سے ان کی ملاقات
ہو جائے گی لیکن اتفاق سے یاسر گھر میں تھے ہی نہیں۔

غزنوی نے سوچا۔ "چلو جہاں اتنے دن یاسر کو نہیں بتایا' وہاں ایک دن اور سہی۔"

نفیسہ بیگم کا دل تو یہی چاہتا تھا کہ اگلے ہی دن جا کر احتشام چچا سے غزنوی اور شفق کے
رشتے کی بات کرلیں' لیکن انہوں نے یہ سوچ کر صبر کرلیا کہ جہاں اتنے دنوں تک انتظار کیا
ہے وہاں دو تین روز اور سہی۔ جمعہ کا دن ہی ٹھیک رہے گا۔

انیسہ خالہ نے اسی روز جا کر یاسر کو بتایا کہ۔ "نفیسہ بیگم جمعہ کے روز شفق کے لئے
غزنوی کا رشتہ لے کر جا رہی ہیں اور غزنوی نے اس سلسلے میں شفق کی رضامندی بھی لے لی
ہے۔" یاسر یہ خبر سن کر حیران ہی تو رہ گئے۔

انہوں نے اسی وقت ٹیلی فون کرکے غزنوی کی اچھی طرح خبر لے ڈالی۔ غزنوی اپنی صفائی
میں بہت کچھ کہتے رہے۔ لیکن یاسر نے سخت ناراضگی کا اظہار کیا۔

جمعہ کے روز نفیسہ بیگم اور احسان صاحب غزنوی کے رشتے کی بات کرنے احتشام چچا
کے یہاں گئے۔

ویسے تو ٹیلی فون پر بھی اشاروں کنایوں میں وہ اپنے آنے کا مقصد بیان کر چکے تھے۔ احتشام
چچا اور عارفہ چچی کو اس بات اندازہ تو تھا کہ غزنوی شفق کو پسند کرتے ہیں لیکن وہ احسان
صاحب اور نفیسہ بیگم کی طرف سے خاص پر امید نہیں تھے۔ اب جو ان لوگوں نے اپنا حرف
مدعا بیان کیا تو وہ لوگ دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کرنے لگے۔ ان کی بیٹی کے لئے غزنوی سے
اچھا شخص اور کون ہو سکتا تھا۔ غزنوی ان دونوں کو بے انتہا پسند تھے۔ غزنوی تھے بھی پسند
کئے جانے کے قابل۔ شکل و صورت' قد و قامت' ذہانت و قابلیت سے قطع نظر بھی ان
اور کئی خوبیاں تھیں۔

اب اگر احتشام چچا اور عارفہ چچی فکر مند تھے تو اپنی بیٹی کی طرف سے۔ وہ پہلے بھی
اچھے رشتوں کے لئے انکار کر چکی تھی۔ اس کے موڈ کا کچھ پتہ نہیں چلتا تھا۔ اس سے کچھ
بعید نہیں تھا۔ وہ غزنوی کے لئے بھی انکار کردیتی وہ بھی محض اس وجہ سے کہ انہیں اس بات
کا علم ہی نہیں تھا کہ شفق پہلے ہی غزنوی کو اپنی رضامندی دے چکی ہے۔

احسان صاحب اور نفیسہ بیگم کی بات سن کر احتشام چچا نے کہا۔

"احسان بھائی! ہماری خوش قسمتی ہے کہ آپ نے ہماری بیٹی کو اس قابل سمجھا۔"

"غزنوی ماشاء اللہ چشم بدور' غزنوی جیسے لڑکے تو قسمت والی لڑکیوں کے نصیب میں
ہوتے ہیں۔" عارفہ چچی نے کہا۔

"لیکن شفق کا' ابھی ایم اے کا ایک سال باقی ہے' اسے بہت شوق ہے پڑھنے کا' ماشاء
اللہ ذہین بھی بہت ہے' میری خواہش ہے کہ وہ کم از کم ایم اے تو کرہی لے۔"
احتشام چچا نے کہا۔

"میں تو اس بات کا قائل ہوں کہ جب بھی لڑکی کے لئے کوئی بہتر رشتہ آئے اس کی شادی

کردینی چاہئے لیکن احتشام کی یہ خواہش ہے کہ شفق پی ایچ ڈی کرے خود شفق کی بھی مرضی ہے۔"

عارفہ چچی نے کہا۔

"ارے چھوڑ بھائی! کیا کروگے پی ایچ ڈی کروا کے؟"

"عورت کے لئے باورچی خانے سے فرار پھر بھی ممکن نہیں۔"

احسان صاحب بولے۔

"جی' بھائی صاحب! آپ ٹھیک کہتے ہیں۔"

عارفہ چچی نے ان کی تائید کی۔

احتشام چچا نے کہا۔

"احسان بھائی! اگر آپ کچھ دنوں کی مہلت دے دیں تو اچھا ہے' آپ کو تو پتہ ہی ہے کل زمانہ کس ڈگر پر چل رہا ہے۔"

"دیکھئے نا بھابھی! اب وہ پرانا زمانہ تو رہا نہیں کہ ماں باپ نے اپنی مرضی سے جہاں دل چاہا لڑکی کی شادی کردی۔"

عارفہ چچی نے کہا۔

"ہاں' یہ بات بالکل صحیح ہے اور میں خود بھی اس بات کو ناپسند کرتی ہوں کہ اولاد پر اپنی مرضی اور پسند کو زبردستی مسلط کیا جائے۔"

نفیسہ بیگم نے کہا۔

"ویسے دل تو ان کا یہی چاہ رہا تھا کہ احتشام بھائی اور عارفہ چچی کو بتادیں کہ تمہاری لڑکی کی مرضی اور پسند کے بعد ہی ہم نے یہ قدم اٹھایا ہے۔"

"میں چاہتا ہوں احسان بھائی۔ شفق کی مرضی معلوم کرلی جائے۔"

احتشام چچا نے کہا۔

"ہاں' ہاں ہمیں کوئی اعتراض نہیں' مناسب بات یہی ہے کہ لڑکی اپنے مستقبل کے بارے میں خود سوچ سمجھ کر فیصلہ کرے۔"

"بس تو پھر انشاء ہم آپ کو تین چار روز بعد بتادیں گے۔"

عارفہ چچی نے کہا۔

ٹینا۔ جو کمرے کے باہر کھڑی یہ ساری گفتگو سن رہی تھی' خوشی سے بے قابو ہو کر شفق کے کمرے کی طرف بھاگی اور جاتے ہی شفق کے گلے کا ہار بن گئی۔

"میری آپی! پیاری آپی! کتنی خوش قسمت ہیں آپ۔"

وہ سرخ ہوتے ہوئے چہرے کے ساتھ بولی۔

"اوہو خیریت تو ہے اس قدر پیار کیوں آرہا ہے مجھ پر؟"

شفق نے کہا۔

"معلوم ہے آج احسان چچا اور چچی کیوں آئے ہیں؟"

"ملنے کے لئے آئے ہوں گے۔"

شفق نے انجان بن کر کہا۔

"ارے نہیں آپی' غزنوی بھائی کے اور آپ کے رشتے کی بات کرنے آئے ہیں۔"

"اچھا بہت خوشی ہو رہی ہے تمہیں؟"

شفق نے پوچھا۔

"بہت آپی' بے اندازہ آپ کو معلوم نہیں جب میں نے پہلی مرتبہ غزنوی بھائی کو دیکھا اسی وقت مجھے وہ بے حد اچھے لگے تھے اور میرے دل نے خواہش کی تھی کاش! میری آپی کی شادی ان سے ہو جائے۔"

"تو یوں کہو کہ یہ ساری کارستانی تمہاری ہے' نہ تم ایسی خواہش کرتیں نہ یہ سارا چکر چلتا۔" شفق ہونٹ دانتوں تلے دبا کر مسکرائی۔

"آپ خوش نہیں ہیں آپی؟" ٹینا نے کچھ متفکر ہو کر پوچھا۔

"ابھی تک تو میں نے غور ہی نہیں کیا۔"

"ٹھیک ہے آپ غور کیجئے' بلکہ ہاں ایک بات بتانا تو بھول ہی گئی میں آپ کو۔"

"کونسی بات؟"

"امی' ابو نے ابھی انہیں جواب تھوڑی دیا ہے۔"

"اچھا۔"

"ہاں وہ کہہ رہے تھے کہ پہلے آپ سے پوچھیں گے' اگر آپ کی مرضی ہوئی تو بات آگے بڑھے گی۔" ٹینا نے کچھ اس انداز سے شفق کی طرف دیکھا جیسے کہہ رہی ہو۔

"آپ انکار تو نہیں کریں گی؟"

"اگر میں نے انکار کردیا تو؟" شفق نے محض اسے تنگ کرنے کی خاطر کہا۔

"انکار کرنے کی کوئی خاص وجہ نظر نہیں آتی' آپ خود ہی بتائیں غزنوی بھائی میں کس بات کی کمی ہے؟" ٹینا بے حد سیریس ہو گئی تھی۔

"تم تو بے حد سنجیدہ ہو گئیں' دیکھو شاید امی تمہیں بلا رہی ہیں۔" شفق نے کہا۔

ٹینا' عارفہ بیگم کی آواز سن کر کمرے سے باہر چلی گئی' شفق کی نگاہوں میں گہری سوچیں اتر آئیں۔

شفق کی مرضی معلوم ہونے کے بعد عارفہ چچی نے احسان صاحب اور نفیسہ بیگم کو اثبات میں جواب دے دیا تو انہوں نے سکون کا سانس لیا۔ کتنے عرصے سے وہ غزنوی کی شادی کا ارمان دل میں لئے بیٹھی تھیں

بہو کے بغیر انہیں گھر سونا سونا سا لگتا تھا۔ دل تو ان کا یہی چاہتا تھا کہ جلد از جلد شادی ہو جائے مگر احسان چچا نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ فی الحال منگنی ہی کریں گے۔ شادی ایک بعد ہوگی۔ شفق نے بھی اس شرط پر غزنوی کو اپنے ابو امی سے بات کرنے کی اجازت دی تھی۔ اور غزنوی اپنے وعدے کے پابند تھے۔

نفیسہ بیگم نے سوچ لیا تھا کہ شادی میں ابھی ایک سال باقی ہے منگنی ہی دھوم دھام کرلیں گے نائلہ بضد تھی کہ منگنی کی رسم خاموشی سے نہیں ہوگی۔ غزنوی چاہتے تھے تقریب بالکل سادگی سے ہو' دکھاوا اور شور شرابا انہیں بالکل پسند نہیں تھا نائلہ اور ا کے آگے ان کی ایک نہ چلی۔

سارے خاندان کو اطلاع ہوگئی کہ آئندہ جمعہ کو غزنوی اور شفق کی منگنی کی رسم ہے سے لوگ اس خبر کو سن کر حیرت زدہ رہ گئے کچھ لوگوں کو اس خبر سے خوشی ہوئی کچھ مارے ح کے جل گئے کنواری لڑکیاں شفق کی قسمت پر رشک کرنے لگیں۔

فارینہ نے بھی یہ خبر سنی اور ایک گہری سانس لے کر رہ گئی۔

اس نے سوچا۔ یہ تو ایک روز ہونا ہی تھا۔

پھر بھی نہ جانے کیوں میں آس اور نراس کے بیچ کھڑی تھی۔ خیر ہوا جو ہوا ٹھیک ہوا۔

خدا جانے رشتے ناتے کے اس بندھن میں کونسی مصلحت پوشیدہ ہے منگنی کی تقریب میں شرکت کرنا بھی لازمی تھا اور یہ ایک دشوار گزار مرحلہ بھی تھا۔

اس نے سوچا۔

بہرحال! اسے جانا تو پڑے گا ہی

یہ ٹھیک ہے کہ صرف چند لوگوں کو میرے جذبہ دل کی خبر ہے لیکن میں ان چند لوگوں کے سامنے بھی اپنے آپ کو تماشا کیوں بناؤں؟

غزنوی کی منگنی پر بڑا اہتمام تھا' بہت لوگ جمع تھے۔ شفق نے آتشی گلابی سوٹ پہنا تھا غزنوی ایک دو بار صرف اس کی جھلک ہی دیکھ پائے تھے۔ لیکن وہ انہیں پچھلے تمام دنوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ پیاری لگی تھی۔

کافی رات تک شفق کے گھر میں ہنگامہ رہا۔ غزنوی تو جتنے خوش تھے سو تھے ہی۔ نائلہ ا ٹینا کی خوشیوں کا بھی کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ دونوں کی من کی مراد پوری ہونے والی تھی۔ شفق اگر غزنوی کو پسند تھی تو نائلہ کو بھی پسند تھی اور ٹینا نے غزنوی کو اپنی آپی کے لئے پسند کر ان دونوں کے سمبندھ کے لئے صدق دل سے دعا کی تھی۔

شفق اب غزنوی کی ہو چکی تھی۔

وہ مطمئن تھے مگر پھر بھی انہیں بہت رات تک نیند نہیں آئی

شاید یہ ان کی مسرتوں کی انتہا تھی۔

کمرے کے پرسکون ماحول میں نائٹ بلب کی نیلگوں روشنی فسوں خیز تھی۔

ان کے لائٹر کا ننھا سا شعلہ کئی بار بھڑکا اور بجھ گیا۔

کئی بار دریچے کی چوکھٹ کے اس پار لان کے پراسرار ماحول میں ان کا سایہ ابھرا رات اپنے جوبن پر تھی۔

نیلا آسمان

جھلملاتے ہوئے ستارے۔

بادام کے خوبصورت درخت کی اوٹ سے جھانکتا ہوا درمیانی تاریخوں کا چاند۔

پھولوں کا منہ چوم کر آتی ہوئی ہواؤں کے سبک رفتار جھونکے۔

درختوں میں ہونے والی مدھم مدھم سی سرگوشیاں۔

غزنوی حیران تھے۔

آج سے پہلے کبھی رات انہیں اتنی حسین نہیں لگی تھی کیا یہ ان کے اور شفق کے جذبات اور احساسات کا حسن تھا جو آج کی رات نے بڑی خوبصورتی اور خاموشی سے چرا لیا تھا۔

غزنوی کو یاد آ رہے تھے.....

وہ تمام دن وہ ساری شامیں جو انہوں نے شفق کے پاس بیٹھ کر گزاری تھیں۔

انہیں گھنٹوں ایک دوسرے کے پاس بیٹھ کر باتیں کرنے کا موقع تو نہیں ملا تھا لیکن مختصر لمحوں میں ہونے والی مختصر ملاقاتیں بھی اپنے اندر ایک حسن رکھتی تھیں۔

وہ بھلا دیئے جانے کے قابل نہیں تھیں۔

غزنوی نے سوچا۔

جذبہ دل اگر صادق ہو تو منزل کا حصول کتنا آسان ہو جاتا ہے۔

میں نے اسے دیکھا' اسے چاہا اور اسے پالیا۔

انہیں وہ پہلی ملاقات یاد آئی۔

جب انہوں نے شفق کو دیکھا اور چونک گئے دوبارہ اور سہ بارہ بھی دیکھا اور چونک گئے۔

دل کی دل ہی میں رہی۔

کچھ کہہ سکے نہ کچھ سن سکے۔

دھیرے' دھیرے چپکے' چپکے وہ غزنوی کے ہوش و حواس پر ابر بن کر چھاتی چلی گئی۔

پھر جب انہوں نے سنا۔ شفق کے خواہشمند لوگوں کی فہرست کافی طویل ہے لیکن کامیاب کوئی بھی نہیں ہو سکا تو وہ شش و پنج میں تھے۔

اگلا قدم آگے بڑھائیں یا نہ بڑھائیں۔

امید اور ناامیدی کے چراغ ہاتھوں میں تھامے وہ آگے بڑھتے رہے۔

لیکن ہر قدم پر گمان ہوتا تھا کہ کہیں یہ چراغ بجھ نہ جائیں۔
رات کا جانے کونسا پہر تھا جب غزنوی کی آنکھوں میں نیند چپکے سے اتر آئی۔

اگلے روز احسان صاحب کے گھر تقریب تھی۔ احتشام چچا اور عارفہ چچی غزنوی کو انگوٹھی پہنانے آرہے تھے' ان کے ساتھ بھی قریبی عزیز اور رشتے داروں کا ایک ہجوم تھا۔ اس روز فارینہ پر نگاہ پڑتے ہی غزنوی کو ایک جرم کا سا احساس ہونے لگا۔ تقریب کے دوران غزنوی نے کئی بار چور نگاہوں سے فارینہ کے چہرے کا جائزہ لیا وہ اس کے تاثرات کا اندازہ لگانے کی کوشش کررہے تھے۔ مگر فارینہ بظاہر بہت پر سکون تھی۔

اس روز غزنوی کے سوچنے کا انداز بہت مختلف تھا۔ مہمانوں کے جانے کے بعد گھر میں سناٹا چھا گیا۔ یاسر کی بہن بینن اور انیسہ خالہ کو نفیسہ بیگم نے روک لیا تھا۔ ان کی بھاوج بلقیس بیگم بھی ایک روز پہلے سے ہی ان کے یہاں ٹھہری ہوئی تھیں۔

غزنوی اس روز خوش تو بہت تھے۔ لیکن اس روز انہوں نے جب اپنے اور شفق کے بارے میں سوچا تو ایک اور چہرے کے نقوش ان کی نگاہوں کے سامنے واضح ہوگئے اور وہ چہرہ تھا فارینہ کا۔

وہ پریشان تھے۔
فارینہ انہیں اس قدر ڈسٹرب کررہی تھی۔
انہوں نے سوچا۔
میں نے تو فارینہ کو کبھی چاہا بھی نہیں تھا۔

اسے کبھی کوئی آس بھی نہیں دلائی تھی۔
پھر میں اپنے آپ کو مجرم کیوں سمجھ رہا ہوں؟
ہم سارے لوگ محض اس لئے تو ایک دوسرے سے نہیں ملتے۔ ایک دوسرے
لیے تو نہیں کرتے کہ ایک دن ہم آپس میں شادیاں بھی کر لیں گے
قصور سارا فارینہ کی سمجھ کا ہے۔
انہوں نے ایک بار پھر ارادہ کیا۔
وہ فارینہ کو سمجھائیں گے
اسے مجبور کریں گے کہ وہ شادی کر لے' اپنا گھر آباد کر لے
آخر وہ کیوں ان کی خاطر اپنی زندگی ویران کئے بیٹھی ہے۔
وہ خوش شکل ہے
قابل ہے ذہین ہے
بہتر سے بہتر شخص اس کی رفاقت میں اپنے آپ کو خوش قسمت تصور کرے گا۔
غزنوی نے فارینہ سے بات کرنے کا ارادہ تو کر لیا تھا۔
ایک بار پہلے بھی وہ فارینہ سے اس موضوع پر بات کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے لیکن
دنوں ان کی اپنی زندگی آس اور نراس کے رنگوں میں الجھی ہوئی تھی۔
وہ صرف سوچ کر رہ گئے۔
فارینہ سے کچھ کہہ بھی نہ سکے۔
اگلے روز غزنوی آفس پہنچے تو بے اختیار ان کا دل چاہا۔ وہ شفق کو ٹیلی فون کریں
معلوم تھا کہ وہ یونیورسٹی نہیں گئی ہوگی۔ ٹینا نے انہیں کل ہی بتا دیا تھا لیکن رسٹ
نظر پڑتے ہی انہوں نے سوچا
نہیں اتنی صبح مناسب نہیں۔
اور کیا خبر؟ چھٹی کرنے کی وجہ سے وہ ابھی تک سو رہی ہو
معلوم نہیں ٹیلی فون کون اٹھائے۔
اگر کہیں عارفہ چچی نے ہی فون ریسیو کر لیا تو وہ ان سے کیا کہیں گے وہ میری بے
شوق پر دل ہی دل میں ضرور ہنسیں گی۔ خواہ مخواہ ہی شرمسار ہونا پڑے گا۔
غزنوی اپنے آپ کو سمجھا کر کام میں مصروف ہو گئے۔ پھر انہیں کسی بات کا ہوش
رہا۔
دوپہر کو فون کی گھنٹی بجی تو غزنوی نے فائل پر سے نگاہیں ہٹائے بغیر ریسیور اٹھا کر کان
لگا لیا۔
"ہیلو"

غزنوی کی آواز قدرے مدھم تھی۔
لیکن دوسری طرف سے فون کرنے والے کی آواز سن کر غزنوی کے چہرے کا رنگ بدل
گیا۔
ہونٹوں پر خود بخود مسکراہٹ تیر گئی۔
انہیں توقع نہیں تھی کہ شفق خود ہی انہیں ٹیلی فون کرے گی۔
"شفق تم..؟"
غزنوی کی آواز میں حیرت نمایاں تھی۔
"جی' اس قدر حیران کیوں ہو رہے ہیں؟"
"تمہاری مہربانی پر؟ تم نے مجھے فون کیا' یہ مہربانی ہی تو ہے۔"
شفق خاموش رہی۔
"فون کرنے کا کوئی خاص سبب؟"
غزنوی نے پوچھا۔
"نہیں..."
"پھر...؟"
"بس آج یونیورسٹی نہیں گئی' بور ہو رہی تھی سوچا۔ آپ ہی سے بات کر لوں۔"
"اچھا دل و دماغ کی کیا کیفیت ہے؟"
"نہیں بتاؤں گی"
"کیوں؟ مجھ سے بھی رازداری؟"
"رازداری تو نہیں۔"
"پھر کیوں نہیں بتاؤ گی؟"
"گھر آئیں گے تو بتاؤں گی۔"
"مجھے معلوم ہے تم جب بھی نہیں بتاؤ گی"
"شاید بتانے کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی۔"
"اچھا! وہ کیوں؟"
"آپ مجھے دیکھیں گے تو خود ہی اندازہ ہو جائے گا۔"
"میں آ تو جاؤں' لیکن سوچتا ہوں گھر کے سارے لوگ کیا سوچیں گے"۔
"یہی سوچیں گے نا! کہ آپ مجھ سے ملنے کے لئے کس قدر بے تاب ہیں؟"
شفق نے کہا تو غزنوی ہنس پڑے پھر بولے۔
"پہلے کبھی تم نے مجھ سے اس قدر فری ہو کر باتیں نہیں کیں۔"
"پہلے کی بات اور تھی۔"

"اب کیا ہو گیا؟"
"اب آپ نے مجھے قید کر لیا ہے۔"
"میں نے قید کر لیا ہے۔"
"جی۔ چڑیا پنجرے میں قید ہوتی ہے اور مجھے آپ نے [illegible] میں قید کر لیا ہے۔"
شفق نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔
"نہیں شفق! میں اسیر کرنے والوں میں سے نہیں ہوں بلکہ خود اسیر ہو جانے والوں سے ہوں۔"
"اس کا مطلب ہے میں اب بھی آزاد ہوں؟"
"ہاں کیوں نہیں؟"
"اور جب چاہوں اڑ سکتی ہوں؟"
شفق مسکرائی۔
"تم کیسی باتیں کر رہی ہو شفق؟"
"اب سے دو روز پہلے تک میں اپنے آپ کو بالکل آزاد محسوس کرتی تھی لیکن اب۔"
وہ ایک لمحے کے لئے رکی۔
"اور اب؟"
غزنوی نے بے تابی سے پوچھا۔
"اب مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میں ایک چھوٹی سی چڑیا ہوں جس کے پر کاٹ دیئے گئے ہوں۔ اڑنے سے محروم کر دیا گیا ہو۔"
"تم.... تم خوش نہیں ہو شفق؟"
"ناخوش بھی نہیں ہوں لیکن آپ پریشان نہ ہوں۔ یہ جو باتیں میں کر رہی ہوں ان کی وجہ شاید امی کی وہ ڈھیر ساری نصیحتیں ہیں جو وہ تین روز سے مسلسل مجھے کئے جا رہی ہیں۔"
غزنوی ریسیور کان سے لگائے گہری سوچ میں ڈوب گئے۔
"تو پھر آج آپ آئیں گے؟" شفق نے پوچھا۔
"ہوں؟" غزنوی چونک گئے۔
"آپ کیا سوچ رہے تھے؟" شفق نے پوچھا۔
"کچھ نہیں۔ کچھ بھی تو نہیں"
"نہیں، میں نہیں مانتی۔"
"اچھا تو پھر انتظار کرو۔"
"کس بات کا انتظار؟"
"تمہارے بارے میں جو کچھ سوچ رہا تھا، وہ شام کو آ کر بتاؤں گا۔"

"اتنا انتظار کروائیں گے؟"
"ہاں، تم نے بھی بہت انتظار کروایا تھا۔"
"کس بات کے لئے؟"
"میں نے تم سے اپنی اور میری زندگی کے بارے میں فیصلہ کرنے کو کہا تھا، یاد ہے تم نے کتنے دن لگا دیئے تھے؟"
شفق ہنس پڑی اور خدا حافظ کہہ کر ٹیلی فون بند کر دیا۔
غزنوی اس روز شفق کے گھر پہنچے تو شفق انہیں باہر لان میں ہی نظر آ گئی۔ انہوں نے سوچا۔
"کیا وہ میری منتظر ہے؟"
وہ غزنوی کو دیکھ کر مسکرائی۔
پہلے جب کبھی غزنوی احتشام چچا کے گھر جاتے تھے تو شفق عموماً "اندر ہی ہوتی تھی۔ بہت دیر تک سامنے بھی نہیں آتی تھی اور جب سامنے آتی تھی تو چہرے پر سنجیدگی کا خول چڑھائے ہوئے۔
شفق میں یہ خوشگوار تبدیلی غزنوی کے دل کو اچھی لگی۔
شفق کے گھر آتے ہوئے سارے راستے غزنوی کے احساسات بڑے عجیب سے تھے کبھی وہ سوچتے۔
واپس لوٹ جائیں، دو چار روز بعد شفق سے ملنے کے لئے آئیں۔
احتشام چچا اور چچی کا خیال آتے ہی وہ دل ہی دل میں شرمسار ہو جاتے۔
وہ لوگ میرے بارے میں کیا سوچیں گے
اس قدر بے تابی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہئے تھا
کیا حرج ہے اگر میں دو چار روز صبر کر لیتا شفق سے نہ ملتا اس سے فون پر بات تو ہو ہی گئی تھی۔
انہوں نے دل ہی دل میں دعا کی۔
"کاش اس وقت گھر میں سوائے شفق کے اور کوئی نہ ہو
کسی کو بھی میرے آنے کے بارے میں معلوم نہ ہو سکے۔"
انہوں نے شفق کے قریب جا کر آہستہ سے پوچھا۔
"گھر میں کوئی ہے تو نہیں؟"
"کیوں؟ کیا آپ چاہتے ہیں کہ گھر میں کوئی نہ ہو؟"
"ہاں"
"لیکن اس وقت سبھی لوگ گھر میں موجود ہیں۔" شفق نے مسکرا کر کہا۔

"یہ تو برا ہوا' میں یہیں سے گھر واپس لوٹ جاتا ہوں۔"
"کوئی کچھ نہیں کہے گا۔ آپ خواہ مخواہ پشیمان ہوئے جا رہے ہیں۔"
اسی وقت ٹینا باہر نکل آئی اور غزنوی کو دیکھ کر اس نے وہیں سے نعرہ لگایا۔
"امی غزنوی بھائی آئے ہیں۔"
غزنوی مسکرا کر بولے۔
"اب تو واپس جانے کا چانس بھی نہیں رہا۔"
"اندر چلئے نا غزنوی بھائی! یہاں کیوں کھڑے ہیں؟" ٹینا نے قریب آکر کہا۔
"باہر ہی بیٹھنے کا موڈ ہے اس وقت۔"
غزنوی نے لان میں پڑی ہوئی کرسیوں کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔
احتشام چچا اور عارفہ چچی کے باہر آنے سے پہلے ہی شفق اندر چلی گئی
پھر بڑی دیر تک غزنوی کو شفق سے بات کرنے کا موقع نہ ملا احتشام چچا اور چچی اٹھ کر اندر گئے تو غزنوی نے ٹینا سے پوچھا۔
"کیا اب تمہاری آپی پردہ کریں گی مجھ سے؟"
"نہیں' پردہ کیوں کریں گی؟ ابھی بھیجتی ہوں انہیں۔"
شفق برآمدے اور لان کی لائٹ جلا کر غزنوی کے پاس آئی تو غزنوی نے کہا۔
"اگر مجھے تمہارے اس پروگرام کا علم ہوتا تو میں تم سے وعدہ نہ کرتا۔"
"کیسا پروگرام اور کونسا وعدہ؟"
"یہی کہ نہ تم سامنے آؤ گی اور نہ مجھ سے بات کرو گی۔ تو میں تمہاری یہ شرط ہرگز نہ مانتا کہ شادی تمہارے ایم اے کرنے کے بعد ہوگی۔"
"لیکن میں تو آپ کے سامنے بھی آ گئی ہوں اور آپ سے بات بھی کر رہی ہوں۔"
شفق نے غزنوی کے سامنے والی چیئر پر بیٹھے ہوئے کہا۔
غزنوی چند سیکنڈ تک خاموش بیٹھے شفق کی طرف دیکھتے رہے پھر بولے۔
"فون پر تم کیسی باتیں کر رہی تھیں؟"
"ویسی ہی جیسی ہمیشہ کرتی ہوں۔"
"تمہارے ذہن میں یہ خیال کیوں آیا کہ میں نے تم سے انگیجمنٹ کے بعد تمہیں قید کر لیا ہے؟"
غزنوی نے پوچھا۔
"پہلے جیسی آزادی جو باقی نہیں رہی۔"
"اچھا تو تم آزادی چاہتی ہو؟"
"نہیں' بہرحال آزادی اچھی چیز ہوتی ہے۔ یہ آپ تو مانیں گے ہی نا؟"

"آزادی سے کیا مراد ہے تمہاری؟"
"میرا مطلب ہے کوئی روک ٹوک نہ ہو' کوئی پابندی نہ ہو جو دل چاہا کیا' جہاں دل چاہا چلے گئے' جب دل چاہا سو گئے جب دل چاہا اٹھ گئے۔"
شفق نے مسکراتے ہوئے بڑے اطمینان سے کہا۔
غزنوی نے کہا۔
"ایسی آزادی تو لڑکیوں کو شادی سے پہلے بھی حاصل نہیں ہوتی کہ جہاں اور جب دل چاہا چلی گئیں۔"
"مجھے تو ایسی آزادی حاصل ہے۔"
شفق نے بڑے فخر سے کہا۔
"اچھا حیرت ہے مجھے۔" غزنوی نے کہا
"کیوں؟ اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔"
"چچا جان اور چچی جان اس قسم کے خیالات کے لوگ معلوم تو نہیں ہوتے۔"
"وہ بیشک ان خیالات کے نہ ہوں لیکن میں نے تو اتنی آزادی حاصل کر رکھی ہے۔"
"بے جا ضد کا مظاہرہ کر کے حاصل کی ہوگی۔"
"اب آپ جو سمجھ لیں۔"
"مگر یہ تو کوئی اچھی بات نہیں ہے۔"
شفق نے حیرت زدہ نگاہوں سے غزنوی کی طرف دیکھا اور بولی۔
"ارے میں تو آپ کو بڑا وسیع النظر سمجھتی تھی۔"
غزنوی نے گفتگو کا رخ بدلنے کی خاطر کہا۔
"چھوڑو' کوئی اور بات کرو۔ تم مجھے ستانے کے لئے جان بوجھ کر ایسی باتیں کر رہی ہو۔"
"میں حقیقت بیان کر رہی ہوں' میں ایسی ہی لڑکی ہوں۔"
"یعنی بالکل آزاد؟"
"جی' اور بے جا روک ٹوک وقت بے وقت پابندیاں مجھے پسند نہیں۔"
"لیکن بقول تمہارے تم اب قید ہو چکی ہو۔ تمہارے پر کاٹ دیئے گئے ہیں۔"
"ہاں مگر میرا خیال ہے آپ ایسے تو نہیں ہوں گے۔"
"کیسے.....؟"
"بے جا پابندیاں لگانے والے۔ بلاوجہ روک ٹوک کرنے والے۔"
"ہاں' لیکن ضرورت سے زیادہ آزادی کے حق میں بھی نہیں ہوں۔"
اسی وقت ٹینا وہاں آ گئی بات درمیان میں ہی رہ گئی لیکن غزنوی کچھ الجھ کر رہ گئے۔
رات کو جب تک وہ جاگتے رہے شفق کے بارے میں ہی سوچتے رہے۔

انہوں نے سوچا۔
شفق کیسی باتیں کررہی تھی۔
آج سے پہلے تو اس نے اپنے خیالات کا اظہار نہیں کیا تھا۔
پھر غزنوی نے یہ سوچ کر اپنے دل کو تسلی دے لی۔
شاید اس کا ذہن ابھی ناپختہ ہو
گھر میں اس کا لاڈ پیار بھی بہت ہوتا ہے۔
سمجھانے سے سمجھ جائے گی۔
میں خواہ مخواہ پریشان ہو رہا ہوں۔ کوئی بات کہنے اور اس پر عمل کرنے میں بہت فرق ہے

ہو سکتا ہے وہ جو کچھ کہہ رہی تھی اس پر عمل نہ کرے۔
غزنوی قدرے مطمئن ہو کر سو گئے۔ اور اس کے بعد وہ شفق سے کئی دفعہ ملے۔ شفق
نے پھر کبھی اس دن والی باتوں کو نہیں دہرایا۔ غزنوی کے دل کو مزید اطمینان ہو گیا ورنہ اس
روز شفق کی باتیں سن کر وہ خاصے فکر مند ہو گئے تھے۔
ایک شام وہ نائلہ کو ساتھ لے کر شفق کے گھر گئے تو شفق کہیں جانے کے لئے تیار تھی۔
پوچھنے پر معلوم ہوا کہ اس کی کسی سہیلی کے گھر کوئی فنکشن ہے۔ غزنوی کو امید تھی کہ وہ اپنا
پروگرام کینسل کر دے گی۔
ان کی خاطر نہ سہی نائلہ کا خیال کر کے ہی وہ فنکشن میں نہ جاتی۔
نائلہ نے ازراہ مذاق کہا بھی۔
"اب تو آپ اپنا پروگرام کینسل کریں گی۔"
"نہیں بھئی' میں فنکشن تو ضرور اٹینڈ کروں گی۔"
"اب تو مابدولت بھی آ گئے ہیں۔ پھر بھی؟"
نائلہ مذاق کے ہی موڈ میں تھی۔
"تم ٹینا کے ساتھ گپ شپ کرو۔"
نائلہ نے شرارت آمیز لہجے میں کہا "اور بھائی جان....."
"ان کو کمپنی دینے والے عاصم اور روکی ہیں' ابو بھی ہیں۔"
"فرض کیجئے کہ وہ آپ سے باتیں کرنے آئے ہوں تو؟"
"اس وقت تو میں معذرت چاہوں گی۔" شفق نے کہا۔
اس کا لہجہ خاصا خشک تھا۔
اور کسی نے تو چاہے محسوس بھی نہ کیا ہو لیکن غزنوی کو شفق کے رویئے سے بڑی تکلیف
پہنچی۔ تکلیف سے بھی زیادہ شرمندگی کا احساس تھا اگر نائلہ ان کے ساتھ نہ ہوتی تو شاید

انہیں شفق کا فنکشن اٹینڈ کرنے کے لئے جانا اتنا محسوس نہ ہوتا۔
اور شفق چلی گئی۔
غزنوی زیادہ دیر وہاں نہیں رکے' نائلہ کو وہیں چھوڑ کر وہ باہر کی طرف چلے گئے۔ نائلہ
کہتی بھی رہی کہ میں بھی ساتھ چلتی ہوں ورنہ مجھے لے جانے کے لئے آپ کو پھر چکر لگانا
پڑے گا۔ لیکن غزنوی نے سوچا وہ خود تو بور ہوئے ہی ہیں نائلہ کو کیوں بور کریں' وہ ویسے ہی
گھر سے ذرا کم نکلتی تھی۔
غزنوی یاسر کے گھر پہنچے تو فارینہ اپنی امی کے ساتھ وہاں آئی ہوئی تھی۔ غزنوی اسے دیکھ
کر چونکے اور فارینہ کے چہرے کا رنگ بھی انہیں دیکھ کر ایک لمحے کے لئے بدل گیا۔
یاسر غزنوی کو دیکھ کر مسکرائے۔
"کہیے شہزادے صاحب! آج کیسے فرصت مل گئی آپ کو۔"
"تم اپنی بات کرو۔"
"اپنی بات کیا کروں۔"
"گھر پہ آؤ تو ملتے نہیں' فون کرو تو تمہارا پتہ نہیں ہوتا اور میرے گھر کا راستہ تو تم بھول ہی
چکے ہو۔"
"بس! یا اور کچھ۔"
"پہلے تم اس معاملے کو صاف کرو! اور کچھ بعد میں کہہ لوں گا۔"
"اسے اتفاق ہی سمجھو' اس روز تم نے آفس فون کیا تو میں ذرا دیر پہلے ہی سیٹ سے اٹھ
گیا تھا بینک میں کوئی ضروری کام تھا۔"
"اور گھر سے کہاں غائب تھے۔"
"اس روز میں ماموں جان کی طرف گیا تھا۔ امی کئی روز سے کہہ رہی تھیں کہ تمہارے
ماموں جان کی طبیعت خراب ہے انہیں دیکھ آؤ۔"
"اچھا پھر ٹھیک ہے۔"
"تمہیں تو توفیق نہیں ہوتی کہ جا کر اپنے ماموں کو دیکھ لو۔"
یاسر نے انہیں چھیڑا۔
"میں تم سے پہلے ہی انہیں دیکھ کر آیا تھا۔"
"اس کے بعد تو گئے نہیں ہو گے تم؟"
یاسر نے پھر ان کی ٹانگ لینے کی کوشش کی۔
"کل بھی گیا تھا اب وہ ٹھیک ہیں البتہ تمہاری شکایت کر رہے تھے کہ یاسر نے ایک دفعہ
بھی شکل نہیں دکھائی۔"
یاسر نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔

"کیا کروں یار فرصت ہی نہیں ملتی۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا آخر تمہاری کیا مصروفیات ہیں۔"

"اطمینان رکھو' میری مصروفیات اس قسم کی ہرگز نہیں ہیں جیسی کہ خفیہ مصروفیات پچھلے چند ماہ تمہاری رہی تھیں۔"

یا سر نے غزنوی پر چوٹ کی تو غزنوی پشیمان ہو گئے۔

پھر یا سر کے گھر ہی میں غزنوی کو چند منٹ کے لئے تنہائی میں فارینہ سے بات کرنے کا موقع ملا تو غزنوی نے کہا۔

"تم نے ہماری طرف آنا بالکل ہی چھوڑ دیا ہے فارینہ!"

فارینہ کو شاید غزنوی سے اسی سوال کی توقع تھی۔

اس نے فوراً کہا۔

"اور خود آپ کتنا آئے ہیں ہمارے گھر؟"

غزنوی کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہیں تھا وہ ایک سیکنڈ تو خاموش رہے پھر بولے۔

"اچھا میں آؤں گا۔ بولو آجاؤں؟"

"یہ مجھ سے پوچھنے کی بات ہے یا آپ کے دل کے چاہنے کی؟"

غزنوی ایک دفعہ پھر لاجواب ہو گئے۔

فارینہ نے کہا۔

"کوئی زبردستی یا جبر والی بات تو نہیں ہے جب آپ کا دل چاہے آجائیں۔"

"اچھا میں آؤں گا مگر یہ نہ ہو کہ میں آؤں اور تم یا تو گھر میں ہی نہ ملو یا اگر گھر میں ہو بھی تو سامنے نہ آؤ۔"

فارینہ نے کہا۔

"میرے گھر میں موجود رہنے یا سامنے آنے کی شرط کیوں لگا رہے ہیں؟ گھر میں دوسرے لوگ بھی تو ہوں گے آپ ان سے بات کیجئے گا۔"

"نہیں مجھے تم سے بات کرنی ہے۔"

"کوئی خاص بات؟"

"ہاں بہت خاص بات؟"

"حیرت ہے"

"کس بات پر"

"مجھ سے بھی خاص باتیں کرسکتے ہیں آپ؟"

فارینہ کے ہونٹوں پر مدہم سی طنزیہ مسکراہٹ تھی

غزنوی نے خشمگیں نگاہوں سے اس کی طرف [illegible]

کے باہر قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ غزنوی خاموش ہو گئے۔

فارینہ کو اندازہ تھا کہ غزنوی اس سے کیا بات کرنا چاہتے ہیں وہ چاہتی تھی کہ غزنوی اس موضوع کو نہ چھیڑیں تو بہتر ہے۔ اسے اس بات کی خواہش نہیں تھی کہ غزنوی اس کے گھر آئیں۔

لیکن اگلے روز غزنوی آگئے۔ خواہش نہ ہونے کے باوجود فارینہ کو غزنوی کا انتظار تھا۔ ساری شام یونہی گزر گئی۔ سورج غروب ہو گیا۔ چمپا کے درخت کی اوٹ سے شام کا ستارہ جھلملانے لگا۔ فارینہ نے گھر میں کسی سے بھی ذکر نہیں کیا تھا کہ غزنوی نے آنے کے لئے کہا ہے جب غزنوی آئے تو فارینہ بھی اندر ہی جا رہی تھی کہ غزنوی کی گاڑی کا ہارن سنائی دیا۔ اس نے پلٹ کر گیٹ کی طرف دیکھا اور وہیں ٹھہر گئی۔

غزنوی گاڑی لاک کر کے اس کے قریب چلے آئے۔

"سوری! مجھے دیر ہو گئی۔" غزنوی نے کہا۔

فارینہ خاموش رہی۔

"انتظار کر رہی تھیں میرا؟"

"نہیں....."

فارینہ نے فوراً جھوٹ کا سہارا لیا۔

"اچھا"

غزنوی نے بڑی گہری نظروں سے اس کے چہرے کا جائزہ لیا اور بولے۔

"جھوٹ بولنے کا سلیقہ نہیں تو جھوٹ کیوں بولتی ہو؟"

"کیسا جھوٹ؟ میں کیوں جھوٹ بولوں گی۔"

"اسے کہتے ہیں جھوٹ پر جھوٹ۔"

غزنوی مسکرائے۔

فارینہ نے پشیمان ہو کر منہ دوسری طرف کر لیا۔

"اگر تمہیں انتظار تھا تو اس کا اعتراف کر لینے میں کیا حرج ہے۔"

"آپ اس بات کو یہیں ختم نہیں کرسکتے؟"

"اچھا چلو جانے دو۔ یہیں باہر بیٹھیں یا اندر جانے کا ارادہ ہے؟" غزنوی نے کہا۔

"میں تو اندر جا رہی تھی۔ آپ باہر بیٹھنا چاہتے ہیں تو یہیں سہی۔"

"کیا بات ہے بڑی خاموشی ہے گھر میں۔"

"گھر میں کوئی نہیں ہے سوائے میرے اور امی کے۔"

"اب بات کرنے میں ذرا سہولت رہے گی۔"

"ایسی کون سی بات کرنی ہے آپ کو مجھ سے۔" فارینہ نے انجان بن کر کہا۔

"معلوم ہو جائے گی پہلے ایک کپ چائے پلاؤ۔"
"آپ بیٹھئے میں ابھی چائے کے لئے کہہ کر آتی ہوں۔"
غزنوی نے کچھ سوچ کر چائے پینے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور بولے۔
"اچھا رہنے دو' چائے بعد میں پی لوں گا۔"
"کیوں؟ زیادہ دیر تھوڑی لگے گی چائے تیار ہونے میں۔"
"میں چاہتا ہوں خالہ جان کی نماز ختم ہونے سے پہلے ہی میں تمہارے دماغ کی چو درست کردوں۔" غزنوی کے ہونٹوں پر مدہم سی مسکراہٹ تھی۔
"میرے دماغ کو کیا ہوا؟"
"یہاں سامنے بیٹھو تو بتاؤں۔"
فارینہ ان کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔
"جی فرمایئے۔"
غزنوی چند سیکنڈ تک فارینہ کی جھکی ہوئی پلکوں کی طرف دیکھتے رہے پھر بولے۔
"تمہیں اپنے مستقبل کے بارے میں کوئی فکر نہیں؟"
"آپ میرے مستقبل کے بارے میں اس قدر فکر مند کیوں ہو رہے ہیں۔" فار مسکرائی۔
"میں سنجیدہ گفتگو کر رہا ہوں' فارینہ۔ بات کو مذاق میں مت ٹالو۔"
"میں بھی مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔"
"مجھے معلوم ہے کہ تم کئی اچھے رشتوں کو ریجیکٹ کر چکی ہو۔ آخر تم ایسا کیوں کر ہو؟"
"میرا شادی کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔"
"کیوں؟ اس قدر غلط سوچ تمہارے ذہن میں کیوں پرورش پا رہی ہے؟"
"زندگی کا مقصد شادی کرلینا ہی تو نہیں ہے۔"
"بے شک یہ زندگی کا مقصد نہ ہو لیکن میرے نزدیک شادی ایک ضروری چیز ہے خا لڑکیوں کے لئے۔"
"میرا انداز فکر بالکل جدا ہے۔"
"دیکھو فارینہ! ابھی تمہارے سر پر ماں' باپ کا سایہ ہے لیکن اس حقیقت سے تم ا نہیں کرسکتیں کہ ماں' باپ ہمیشہ زندہ نہیں رہیں گے اس وقت تمہیں اپنی غلطی کا احسا ہوگا۔"
"میں کسی کی محتاج تو نہیں ہوں جو بعد میں مجھے بھائیوں' بھاوجوں کے بدلے ہوئے رو کی فکر ہو۔"

"انسان کو جذباتی ہو کر نہیں سوچنا چاہئے۔ حقیقت کو بھی سامنے رکھنا چاہئے۔" غزنوی نے کہا۔
فارینہ سخت بے زاری کے عالم میں خاموش بیٹھی رہی۔
"میری سمجھ میں نہیں آتا۔ آخر کوئی شخص تمہیں کیوں پسند نہیں آتا؟" غزنوی نے کہا۔
فارینہ نے بے حد چڑ کر کہا۔
"بس نہیں پسند آتا کوئی زبردستی ہے؟"
"زبردستی تو خیر نہیں ہے لیکن پسند نہ آنے کی کوئی وجہ بھی ہونی چاہئے۔"
"ضروری نہیں کہ ہر بات کی کوئی نہ کوئی وجہ بھی ہو۔"
"ہاں یہ ضروری ہے۔"
"آپ کو اگر بات کرنے ہے تو کوئی اور بات کیجئے۔"
"لیکن میں خاص طور سے اس موضوع پر بات کرنے آیا ہوں۔"
غزنوی' فارینہ کی پیشانی پر ابھرنے والی شکنوں کو دیکھ کر زیر لب مسکرائے۔
فارینہ سر جھکائے سوچوں میں ڈوبی بیٹھی رہی۔
غزنوی چند سیکنڈ تک خاموش بیٹھے اس کی طرف دیکھتے رہے پھر بولے۔
"تم بات نہیں کرو گی؟ میں چلا جاؤں؟"
"میں نے کب کہا کہ میں آپ سے بات نہیں کرنا چاہتی۔"
"پھر جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس کو سنجیدگی سے سنو اور اس پر عمل کرو۔"
فارینہ نے پھر بے زار نگاہوں سے غزنوی کی طرف دیکھا۔
غزنوی نے ناصحانہ انداز میں کہا۔
"وقت بڑی قیمتی چیز ہے اسے اس طرح گنوا دینا کہاں کی عقلمندی ہے۔"
"آپ نے یہ اندازہ کس طرح لگایا کہ میں اپنی زندگی گنوا رہی ہوں۔"
"مجھ سے وعدہ کرو کہ اب جب بھی تمہارے لئے کوئی اچھا پروپوزل آیا تو تم انکار نہیں کرو گی۔"
فارینہ کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا۔ اس نے بڑی سختی سے کہا۔
"میں ایسا کوئی وعدہ نہیں کرسکتی آپ سے۔"
غزنوی اپنی ہی کہے گئے۔
"بلکہ میں سوچتا ہوں کہ خود میرے دوستوں میں بھی دو ایک ایسے ہیں جو ہر لحاظ سے تمہارے لئے موزوں ہوں گے۔"
"خدا کے لئے غزنوی چپ ہو جایئے' چپ ہو جایئے۔"
فارینہ چیخ پڑی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو امنڈ آئے۔ وہ غزنوی کو وہیں بیٹھا چھوڑ کر اندر

چلی گئی۔
غزنوی نے پریشان ہو کر کرسی کی پشت سے سر ٹیک دیا وہ گہری سوچوں میں ڈوبے بیٹھے تھے جبھی فارینہ کی امی صفیہ بانو آ گئیں۔
"ارے! غزنوی بیٹے!" انہوں نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔
"آداب خالہ جان!" غزنوی احتراماً کھڑے ہوئے۔
"جیتے رہو۔ تم کب آئے؟"
"تھوڑی دیر ہوئی۔"
"اکیلے بیٹھے ہو؟"
"نہیں فارینہ ابھی اٹھ کر اندر گئی ہیں۔"
"چائے بھی پلائی فارینہ نے یا صرف باتیں ہی کرتی رہی۔"
"چائے کے لئے میں نے خود منع کر دیا تھا۔"
"چلو خیر، تھوڑی دیر بعد کھانا کھا لینا۔"
"کھانا میں گھر جا کر ہی کھاؤں گا۔"
"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ ایک تو تم اتنے دنوں بعد آئے ہو پھر کھانا، نہ چائے۔"
"پھر کسی روز آ کر کھا لوں گا کھانا۔" غزنوی نے کہا۔
لیکن صفیہ بانو نہ مانیں۔ غزنوی باہر ہی بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ کچھ دیر بعد فارینہ کی بہنیں اور بھائی آ گئے۔ غزنوی ان کے گھر خاصے دنوں بعد آئے تھے سب غزنوی کو دیکھ کر اس طرح خوش ہوئے جیسے چاند نکل آیا ہو۔ فارینہ پھر اسی وقت سامنے آئی جب سب کھانے بیٹھے۔ غزنوی نے دیکھا وہ بالکل خاموش تھی.... وہ اس کے لئے پریشان تھے۔
معلوم نہیں کیا بات تھی آج شفق سے ملنے کے باوجود غزنوی کا دل بجھا بجھا سا تھا؟
وہ پھر احمق لڑکی کو سمجھائیں گے۔
انہوں نے سوچا۔
وہ اپنی زندگی برباد کر رہی ہے اور اس کا سبب خود ان کی ذات ہے۔
فارینہ سے ملنے کے بعد۔ دو تین دن تک غزنوی بہت بے چینی اور بے کلی سے محسوس کرتے رہے۔ وہ شفق سے ملنے کے لئے بھی نہیں جا سکے۔ انہوں نے شفق کو فون بھی نہیں کیا۔ وہ تو خود اس بات کے منتظر تھے کہ شفق انہیں فون کرے گی۔
اس روز غزنوی کے سامنے شفق نے جس سلوک کا مظاہرہ کیا تھا اس کے بعد سے غزنوی نے سوچ لیا تھا کہ روز روز احتشام چچا کے گھر جا کر شفق کی نظروں میں اپنی قدر و قیمت کم نہیں کریں گے۔ جب شفق نے بھی دو تین دن تک فون نہیں کیا تو غزنوی نے طے کر لیا کہ وہ اس وقت تک شفق سے ملنے نہیں جائیں گے جب تک وہ انہیں خود نہیں بلائے گی۔

اور پھر اتفاق ایسا ہوا کہ جب غزنوی نے فارینہ کو فون کر کے اس سے ملنے کا وقت مقرر کیا تو شفق کا ٹیلیفون آ گیا
غزنوی کا بجھا ہوا چہرہ ایک دم کھل اٹھا۔
"کیسے یاد آ گئی ہماری؟" غزنوی مسکرائے۔
"آپ نے تو یاد بھی نہیں کیا۔"
شفق کی آواز میں شکوہ تھا۔
"اچھا! اگر تم یہ سمجھتی ہو تو یہی سہی۔"
"یعنی آپ اس بات کی تردید یا تصدیق نہیں کریں گے۔"
"ہر موقع پر الفاظ کا سہارا لینا اچھا نہیں لگتا۔"
"ناراض معلوم ہوتے ہیں۔"
"تم سے کوئی ایسی حرکت سرزد ہوئی ہے۔ جس کی وجہ سے تمہیں یہ شبہ ہو رہا ہے؟"
"یاد نہیں، مگر آج آپ کا لہجہ بہت اکھڑا اکھڑا سا ہے۔"
"نہیں، ایسی کوئی بات نہیں۔"
"آپ آئے کیوں نہیں اتنے دنوں سے؟"
"تم نے بلایا بھی تو نہیں۔"
"پہلے میرے بلانے پر آتے تھے آپ؟"
"نہیں، میری بے تابی شوق مجھے وہاں لے جاتی تھی۔"
"اور اب اس بے تابی شوق کا اختتام ہو گیا؟"
"نہیں، ایسی کسی بدگمانی کو جگہ مت دو دل میں۔"
"اصل میں ہوتا یہ ہے غزنوی صاحب! کہ جب تک کوئی چیز حاصل نہیں ہوتی انسان اس کے پیچھے بھاگتا ہے اور جب وہ چیز حاصل ہو جائے تو اس کی قدر و قیمت کم ہو جاتی ہے، اس کی پروا بھی نہیں کی جاتی۔" شفق نے کہا
اس کے لہجے میں طنز تھا۔
غزنوی اس کے طنز پر مسکرائے اور بولے۔
"ٹھیک کہتی ہو، عام طور پر ہوتا یہی ہے لیکن میں ایسے لوگوں میں شامل نہیں ہوں، میں جو کچھ ہوں، جیسا ہوں، اس کا اندازہ وقت کے ساتھ ساتھ تمہیں خود ہو جائے گا۔"
"آج آپ بہت سیریس ہو رہے ہیں، چھوڑیئے اس ذکر کو جانے دیجئے۔ یہ بتایئے آج شام آپ آئیں گے؟"
"نہیں، ویری سوری شفق! آج شام میں نہیں آ سکتا۔"
"کیوں؟ کوئی خاص کام ہے؟"

"ہاں، آج میں نے کسی کو وقت دے رکھا ہے۔"
"کون ہے وہ؟"
"ایک دوست ہے۔"
"اچھا، پھر کل تو آئیں گے؟"
"ہاں، کل آجاؤں گا۔"
"اچھا، پھر فون بند کردوں؟"
"اگر باتیں کرنے کا موڈ نہیں ہے تو بند کردو۔"
"خدا حافظ۔" شفق نے کہا۔
غزنوی کو محسوس ہوا کہ خدا حافظ کہتے ہوئے شفق کا لہجہ بہت بجھا بجھا سا تھا۔
غزنوی نے سوچا۔
شاید اسے یہ توقع ہوگی کہ میں اس کے بلانے پر فوا" آنے کے لئے اقرار کرلوں گا
بند کرنے کے لئے پوچھے گی تو میں کچھ دیر اور باتیں کرنے پر اصرار کروں گا۔
لیکن اسے کیا معلوم کہ میں نے اپنے آپ کو سمجھا لیا ہے۔ میں اپنے آپ کو
نگاہوں میں گرنے نہیں دینا چاہتا۔
غزنوی کچھ دیر میز پر جھکے ہوئے کاغذ پر آڑی ترچھی لکیریں بناتے رہے اور شف
بارے میں سوچتے رہے۔
پھر انہوں نے اپنے سامنے رکھی ہوئی فائل کھولی اور کام میں مصروف ہوگئے۔
کوئی اور پروگرام ہوتا تو غزنوی شاید کینسل بھی کردیتے لیکن فارینہ سے آج ملنا
تھا۔
کس مشکل سے تو وہ ان سے ملنے پر رضامند ہوئی تھی۔
غزنوی چاہتے تھے کہ وہ فارینہ سے ایسے وقت ملیں جب گھر میں کوئی اور نہ ہو۔
وہ اس سے تفصیلی گفتگو کرنا چاہتے تھے۔ اسے سمجھانا چاہتے تھے۔ لیکن سب کے
ہوئے یہ ممکن نہیں تھا۔
گزشتہ روز ہی غزنوی کو اپنی امی نفیسہ بیگم سے معلوم ہوا تھا کہ فارینہ کی ای
بہنیں فارینہ کی پھوپھی زاد بہن کی شادی میں شرکت کے لئے حیدر آباد گئے ہیں۔
ایک بھائی کرکٹ ٹیم کے ساتھ دوسرے شہر گیا ہوا تھا گھر میں فارینہ اور اس کے
بھائی عرفان رہ گئے تھے بڑی مشکل سے فارینہ نے انہیں وقت دیا تھا۔
اب اگر وہ شفق کے کہنے پر اپنا پروگرام کینسل کرتے تو ایسا موقع جانے کب آتا!
شام کو غزنوی فارینہ کے گھر پہنچے تو فارینہ سے معلوم ہوا کہ عرفان بھائی ذرا دیر کے
گئے ہیں۔

غزنوی نے سوچا۔
چلو! یہ بھی اچھا ہی ہوا ورنہ عرفان کی موجودگی میں بھی بات نہیں کی جاسکتی تھی۔
غزنوی نے محسوس کیا۔ فارینہ ہمیشہ کے مقابلے میں کچھ زیادہ سنجیدہ تھی اور سوگوار بھی۔
غزنوی نے اس کے چہرے پر نگاہیں جماتے ہوئے ایک گہری سانس لی۔
فارینہ نے سرسری انداز سے غزنوی کی طرف دیکھا اور بولی۔
"آپ باہر ہی بیٹھیں گے یا اندر چلیں گے؟"
"جہاں تم بٹھادو۔"
"میں اس لئے پوچھ رہی ہوں کہ ابھی کچھ دیر پہلے ہلکی ہلکی پھوار پڑ چکی ہے۔"
غزنوی نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
"بادل تو اب بھی چھائے ہوئے ہیں۔"
پھر وہ کچھ سوچ کر بولے۔
"اندر ہی بیٹھنا ٹھیک رہے گا۔"
فارینہ غزنوی کے ساتھ ٹی وی لاؤنج میں آگئی اور پردے ایک طرف سرکاتے ہوئے بولی۔
"میں چائے لے کر آتی ہوں۔"
"جلدی آنا، یہ نہیں کہ تم ہی چائے بنانے کھڑی ہوجاؤ۔"
"نہیں، صابر ہے گھر میں، وہی بنائے گا چائے۔"
"ویسی ہی چائے بناتا ہے نا جیسی تم بناتی ہو۔"
"کوشش تو کرتا ہے بیچارا، کبھی کبھی گڑبڑ کردیتا ہے۔"
فارینہ دروازے سے نکلی تو غزنوی نے صوفے کی پشت سے سر ٹیک کر آنکھیں بند کرلیں۔ پھر فارینہ خود ہی چائے بنا کر لے آئی۔
غزنوی نے کہا۔
"تم تو صابر سے چائے کے لئے کہنے گئی تھیں"۔
"جی لیکن پھر میں نے یہ سوچ کر خود ہی چائے بنائی کہ ممکن ہے وہ آپ کی پسند کی چائے نہ بنائے۔" پھر اس نے وال کلاک پر نظر ڈالتے ہوئے کہا
"زیادہ دیر تو نہیں لگائی میں نے۔"
"نہیں۔"
فارینہ جھک کر کپ میں چائے انڈیلنے لگی تو غزنوی نے کہا۔
"اگرچہ تم نے منع کردیا تھا کہ تمہاری شادی کے مسئلے پر کوئی بات نہ کروں لیکن پھر بھی تمہارے ساتھ اس موضوع پر بات کرنا چاہتا ہوں۔"
چائے انڈیلتے ہوئے فارینہ کا ہاتھ ایک دم رک گیا، اس کی سفید چمکتی ہوئی پیشانی پر

شکنیں ابھر آئیں۔ اس نے کچھ کہنا چاہا تو غزنوی نے کہا۔

"تم اپنا کام کئے جاؤ اور غصہ کرنے کے بجائے ٹھنڈے دل و دماغ سے میری بات سـ

فارینہ نے چائے بنا کر ایک کپ غزنوی کو دیا اور دوسرا کپ اٹھا کر قریبی صوفے

گئی۔

غزنوی نے چائے سے اٹھتی بھاپ پر نگاہیں جماتے ہوئے کہا۔

"دیکھو فارینہ! اب اس بات کا ذکر کرنا فضول ہے کہ تمہیں شادی سے انکار کیوا

لیکن..."

غزنوی ایک لمحے کے لئے رکے اور بولے

"میں جو بات تمہیں سمجھانا چاہتا ہوں وہ بس اتنی سی ہے کہ انسان کو وقت اور حالا

ساتھ دینا چاہئے' جو بات نہ ہو سکے' اسے قسمت کا لکھا سمجھ کر قبول کر لینا چاہئے۔"

فارینہ نے چائے کا گھونٹ لے کر کہا۔

"میں نے اس بات کو قسمت کا لکھا سمجھ کر ہی قبول کر لیا ہے۔"

"تو پھر وقت اور حالات کا بھی ساتھ دو۔"

"کیسا وقت؟ کیسے حالات؟ میں یہ سب کچھ نہیں جانتی اور نہ جاننا چاہتی ہوں۔"

"انسان صرف اپنی خاطر ہی زندہ نہیں رہتا' بعض اوقات اسے دوسروں کے لئے بھی

رہنا پڑتا ہے۔"

"معلوم نہیں آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟" فارینہ نے بیزاری سے کہا۔

"میرے کہنے کا مطلب ہے کہ تم نے اپنی زندگی کے بارے میں جو ایک فیصلہ کر رکھا

تمہیں اندازہ ہے اس سے تمہارے گھر والوں کو کتنی تکلیف پہنچتی ہوگی؟"

فارینہ نے غزنوی کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا' سر جھکائے چائے کے چھوٹے چھو

گھونٹ لیتی رہی۔

"گھر والوں کی خوشی کی خاطر تمہیں اپنی سوچوں کا انداز بدلنے کی کوشش کرنی چاہئے۔"

"معاف کیجئے گا میں کسی کی خاطر کچھ بھی کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔" فارینہ کا لہ

تھا۔

"اپنی چھوٹی بہنوں کا خیال کرو' تمہارا یہ انداز فکر ان کے مستقبل پر بھی اثر انداز ہو

ہے۔"

"میں نے گھر والوں سے صاف' صاف کہہ دیا ہے کہ جب جس کا رشتہ آئے اس کی شـ

کروی جائے میری ذات کو درمیان میں نہ لایا جائے' یہ سمجھ لیں کہ اس گھر میں صرف دو

لڑکیاں ہیں۔ تیسری لڑکی کا وجود نہیں ہے۔"

فارینہ نے سخت لہجے میں کہا۔

"حماقت ہے فارینہ! سراسر حماقت ہے۔"

"آپ کے نزدیک یہ حماقت ہی ہوگی۔"

"مجھے تم سے اس پاگل پن کی توقع نہیں تھی۔"

"ٹھیک ہے' نہیں ہوگی' بہتر ہوگا آپ اس موضوع پر مزید گفتگو نہ کریں۔"

"کیوں نہ کروں؟ میں تمہاری زندگی کو برباد ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔"

فارینہ نے الجھ کر کہا۔

"آپ..... آپ آخر کیا چاہتے ہیں؟"

"جو کچھ میں چاہتا ہوں' دس دفعہ کہہ چکا ہوں تم سے۔"

"میں اس پر عمل نہیں کر سکتی۔"

"کیوں نہیں کر سکتیں؟"

"اس لئے کہ میں کسی کو دھوکہ نہیں دے سکتی' کسی کے ساتھ فریب نہیں کر سکتی۔"

"اس میں دھوکے اور فریب کی کیا بات ہے؟"

"یہ سراسر دھوکہ اور فریب ہے غزنوی صاحب! میرا دل اور دماغ جب کسی شخص کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں' میرے جذبات اور احساسات اس کے لئے وہ نہیں ہوں گے جو ہونے چاہئیں تو پھر میں کس طرح اس سے شادی کر سکتی ہوں۔"

"تم نے اپنے دل و دماغ کو سمجھانے کی کوشش بھی تو نہیں کی ہوگی۔"

"میں نے اس کی ضرورت ہی نہیں سمجھی۔"

فارینہ نے خودسری سے کہا۔

غزنوی نے فکر مند ہو کر کہا۔

"اس ساری بحث کا نتیجہ یہ نکلا فارینہ بیگم! کہ میری جگہ آپ کسی دوسرے شخص کو دینے پر ذرا بھی آمادہ نہیں۔"

فارینہ نے ایک سیکنڈ کے لئے غزنوی کی طرف دیکھا اور بولی۔

"آپ میری زبان سے ہی صاف صاف سننا چاہتے ہیں تو سن لیجئے۔ آپ کی جگہ کوئی اور شخص ہرگز نہیں لے سکتا' آپ نہیں تو کوئی دوسرا بھی نہیں۔"

غزنوی کچھ نہیں بول سکے چپ چاپ بیٹھے فارینہ کی طرف دیکھتے رہے۔

ناول کا دوسرا حصّہ

دریا

جو ساگر تھی
وہ دریا ہوئی
پھر بادل بنی
اور بوند رہی

وقت کا بہتا دریا بڑی خاموشی سے رواں تھا' دن' ہفتے' مہینے ایک دوسرے کا تعاقب کرتے ہوئے اس طرح آگے بڑھے جا رہے تھے کہ آہٹ بھی نہیں سنائی دے رہی تھی۔

خزاں آکر گزر گئی تھی زرد سوکھے پتوں کے ڈھیر اب کہیں نظر نہیں آتے تھے درختوں میں نئی کونپلیں پھوٹ رہی تھیں جھومتے ہوئے پودوں کے سبز چمکتے پتوں کے درمیان نئے شگوفے مسکرا رہے تھے۔ بہار کی آمد آمد تھی۔ غزنوی کی زندگی میں پہلے بھی کئی بہاریں آئی تھیں لیکن اب کے جو بہار آنے والی تھی اس کا تصور ہی ان کے لئے طمانیت بخش تھا آنے والی بہار کا خیال آتے ہی غزنوی کو ایک نئے اور انوکھے حسن کا احساس ہو رہا تھا۔

شفق کے فائنل سمسٹر قریب تھے وہ ہر طرف سے بے نیاز ہو کر دن رات اپنی پڑھائی میں مصروف تھی۔ غزنوی نے بھی ان دنوں شفق کے گھر جانا کم کر دیا تھا وہ اسے ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتے تھے۔ ویسے بھی وہ سوچتے تھے۔

صرف چند ہفتوں کی ہی تو بات ہے پھر دوریاں دوریاں نہیں رہیں گی۔
فاصلے خود بخود مٹ جائیں گے۔
وہ جب اور جس وقت چاہیں گے۔
شفق کو پاس بٹھا کر باتیں کریں گے اس کی سنیں گے' اپنی کہیں گے۔
ان کے اوپر کوئی روک ٹوک' کوئی پابندی نہیں ہوگی۔

نہ ہی یہ احساس انہیں پشیمان کرے گا
کہ دوسرے لوگ ان دونوں کو باتیں کرتے دیکھ کر کیا سوچیں گے۔
اتنی دیر تک ایک دوسرے کے قریب بیٹھے دیکھ کر کیا کہیں گے۔
اب تک تو جب کبھی بھی وہ شفق سے ملنے جاتے تھے یہ خیال انہیں ہمیشہ ہی شرمندہ کرتا تھا کہ احتشام چچا اور عارفہ چچی کیا سوچیں گے۔
شفق کی بہنیں، بھائی ان کے بارے میں کیا رائے قائم کریں گے۔
کیا خبر؟ میری بیتابی شوق پر وہ سب دل ہی دل میں ہنستے ہوں۔
پشیمان اور شرمندہ ہونے کے لمحات اب غزنوی کی زندگی سے ختم ہونے والے تھے۔

احتشام چچا کے گھر میں ایک طرف تو شفق کتابوں کا کیڑا بنی ہوئی تھی اور دوسری طرف شادی کی تیاریاں زوروں پر تھیں بیشتر کپڑوں کی خریداری ہو چکی تھی جو سب کے سب شفق نے اپنی پسند سے خریدے تھے کپڑے درزی کو دے کر اور ڈیزائن بتا کر وہ مطمئن ہو چکی تھی کہ اب ان کپڑوں کو درزی کے پاس سے لانا اور دوپٹوں پر گوٹا کناری لگانا امی کا کام ہے، عارفہ بیگم اور دو تین قریبی رشتے دار خواتین ان کاموں میں مصروف تھیں، باقی خریداری کو شفق نے اپنے امتحانوں کے بعد تک کے لئے ملتوی کر دیا تھا۔

احتشام چچا کے گھر میں یہ پہلی شادی تھی گھر میں ہونے والی پہلی شادی ویسے بھی زندگی کا ایک نیا تجربہ ہوتی ہے یہ تجربہ گھر کے افراد کو خوشی اور مسرت کے ایک انوکھے احساس سے دوچار کرتا ہے سب اپنے ارمان اور آرزوئیں پوری کرنا چاہتے ہیں۔

احتشام چچا اور عارفہ چچی کا بس نہیں چل رہا تھا کہ شفق کو جہیز میں کیا کچھ دے ڈالیں شفق ایک تو ان کی بہت لاڈلی اولاد تھی پھر ان لوگوں کو یہ احساس بھی تھا کہ ان کی بیٹی بیاہ کر بہت بڑے گھر جا رہی ہے وہ چاہتے تھے شفق ہر چیز اپنی مرضی سے خریدے کسی چیز میں کوئی کسر، کوئی کمی نہ رہ جائے۔

غزنوی کی امی نفیسہ بیگم بھی بڑے چاؤ سے غزنوی کی دلہن کی بری تیار کر رہی تھیں نائلہ نے شفق کی پسند کو مد نظر رکھتے ہوئے تمام چیزوں کی خریداری کی تھی نفیسہ بیگم نے اپنی دونوں بڑی بیٹیوں یاسمین اور سیما کو بھی خط لکھ دیئے تھے کہ آئندہ دو ماہ تک غزنوی کی شادی کرنے کا ارادہ ہے تم لوگ اپنے آنے کی تیاری کر لو۔
شفق کے امتحان ختم ہوئے تو باقی چیزوں کی خریداری بھی ہو گئی۔

جس روز شفق کا آخری پرچہ تھا اس روز غزنوی کافی دنوں بعد احتشام چچا کے گھر گئے شفق اور وکی کے سوا گھر میں اور کوئی نہیں تھا۔
وکی بھی کچھ دیر غزنوی سے باتیں کر کے اپنے کمرے میں چلا گیا ان دنوں وکی بھی اپنی اسٹڈی میں مصروف تھا اس کے امتحانات ہو رہے تھے۔

وکی کے جانے کے بعد ڈرائنگ روم میں غزنوی اور شفق رہ گئے۔
چند سیکنڈ تک کمرے میں مکمل سکوت طاری رہا شفق بڑی گہری سوچوں میں ڈوبی بیٹھی تھی اور غزنوی صوفے کی پشت سے سر ٹکائے شفق کی طرف دیکھے جا رہے تھے۔ اس کے ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ تھی۔ پھر اس سکوت اور اس خاموشی کو غزنوی نے ہی توڑا۔
"کیا بات ہے بڑی گہری سوچوں میں ڈوبی ہوئی ہو؟"
"جی.....؟" شفق نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔
"اتنی سنجیدگی اور اتنی خاموشی کی وجہ کیا ہے آخر؟"
"کوئی وجہ نہیں۔"
"میرا آنا برا لگا؟"
"نہیں۔"
"اچھا لگا؟" غزنوی مسکرائے۔
شفق بھی بے ساختہ مسکرا دی۔
غزنوی نے کہا۔
"اتنے دن تو ہو گئے تھے تم سے ملے ہوئے۔ کیا اب بھی نہ آتا؟"
"میں نے کب اعتراض کیا آپ کے آنے پر؟"
"اور پھر میں نے یہ بھی سوچا کہ......" غزنوی ایک سیکنڈ کے لئے رکے۔
شفق نے سوالیہ نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔
"میں نے سوچا کہ چند دنوں بعد پھر تم پردے میں بٹھا دی جاؤ گی۔"
"نہیں خیر اتنی جلدی تو پردے میں نہیں بٹھائی جاؤں گی اور پھر مجھے تو ویسے بھی یہ سب کچھ اچھا نہیں لگتا۔"
"کیا اچھا نہیں لگتا؟" غزنوی چونکے۔
"یہی ساری بے کار سی رسمیں جو ہم لوگوں میں ہوتی ہیں۔" شفق کے لہجے میں بیزاری تھی۔
"پھر کیا اچھا لگتا ہے تمہیں؟" غزنوی نے پوچھا۔
"بہت کچھ اچھا لگتا ہے اور بہت کچھ اچھا نہیں لگتا۔" شفق نے عجیب معنی خیز بات کی۔
غزنوی نے کہا۔
"ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے تمہیں شادی کی کوئی خاص خوشی نہیں۔"
شفق نے کچھ الجھ کر کہا۔
"آخر ایسا کیوں محسوس ہوتا ہے آپ کو؟ غالباً "انگیجمنٹ" کے بعد بھی آپ نے کچھ اسی قسم کی بات کی تھی۔"

"شاید کی ہوگی، لیکن بلا سبب تو کوئی بات نہیں کی جا سکتی، میں کوئی بات محسوس کر کہتا ہوں نا؟"

"وہی تو میں پوچھ رہی ہوں کہ آپ ایسا کیوں محسوس کرتے ہیں؟"

"اس لئے کہ تم مجھے اتنی خوش نظر نہیں آتیں جتنی نظر آنا چاہئے۔"

"آپ کے خیال میں مجھے خوشی کا اظہار کس طرح اور کس انداز میں کرنا چاہئے؟" چڑ کر بولی۔

"تم مجھے الجھی الجھی سی نظر آتی ہو، ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے تم اپنے فیصلے پر پچھ ہو۔"

"کون سے فیصلے پر؟"

"یہی میرے ساتھ اپنے آپ کو وابستہ کرنے کے فیصلے پر۔"

"اچھا! فرض کیجئے پچھتا رہی ہوں، تب بھی اس سے کیا فائدہ۔ حاصل؟"

غزنوی نے مضطرب ہو کر شفق کی طرف دیکھا۔ چند لمحے خاموش رہے پھر بولے۔

"نہیں اگر واقعی پچھتا رہی ہو تو اب بھی کچھ نہیں بگڑا۔"

"یعنی اب کیا ہو سکتا ہے؟"

"ابھی وقت کی ڈور تمہارے ہاتھ میں ہے صرف انگیجمنٹ ہوئی ہے نا، انگیجمنٹ ختم ہونا ایسی کوئی اہم بات نہیں ہوگی۔"

غزنوی کے چہرے پر بڑی گہری سنجیدگی تھی۔

"آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟" شفق نے حیرت زدہ نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔

غزنوی اپنی کہے گئے۔

"میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا کہ میں کسی بھی معاملے میں جبر اور زبردستی کا قائل ہوں جو بھی فیصلہ ہو وہ خوشی کے ساتھ کرو، یہ نہیں کہ دماغ کے کہنے میں آ کر دل کی بر کرو۔"

"اُفوہ! آپ تو خوامخواہ ہی سیریس ہو رہے ہیں۔" شفق ایک دم ہنس پڑی۔

غزنوی بدستور سنجیدہ تھے۔

شفق نے کہا۔

"عجیب آدمی ہیں آپ بھی، خود ہی کوئی بات محسوس کرتے ہیں، مفروضے قائم کر کے اپنے آپ سے مشورے لیتے ہیں اور پھر اس طرح سنجیدہ ہو کر بیٹھ جاتے ہیں۔"

"سنجیدہ ہو کر نہیں بیٹھ جاتا بلکہ میں ہوں ہی سنجیدہ آدمی۔"

"لیکن ہر وقت کی سنجیدگی بھی اچھی نہیں ہوتی، چلئے ذرا مسکرا کر تو دکھایئے میں نے کو کبھی مسکراتے ہوئے نہیں دیکھا۔" شفق اٹھ کر غزنوی کے قریب آ کھڑی ہوئی۔

"اور میں نے بھی کسی کو اتنا جھوٹ بولتے نہیں دیکھا۔"

"میں جھوٹ بول رہی ہوں؟" شفق مسکرائی۔

"اور کیا میں تو ہمیشہ ہنستے مسکراتے ہوئے ہی تمہارے پاس آتا ہوں۔"

"اچھا چلئے آپ ہی کی بات درست سہی لیکن اب اس وقت تو اس قدر سنجیدہ ہو کر مت بیٹھئے۔"

غزنوی نے گردن گھما کر اپنے برابر کھڑی ہوئی شفق کی طرف دیکھا اور سوچنے لگے۔

"آج سے پہلے ہم اتنے قریب کبھی نہیں ہوئے۔"

غزنوی کا دل چاہا وہ آہستگی سے اپنا ہاتھ بڑھا کر شفق کو اپنے قریب کر لیں۔

بہت قریب، بالکل قریب، لیکن اگلے ہی لمحے دماغ نے انہیں سرزنش کی۔ وہ اپنی سوچ پر خود ہی نادم ہو گئے۔

مگر وہ اپنی نگاہوں کے والہانہ پن کو شفق کی نظروں سے چھپا نہ سکے۔

شفق کچھ نروس سی ہو گئی۔

غزنوی کس طرح پیار بھری نگاہوں سے اسے دیکھے جا رہے تھے۔

غزنوی بھی کیا کرتے۔ وہ انہیں اس وقت بے حد اچھی لگ رہی تھی۔

کاسنی رنگ کے شلوار سوٹ میں اس کے حسن کا انداز ہی اس وقت کچھ اور تھا۔ چوٹی میں سے نکلی ہوئی بالوں کی لٹیں، ہوا کے جھونکوں سے اڑ اڑ کر صاف و شفاف گردن کو چوم رہی تھیں۔

"اُفوہ بھئی! اس طرح مت دیکھئے۔" شفق مسکرا کر بولی اور واپس اپنی جگہ پر بیٹھ گئی۔

گھر واپس جاتے وقت غزنوی کے دل و دماغ کی بڑی عجیب کیفیت تھی وہ چند لمحے غزنوی کو یاد آئے جا رہے تھے۔ جب شفق کے قرب کی دھیمی دھیمی آنچ غزنوی کے لئے ایک آزمائش بن گئی تھی اور پھر وہ چند ہفتے بھی گزر گئے غزنوی کی دونوں بہنیں اپنے بچوں کے ساتھ آ گئی تھیں۔

سیما کے شوہر بھی ساتھ تھے۔ یاسمین صرف بچوں کے ساتھ ہی آئی تھی اس کے شوہر کو چھٹی نہیں ملی تھی۔

دونوں گھروں میں ہنگامے تھے رونقیں تھیں اور چہل پہل تھی۔ ایک دوسرے کے پیچھے بھاگتے ہوئے لمحات مسرتوں سے بھرپور تھے۔

نفیسہ بیگم، عارفہ چچی، ٹینا اور غزنوی کی بہنوں کی خواہش تھی کہ شادی کی ساری رسمیں بہت دھوم دھام سے کی جائیں۔ اور ہوا بھی یہی ہر رسم پہلے سے زیادہ دھوم دھام سے کی گئی۔ اور پھر وہ دن بھی آ پہنچا جب غزنوی کو اپنی زندگی کے خوبصورت ترین خواب کی تعبیر مل گئی۔ آج ان کی مسرتوں کے عروج کا دن تھا، ایک سپنا جو انہوں نے دیکھا تھا۔

کس طرح زندگی کی حسین ترین حقیقت بن کر سامنے آگیا تھا۔
ان کے دل نے کی تھی۔ خدا نے کس طرح اور کس قدر مہربان ہو کر اس کی تکمیل کی
تھی۔

انہوں نے جسے چاہا' اسے پایا' اسے اپنایا تھا۔

کتنے دن ہو گئے تھے وہ شفق کی ایک جھلک بھی نہیں دیکھ سکے تھے۔ اور ان کا شوق دید
کو پہنچ چکا تھا۔ دو سال کے عرصے کا ہر لمحہ ان کی چاہتوں کی آزمائش کی منہ بولتی تصویر
گزرنے والا ہر پل اب ان کے لئے ناقابل برداشت ہو گیا تھا۔

انہوں نے اسے بارہا دیکھا تھا۔

وہ ہمیشہ ہی انہیں بے حد اچھی اور بہت پیاری لگی۔

لیکن آج' اس کے حسن کا جو انداز تھا وہ غزنوی کے تصور سے کہیں پرے تھا۔

انہوں نے بہت سی لڑکیوں کو دلہن کے روپ میں دیکھا تھا۔ دلہن بنی ہوئی لڑکیاں ا
بہت اچھی لگتی ہیں۔

غزنوی نے اپنی بہنوں کو بھی دلہن بنے دیکھا تھا۔ اپنی بھابھی کو بھی' اپنی کزنز کو اور ا
چند دوستوں کی بیویوں کو بھی دلہن کے روپ میں دیکھا تھا۔ وہ سب اچھی دلہنیں تھیں ا
کم غزنوی کو بہت اچھی لگی تھیں لیکن شفق' ان کی چاہت ان کی محبت' ان کی اپنی دلہن
سب سے مختلف سب سے جداگانہ اور سب سے حسین تھی۔

یا پھر حسن آج غزنوی کی نگاہوں میں سمٹ آیا تھا

وہ اپنی خوش قسمتی پر کس قدر نازاں تھے

زندگی میں ہمیشہ انہیں محبت بھی ملی تھی اور عزت بھی۔

خوشیاں بھی ملی تھیں اور مسرتیں بھی۔

بلکہ سچ تو یہ تھا کہ زندگی میں اب تک حزن و ملال کا سایا بھی ان کے قریب سے نہیں
تھا وہ خدا کے بے حد شکر گزار تھے۔

جس نے انہیں محبت' عزت' خوشیاں اور مسرتیں سب کچھ عطا کر دیا تھا۔

لیکن آج تو انہیں یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے خوشیوں اور مسرتوں کو اپنے اندر سمیٹ
کی ان میں استطاعت نہ ہو۔

رنگ و نور کی برستی ہوئی نرم پھواروں تلے غزنوی شفق کو رخصت کرا لائے۔

غزنوی کے سجے سجائے کمرے میں مہکتے پھولوں اور منہ بند نازک کلیوں کی سیج اس کی
تھی۔

نائلہ نے بڑی چاہت اور لگن سے ان دونوں کے لئے وہ کمرہ سجایا تھا۔

شفق نے اپنے سسرال میں قدم رکھا تو وہاں بہت ساری رسمیں اس کی منتظر تھیں۔

بنے پھر پہلے سے جو یہ تھکا دینے والا سلسلہ شروع ہوا تھا تو کسی طرح ختم ہونے کا نام ہی
نہیں لیتا تھا۔

شفق ان ساری باتوں سے عاجز آچکی تھی مگر جبراً" و قہراً" اپنے آپ کو تختہ مشق بنائے
ہوئے تھی۔

خدا' خدا کر کے شفق کو اس کے کمرے میں پہنچایا گیا تو اس نے سکون کا سانس لیا۔ ایک
ہی انداز سے بیٹھے بیٹھے اس کی کمر اور گردن میں درد ہونے لگا تھا اگر کچھ دیر اور وہ لوگوں کے
ہجوم میں اسی طرح بیٹھی رہتی تو شاید چکرا کر گر ہی جاتی غزنوی کی بھابھی نے شفق کو بستر پر
بٹھاتے ہوئے کہا۔

"اب تکیوں کے سہارے آرام سے بیٹھو' تھک کر چور ہو گئی ہو گی۔"

یاسمین نے اپنے کندھے سے لگی ہوئی بیٹی (مزنہ) کو تھپکتے ہوئے کہا۔

"اور دوپٹہ بھی تھوڑا پیچھے سرکا دو اب یہاں کسی بزرگ خاتون کے آنے کا امکان نہیں
ہے۔"

شفق کے ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

سیمانے بیوٹی بکس کھول کر شفق کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

"غزنوی بھائی کے آنے سے پہلے ایک مرتبہ اپنا جائزہ لے لیجئے اگر کوئی کسر رہ گئی ہو
تو......"

وہ بات ادھوری چھوڑ کر مسکرانے لگی۔

رعنا بھابھی نے بڑے پیار سے شفق کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں بھئی! کوئی کسر نہیں رہ گئی۔ ماشاء اللہ بہت پیاری لگ رہی ہے ہماری شفق"
نائلہ نے کہا۔

"سچ بھابھی۔ آپ ٹھیک کہتی ہیں' بلکہ میں تو کہتی ہوں کہ شفق بھابھی کو میک اپ کی
ضرورت ہی نہیں تھی"

شفق ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ سجائے سب کا تبصرہ سن رہی تھی اور سوچ رہی تھی۔
معلوم نہیں یہ لوگ میری اس قدر تعریف کیوں کر رہی ہیں۔ ورنہ شکل و صورت کے
معاملے میں تو ان میں سے کوئی بھی کم نہیں۔

یاسمین نے کہا۔

"بھئی تم بھی تو کچھ بولو شفق"۔

"میں کیا بولوں؟"

"کچھ بھی بولو' کم از کم تمہاری آواز تو شامل ہو جائے گی آوازوں میں"
رعنا بھابھی نے کہا۔

"نہیں' یہ ہمارے سامنے کیوں بولنے لگی' اس کی آواز تو اب غزنوی کے کانوں میں
رس گھولے گی"
رعنا بھابھی کے اس شوخ جملے پر سب کو ہنسی آ گئی۔
شفق نے جھینپ کر منہ دوسری طرف کر لیا۔
سیما نے کہا۔
"ہم سے ناحق شرما رہی ہیں آپ' ابھی غزنوی بھائی کو بھیجتے ہیں' انہی کے سامنے
گا"
"لو بھلا ان سے کیوں شرمائیں گی"
یاسمین نے کہا۔
پھر رعنا بھابھی کے کہنے پر وہ سب شفق کو تنہا چھوڑ کر چلی گئیں۔
شفق دوپٹہ پیچھے سرکا کر تکیوں کے سہارے بیٹھ گئی اس کی نگاہیں کمرے کا جائزہ
کمرے میں آسمانی رنگ بہت نمایاں تھا۔ کمرے کی ہر چیز کو بڑی خوب صورتی
دیا گیا تھا۔
ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں اس کا اپنا عکس نظر آ رہا تھا۔
سرخ و سنہری کپڑوں میں ملبوس سجی بنی ایک دلہن۔
چند لمحے کے لئے اس کی نگاہیں اپنے ہی عکس پر جم کر رہ گئیں۔
اس نے حیران ہو کر سوچا۔
یہ میں ہوں۔
یہ روپ کتنی جلدی اپنانا پڑ گیا مجھے۔
ابھی تو مجھے دلہن بننے کی کوئی خواہش' کوئی تمنا بھی نہیں تھی۔
گھر والوں اور خود غزنوی کی مرضی کے سامنے سر جھکانا پڑ گیا مجھے۔
زبان سے چند الفاظ ادا کرنے کی دیر تھی کہ کچھ کا کچھ ہو گیا۔
میں شفق احتشام سے شفق غزنوی بن گئی۔
گویا زندگی کا وہ جو ایک دور تھا' پچھلا' پرانا۔
وہ رخصت ہوا۔
خوبصورت یادوں سے مزین دن تمام ہوئے۔
وہ پل' وہ گھڑیاں' وہ ساعتیں جو گزر گئیں' خواب ہو گئیں۔
قصہ پارینہ بن گئیں۔
گزرتے وقت کی کتنی ہی باتیں تھیں جو اسے یاد آئے جا رہی تھیں۔
بہت سے نقوش تھے۔

دھندلے اور مدہم' صاف' اور شفاف
اس کے ساتھ کھیلی ہوئی لڑکیاں۔
بہت سے ایسے لوگ جن کے بارے میں اس نے پہلے کبھی نہیں سوچا تھا۔
آج ذہن و دل کے دروازوں پر دستک دے رہے تھے۔
معلوم نہیں کیوں؟
جانے کس لئے؟
اس نے سوچا۔
یہ سارے لوگ آج کیوں یاد آ رہے ہیں مجھے۔
کیا اس لئے کہ اب شاید زندگی میں ان سے ملنے کے امکانات نہیں رہے۔
لیکن اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔
وہ سارے چہرے' جنہیں زندگی میں ہم دیکھتے ہیں ضروری تو نہیں کہ وہ ہمیں بار بار نظر آتے رہیں۔
اور یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ تمام لوگ جن سے ہم زندگی کے کسی بھی موڑ اور کسی بھی مقام پر ملے ہوں ان سے پھر ملیں۔
رعنا بھابھی اور غزنوی کی بہنوں کو کمرے سے گئے ہوئے کافی دیر ہو چکی تھی۔
شفق سوچوں کی راہگزر پہ چلتے چلتے بہت پیچھے' بہت دور تک چلی گئی
ایک دم وہ چونکی اور سوچنے لگی۔
یہ وقت اس قسم کے خیالات کو دماغ میں جگہ دینے کا ہے؟
کیا ساری لڑکیاں دلہن بن کر اسی انداز سے سوچتی ہوں گی۔
اسے یاد آیا۔
اس کی دو سہیلیوں' نگار اور فرزانہ کی شادیاں ہوئی تھیں۔
تو انہوں نے اس سے کچھ اور ہی کہا تھا بقول خود ان کے ان دونوں کو اپنے اپنے دولہاؤں کا کس قدر انتظار تھا' ان کی نندیں اور بھاوجیں جب انہیں کمرے میں چھوڑ کر چلی گئیں تو انتظار کا ایک ایک لمحہ ان کے لئے قیامت بن گیا۔
ان کی سوچیں اس وقت صرف اور صرف اپنے شوہروں کی ذات کے اردگرد گھومتی رہیں۔ اور ایک میں ہوں!
میری سوچیں اتنی دیر تک غزنوی کی ذات سے ہٹ کر دوسرے بہت سارے لوگوں تک پھیلا رہی ہیں۔
غزنوی پس منظر میں چلے گئے۔ اور دوسرے تمام لوگ جو میری زندگی پر اور مجھ پر کبھی بھی اثر انداز نہیں رہے اس قدر واضح ہو کر میرے سامنے آ گئے۔

شفق کی نگاہیں بھٹک کر بیڈ سائیڈ ٹیبل پر جا پڑیں۔ غزنوی کی بڑی خوبصورت تم
میں سجی ہوئی تھی چند سیکنڈ تک وہ تصویر کی طرف دیکھتی رہی پھر کمرے کے باہر
آہٹ ہوئی تو وہ اپنا بھاری زرتار آنچل ٹھیک کر کے سنبھل کر بیٹھ گئی۔ اس کی نند
اور سیما مسکراتی ہوئی اندر آ گئیں نائلہ نے کہا۔

"سوری بھابھی! آپ کو بہت انتظار کرنا پڑا بھائی جان کا"

سیما نے کہا۔

ہمارا خیال تھا کہ ان کے دوست اور کزنز جلدی ہی ان کی چھٹی کر دیں گے مگر
کسی طرح ان کا پیچھا ہی نہیں چھوڑ رہے ہیں۔

نائلہ کچھ شرمندہ سی ہو کر بولی۔

"آپ بھی سوچتی ہوں گی کہ بار بار یہی لوگ آ کر اپنی صورتیں دکھائے جا رہے ہیں"

سیما نے اس جملے میں مزید اضافہ کیا۔

"اور جس کی صورت دیکھنے کو میں بے تاب ہوں' اس کو بھیجتی ہی نہیں"۔

وہ دونوں ابھی یہ باتیں کر رہی تھیں کہ کمرے کے باہر بھاری قدموں کی آواز سنائی
شفق ان قدموں کی آواز اچھی طرح پہچانتی تھی۔

بلاشبہ وہ غزنوی ہی تھے۔

غزنوی اندر آئے تو نائلہ اور سیما یہ کہتی ہوئی باہر چلی گئیں۔

" بڑی دیر کر دی' بھائی جان آپ نے' بھابھی بے چاری تو آپ کا انتظار کر
گئیں۔"

"اچھا مگر تم دونوں کیوں ہوا کے گھوڑے پر سوار ہو؟"

"ہمیں تو اب بڑی سخت نیند آ رہی ہے' انشاء اللہ صبح ملاقات ہو گی"

سیما نے کہا۔

غزنوی نے نائلہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اور تم؟ تمہیں بھی سخت نیند آ رہی ہے؟"

نائلہ نے بے چارگی سے کہا

"نیند تو بے شک مجھے بھی بہت زور کی آ رہی ہے لیکن امی کے حکم کے مطابق
پہلے مجھے جو کام کرنے ہیں ان کی فہرست خاصی طویل ہے"

غزنوی نے کہا۔

"اچھا! تو میں تم پر ترس ہی کھا سکتا ہوں"۔

نائلہ اور سیما شب بخیر کہہ کر چلی گئیں تو غزنوی شفق کے قریب چلے آئے جو غز
پلٹتے ہی سر جھکا کر خاص دلہنوں والے انداز میں بیٹھ گئی تھی۔

غزنوی نے آہستہ سے اس کا سر ہلاتے ہوئے پیار بھرے لہجے میں پوچھا۔

"کیا واقعی میرا انتظار کرتے کرتے تھک گئی ہو؟"

شفق نے کوئی جواب نہ دیا مسکراتے ہوئے لبوں کو دانتوں تلے دبائے خاموش بیٹھی رہی۔

غزنوی سامنے بیٹھ کر چند سیکنڈ بھاری آنچل کی اوٹ سے جھانکتے ہوئے اس خوبصورت
رے کی طرف دیکھتے رہے جو اب ان کا اپنا تھا۔

نگاہوں کو خیرہ کر دینے والے حسن کی شعاعیں زرتار آنچل سے چھن کر غزنوی کو دیوانہ
ائے دے رہی تھیں۔

غزنوی کا دل چاہتا تھا
وہ کچھ نہ بولیں کچھ نہ کہیں۔
بس چپ چاپ بیٹھے ہوئے اسے دیکھتے رہیں اسے تکتے رہیں۔

وہ چہرہ۔
مانند تصویر چہرہ۔
ان کے لئے نیا نہیں تھا۔ اجنبی نہیں تھا۔

وہ صبیح پیشانی' وہ بے حد خوبصورت خمیدہ ہونٹ' گلاب عارض استواں ناک' وہ کمان ابرو
ر گھنی دراز پلکوں کی ریشمی جھالر۔

یہ سارے نقوش غزنوی نے ان گنت بار دیکھے تھے۔

لیکن آج انہیں ہر نقش حسین تر نظر آ رہا تھا۔

سرخ' نازک حنائی ڈیزائن اس کے ہاتھوں پر بے حد اچھا لگ رہا تھا۔

ابٹن' مہندی ـــ اور سیج پر بکھرے ہوئے پھولوں کی مہک غزنوی کو مسحور کئے دے
ہی تھی۔ غزنوی کی نگاہوں کی تپش سے شفق گھبرا گئی۔

اس نے سوچا
کیا ہو گیا ہے غزنوی کو؟
بولتے کچھ نہیں' بس! چپ چاپ دیکھے جاتے ہیں۔

پھر غزنوی نے ہاتھ بڑھا کر اس کا آنچل پیچھے سرکا دیا۔ جب چند سیکنڈ اور غزنوی اسی طرح
اموشی سے اسے دیکھتے رہے۔

تو شفق سے ضبط نہ ہو سکا۔

اس نے مسکرا کر کہا۔

"اب بس بھی کیجئے"

غزنوی بھی مسکرا کر بولے

"فکر مت کرو' نظر نہیں لگاؤں گا"

"آپ تو اس طرح دیکھ رہے ہیں جیسے پہلے آپ نے مجھے کبھی نہیں دیکھا۔"
اس روپ میں تو نہیں دیکھا آج سے پہلے۔
"بہت پسند ہے آپ کو یہ روپ"
"ہاں بے حد' میرا دل چاہتا ہے کہ تم ہمیشہ اس طرح سجی بنی رہو"
"یعنی آپ کا مطلب ہے ہمیشہ دلہن بنی رہوں"
"ہاں"
"تو لوگ سمجھیں گے لڑکی پاگل ہو گئی ہے' دماغ الٹ گیا ہے اس کا"
شفق نے کہا تو غزنوی بے ساختہ مسکرا دیئے۔
پھر غزنوی نے ڈائمنڈ کا خوبصورت' نازک لاکٹ اور انگوٹھی اسے پہناتے ہوئے کہا۔
"معلوم نہیں' تمہیں پسند بھی آیا یا نہیں"
"بہت پسند آیا"
شفق نے تعریفی نگاہوں سے انگوٹھی اور لاکٹ کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔
پھر غزنوی نے اٹھ کر دریچے پر پڑے ہوئے آسمانی پردے سرکا دیئے اور دریچے کے پٹ کھولتے ہوئے کہا۔
"بڑی خوبصورت رات ہے"
شفق نے گردن گھما کر غزنوی کی طرف دیکھا تو انہوں نے کہا۔
"آؤ کھڑکی میں کھڑے ہو کر دیکھو"
شفق بستر سے اترنے لگی تو غزنوی نے ہاتھ بڑھا کر اسے سہارا دیا۔ لان کی طرف کھلنے والی کھڑکی میں کھڑے دونوں باہر دیکھنے لگے۔
باہر رات سچ مچ بے حد حسین تھی۔
شفق کے اس روپ کی طرح حسین جو آج اس نے اپنایا تھا۔
پیلا گول سا چاند بادام کے خوبصورت گھنے درخت کی اوٹ سے جھانک رہا تھا۔
نیلگوں آسمان پر جا بجا بادلوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے بھاگتے پھر رہے تھے۔
دھیمی ہوا کی سرسراہٹیں تھیں۔
ہلکورے لیتے ہوئے پتوں کا مدھم سا شور تھا۔
پھولوں کی البیلی سی خوشبو' ہوا کے دوش پر بھٹکتی پھر رہی تھی۔
جھلملاتے ہوئے ستارے
چمکتا ہوا پورا چاند
اڑتے بادل
درختوں کی پھیلی ہوئی شاخوں کے سائے

جھومتے پتے'
ہوا کی سرسراہٹیں۔
اور البیلی خوشبوئیں۔
رات تھم تھم کے آگے بڑھتی جا رہی تھی۔ گزرتی جا رہی تھی۔
غزنوی شفق کے شانے پر ہاتھ رکھے گم صم کھڑے رات کے گزرنے کی مدھم چاپ سن رہے تھے۔
شفق کی قربت نے ان کے روئیں روئیں میں مسرت کی ایک لہر سی دوڑا رکھی تھی۔
ایک عجیب سی طمانیت کا احساس ہو رہا تھا انہیں اسے اپنے قریب دیکھ کر۔
ان کا دل چاہتا تھا۔
یہ رات' یہ حسن سے بھرپور رات
بس یہیں تھم کر رہ جائے
آگے نہ بڑھے' گزرنے نہ پائے
اس رات کی سحر نہ ہو۔
انہوں نے شفق کا چہرہ اپنی طرف گھماتے ہوئے کہا۔
تم خوش ہو نا!
شفق نے نگاہیں چراتے ہوئے کہا
"جی...."
"میرے قریب کھڑے ہونا' اچھا لگ رہا ہے تمہیں"
شفق نے کوئی جواب نہیں دیا' اس کے ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ بکھر گئی۔
پھر جانے کیوں غزنوی کے ذہن میں عجیب سا خیال آیا۔
انہوں نے پوچھا۔
"اگر میرے بجائے تمہاری شادی کسی اور شخص سے ہو جاتی تب بھی تم اتنی ہی خوش رہتیں"
"معلوم نہیں' شاید اتنی ہی خوش ہوتی' یا پھر شاید نہ ہوتی ممکن ہے کچھ کم خوش ہوتی"۔
غزنوی کا چہرہ کسی انجانے احساس سے ایک لمحے کے لئے تاریک ہو گیا ان کی آنکھوں میں گہری سوچیں اتر آئیں۔
پھر وہ آہستہ سے بولے۔
"میرا خیال ہے تم اتنی ہی خوش ہوتیں"
"کیوں؟ یہ خیال کیوں آیا آپ کو؟"
"اس لئے کہ چاہا میں نے ہے تمہیں' تم نے تو نہیں چاہا"

شفق نے مسکرا کر کہا۔

"پھر دورہ پڑا ہے آپ کو"

"دورہ نہیں پڑا' بلکہ حقیقت یہی ہے دیکھو نا! میں نے تمہیں دیکھا' تمہیں پسند کیا' چاہا' ابتدا تو میری طرف سے ہوئی نا"۔

"اچھا"

شفق کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

غزنوی نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"دیکھا تم نے بھی مجھے تھا۔ لیکن تم نے نہ مجھے پسند کیا نہ چاہا' ہاں یہ الگ بات ہے ہی کچھ اس طرح تمہارے پیچھے پڑ گیا کہ تمہیں اقرار کرتے ہی بن پڑا"

"اور پچھ"

شفق نے مذاق کے انداز میں کہا۔

"اور یہ کہ جب مسلسل کسی سے واسطہ پڑتا رہے تو دل میں کچھ نہ کچھ خیال تو پیدا ہو جاتا ہے

جانوروں سے محبت ہو جاتی ہے لوگوں کو' میں تو پھر بھی انسان ہوں"۔

شفق نے برا مان کر کہا۔

"اُفوہ! کیا ہو گیا ہے آپ کو؟ یہ وقت اس قسم کی باتیں کرنے کا ہے؟"

غزنوی نے سوچا۔

"ارے! یہ مجھے کیا ہو گیا ہے؟ ٹھیک تو کہہ رہی ہے شفق"

وہ ایک دم ہنس پڑے اور بولے۔

"واقعی معلوم نہیں کبھی کبھی مجھے کیا ہو جاتا ہے؟"

پھر وہ شفق کے ساتھ صوفے کی طرف آ گئے اور کیسٹ پلیئر مدھم آواز میں آن کر دیا۔

غزنوی کی شادی کو ایک ہفتہ ہو گیا تھا' ولیمہ چوتھی اور دو ایک جگہ چائے کی دعوتوں میں وہ لوگ اس قدر مصروف رہے کہ وقت کے گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا۔ وہ ہنی مون کا پروگرام بھی بنائے ہوئے تھے لیکن اس کے ساتھ ہی انہیں یہ احساس بھی تھا کہ سیما اور یاسمین اتنی دور سے آئی ہوئی ہیں' ان کے یہاں ہوتے ہوئے جانا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ سیما اور یاسمین نے بہت اصرار کیا کہ آپ لوگ ہنی مون کے لئے چلے جائیں' ہم لوگ آپ کی واپسی سے پہلے نہیں جائیں گے' لیکن ابھی رعنا بھابھی اور تیمور بھائی بھی تھے۔ تیمور بھائی ایک ہفتے تک اور ٹھہر سکتے تھے۔

غزنوی نے شفق کی مرضی معلوم کرنے کی خاطر اس کے سامنے اپنے پروگرام کا ذکر کیا تو اس نے خاصی سنجیدگی سے کہا۔

"آپ جس طرح مناسب سمجھیں کریں"۔

"میرا مطلب ہے تمہیں اس بات پر کوئی اعتراض تو نہیں ہو گا اگر ہم لوگ سیما اور یاسمین کی واپسی کے بعد ہنی مون منانے کے لئے چلے جائیں؟"

"پہلے جائیں' بعد میں جائیں' کیا فرق پڑتا ہے' مقصد تو تفریح کرنا ہی ہے نا"

بات آئی گئی ہو گئی غزنوی محسوس بھی نہ کر سکے کہ شفق کو یہ بات ناگوار گزری تھی کہ غزنوی محض اپنی بہنوں کی خاطر اپنا پروگرام ملتوی کئے بیٹھے ہیں۔ جب کہ ایسا بھی نہیں تھا کہ

سیما اور یاسمین ان کی عدم موجودگی میں ہی واپس چلی جائیں۔

اتفاق سے دو' چار روز بعد اس کی سہیلیاں نگار اور فرزانہ ملنے آئیں' انہوں نے بھی یہی ذکر چھیڑ دیا۔

نگار نے کہا۔

"تم لوگ ہنی مون کے لئے کب جاؤ گے؟"

"فی الحال تو نہیں جا رہے"

"شفق کا لہجہ بجھا بجھا سا تھا"

فرزانہ نے کہا

"کیوں؟ ابھی کیوں نہیں؟"

"غزنوی کی دونوں بہنیں جو باہر سے آئی ہوئی تھیں' ابھی ٹھہری ہوئی ہیں" شفق نے کہا۔

نگار نے ازراہ مذاق کہا۔

"تو ان کی بہنوں نے کیا کوئی قانون پاس کر دیا ہے کہ ہمارے ہوتے ہوئے ہرگز ہنی مون کے لئے نہ جانا"

نگار کی بات پر فرزانہ بھی ہنس پڑی۔

شفق نے کہا۔

"دراصل ___ غزنوی کو یہ بات کچھ مناسب نہیں معلوم ہو رہی کہ اتنی دور سے آئی ہوئی بہنوں کو چھوڑ کر ہنی مون منانے چلے جائیں"۔

"واہ! یہی تو دن ہوتے ہیں ہنی مون منانے کے' کیا سال بھر بعد ہنی مون منانے جائیں گے جب تم لوگ دو سے تین ہو جاؤ گے"

نگار کی بات پر فرزانہ نے پھر ایک قہقہہ لگایا اور بولی۔

"اور کیا' نگار ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہے' بہنوں کا کیا ہے وہ تو سال بھر بعد پھر آ جائیں گی لیکن تم لوگوں کی نئی زندگی کے یہ ابتدائی دن تو پھر لوٹ کر نہیں آئیں گے"

نگار نے مزید لقمہ دیا۔

"غزنوی بھائی بھی خوب ہیں' آخر اب تک جو زندگی گزری ہے وہ بہنوں کے ساتھ ہی گزری ہے اگر یہ چند ہفتے بہنوں کے بغیر گزار لیں گے تو کون سی قیامت آ جائے گی"

ہر نیا جملہ شفق کے دل پر ایک کاری وار کر رہا تھا۔

"اپنی سہیلیوں کی باتیں اسے سچی اور درست معلوم ہو رہی تھیں۔"

اسے یہ احساس ہو رہا تھا کہ غزنوی سراسر اس کے ساتھ زیادتی کر رہے ہیں۔

اتنی چاہت اور اتنی محبت کا دعوی کرتے ہیں لیکن میری خاطر چند ہفتوں کے لئے اپنی بہنوں کو چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔

اسے نگار اور فرزانہ کے سامنے اپنی سبکی سی محسوس ہو رہی تھی۔

فرزانہ نے اپنی ایک سالہ شادی شدہ زندگی کے تجربے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے شفق کو مشورہ دیا۔

"اور ہاں' بلا فیس ایک مشورہ اور دے رہی ہوں"

شفق سے پہلے نگار نے پوچھا۔

"وہ کیا؟"

"یہ کہ وہ تمہاری غیر شادی شدہ نند ہے نا' نائلہ مارے محبت کے اسے مت ساتھ لیتی جانا"

شفق نے مسکرا کر کہا

"کیا حرج ہے اگر وہ بھی ہمارے ساتھ چلی جائے"

نگار نے ابرو چڑھا کر کہا۔

"ہاں بھئی' ٹھیک کہہ رہی ہے فرزانہ کباب میں ہڈی برداشت نہیں کی جا سکتی"

شفق نے کہا۔

"حد کرتی ہو تم لوگ بھی' وہ بیچاری تو اتنی اچھی ہے' اتنی محبت کرتی ہے مجھ سے بچھی جاتی ہے میرے سامنے"

فرزانہ نے کہا۔

"ٹھیک ہے بچھتی ہے تو بچھنے دو' مگر ہنی مون پر اسے لے جانے کی کوئی تک ہی نہیں ہے"

نگار نے تمسخرانہ انداز سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"معلوم ہوتا ہے محترمہ اسے ساتھ لے جانے کا پروگرام بنائے بیٹھی ہیں۔"

"ہاں' میں نے تو یہی سوچا ہے کہ اسے بھی ساتھ لے جاؤں گی"

فرزانہ نے کہا

"تم بھی بالکل بدھو ہی ہو"

نگار نے فخریہ انداز سے کہا۔

"ہنی مون کی تو خیریات ہی چھوڑو' مجھے تو فلم کے لئے جاتے ہوئے بھی اپنے اور سلمان کے علاوہ کسی تیسرے کا ساتھ گوارہ نہیں ہوتا چاہے وہ میری نند ہو یا دیور"

شفق نے کہا۔

"بڑا غلط انداز ہے تمہاری سوچ کا' اگر وہ لوگ تمہارے ساتھ چلے بھی جائیں گے تو تمہارا کیا بگاڑ لیں گے" نگار نے کہا۔

"نہیں بھئی' میرا تو موڈ خراب ہو جاتا ہے یہ الگ بات ہے کہ میں ویسے ہی اپنی نندوں کو

ساتھ لے جا کر فلم دکھادیتی ہوں' ان کے ساتھ شاپنگ کے لئے جانے میں بھی مجھے کوئی ا
نہیں ' لیکن جہاں میں اور سلمان ہوں وہاں کسی تیسرے کا وجود مجھ سے برداشت نہیں
ہوتا"

فرزانہ بھی نگار کی ہاں میں ہاں ملا رہی تھی۔
شفق نے کہا۔
"اس قدر پڑھ لکھ کر بھی تم دونوں ایسی تنگ نظری کا ثبوت دیتی ہو' ٹھیک ہے تم دونوں
کے حقوق اپنی جگہ پر ' لیکن بہن بھائیوں سے رشتے ناطے ختم تو نہیں کرسکتے۔ سلمان بھائی
عرفان بھائی"
نگار نے کہا۔
"رشتے ناطے ختم کرنے کو کون کہتا ہے؟"
شفق نے ان دونوں کی باتوں سے کچھ بیزار ہو کر کہا۔
"چھوڑو' کوئی اور بات کرو' میرے سر میں تو درد ہونے لگا تم دونوں کی اس قسم کی باتیں
سن کر"
شفق کو بیزار ہوتے دیکھ کر بھی فرزانہ مشورہ دینے سے باز نہ آئی
"تم آج ہی غزنوی بھائی سے بات کرنا ہنی مون پر جانے کی' بس دو چار روز میں روانہ
ہوجاؤ ان سے اصرار کرو' روٹھ جاؤ' یہی تو دن ہوتے ہیں اپنی بات منوانے کے"
نگار نے بھی نصیحت آمیز انداز سے کہا۔
"ہاں شفق بیگم! شروع کے دنوں میں جیسی عادتیں ڈال دو گی وہی پختہ ہوجائیں گی' اگر
ابھی سے ہر بات پر ان کے آگے سر جھکانا شروع کردیا تو ساری زندگی تمہارا سر جھکا ہی رہے گا
ابھی سے یہ رویہ رکھو کہ روٹھو تم اور منائیں وہ"
"اوفوہ بھئی بس بھی کرو' تم دونوں تو میرا دماغ خراب کردو گی"
شفق نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھامتے ہوئے کہا۔
نگار نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"ہم تمہارے دشمن نہیں ہیں دوست اور ہمدرد ہیں"
شفق صوفے کی پشت سے سر ٹکائے گہری سوچوں میں ڈوب گئی
فرزانہ اور نگار چلی گئیں تو دماغ میں آندھیاں سی چلنے لگیں
فرزانہ اور نگار کے ہر جملے کی بازگشت اس کے دماغ پر ہتھوڑے برسانے لگیں
اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے ان دونوں کے سامنے اس کی بڑی سبکی ہوئی ہو
وہ جتنا ان باتوں پر سوچتی گئی اس کے دماغ میں دھواں سا بھرتا گیا
دل پر ضربیں سی ہی پڑتی گئیں

نتیجہ یہ ہوا کہ غزنوی کے آنے تک اس کا موڈ خراب ہوچکا تھا اس نے یہ کہہ کر اپنے
آپ کو سمجھانے کی کوشش تو بہت کی کہ
فرزانہ اور نگار جو کچھ کہہ کر گئی ہیں وہ سب بکواس ہے
ان کے سوچنے کا انداز غلط ہے
پڑھ لکھ کر اپنے دماغ میں اس قسم کے خیالات کو جگہ نہیں دینی چاہئے
ابھی سے ہی اتنی چھوٹی باتوں پر ناراضگی کا اظہار کرنا شروع کردیا تو زندگی دشوار ہوجائے
گی
مجھے غزنوی سے ہرگز نہیں کہنا چاہئے کہ وہ اپنی بہنوں کو چھوڑ کر ہنی مون منانے چل دیں
وہ کیا سوچیں گے؟
دل کہتا تھا نہیں۔ اپنی آرزوؤں اور خوشیوں کو تھپک تھپک کر سلانے کی کوشش مت کرو
دماغ کہتا تھا
نہیں' اپنے آپ کو خواہشوں اور آرزوؤں کا غلام مت بناؤ
دل اور دماغ کے درمیان ہاں اور نہیں کی تکرار بڑی دیر تک جاری رہی
لیکن نگار اور فرزانہ کی باتوں کا زہر شفق کے دل پر کچھ اس طرح اثر کرچکا تھا کہ جیت دل
کی ہی ہوئی
غزنوی شام کو آفس سے واپس آئے تو خلاف توقع شفق کا مزاج کچھ بدلا ہوا تھا
اس کی نگاہوں کا انداز ہی کچھ اور تھا
غزنوی کمرے میں داخل ہوئے تو شفق کو دیکھ کر حیران رہ گئے
شادی کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ غزنوی گھر آئے تو شفق انہیں باہر اپنا استقبال کرتی ہوئی
نہیں ملی حد تو یہ تھی کہ اس نے کپڑے تک نہیں بدلے تھے صبح کے پہنے ہوئے کپڑوں پر ان
گنت سلوٹیں تھیں چوٹی میں سے جا بجا بال نکل رہے تھے
"تم نے ابھی تک کپڑے نہیں بدلے شفق" نفیسہ بیگم نے کہا "غزنوی کے آنے کا
وقت ہو رہا ہے"۔
شفق نے بڑی بد دلی سے کہا
"ابھی بدل لوں گی"
نائلہ نے کہا
"آپ اپنے کپڑے دے دیں میں رقیہ سے استری کروادیتی ہوں"
شفق تو پہلے ٹالتی رہی' پھر بادل نخواستہ اٹھ کر وارڈ روب سے کپڑے نکال کر نائلہ کو دے
دیئے کچھ دیر بعد رقیہ نے کپڑے استری کرکے شفق کے کمرے میں رکھ دیئے۔ شفق نے ایک
نگاہ کپڑوں پر ڈالی اور منہ لپیٹ کر لیٹ گئی۔

نگار اور فرزانہ کی باتیں سن کر شفق کے دماغ میں تو لاوا پک رہا تھا۔ دل میں تو
طرف سے ناراضگی تھی پھر کپڑے بدلنے یا بال بنانے کو کیسے جی چاہتا
غزنوی پہلے تو یہ سمجھے کہ شفق کی طبیعت خراب ہے۔ لیکن چہرے پر سرد مہری
کیفیت تھی اسے دیکھ کر اندازہ ہوگیا تھا کہ طبیعت نہیں بلکہ موڈ خراب ہے۔ پھر ا
نے شفق سے یہ نہیں پوچھا کہ تمہارا موڈ کیوں خراب ہے
پہلے تو چند سیکنڈ تک وہ دروازے کے قریب کھڑے شفق کی طرف دیکھتے رہے۔
لیکن شفق صوفے کی پشت سے سر ٹکائے ان کی طرف سے قطعی لاپرواہی سے
اوراق الٹتی رہی۔
غزنوی اس کے انجان پن پر مسکرا دیے۔
وہ آگے بڑھ آئے اور شفق کے قریب بیٹھتے ہوئے بولے
"کیا بات ہے میڈم"
شفق نے کوئی جواب نہیں دیا
"طبیعت ناساز ہے کچھ"
شفق پھر خاموش رہی
غزنوی نے کہا
"اب تو مجھے یقین ہوگیا ہے طبیعت نہیں بلکہ موڈ خراب ہے"
شفق نے جواب دینا تو درکنار، نظر اٹھا کر غزنوی کی طرف دیکھا بھی نہیں
غزنوی نے پھر کہا
"ایسا کون سا گناہ سرزد ہوگیا ہے مجھ سے جو میری طرف دیکھنا بھی گوارہ نہیں"
جب غزنوی کو اپنی بات کا جواب نہیں ملا تو وہ پریشان ہوگئے
انہوں نے فکرمند ہو کر سوچا
ایسی کون سی بات ہوگئی ہے
صبح تو اس کا موڈ بالکل ٹھیک تھا
کیا میرے آفس جانے کے بعد کوئی بات ہوگئی
لیکن ایسی بات کون کرے گا جو شفق کی مرضی کے خلاف ہو
امی اور نائلہ کی فطرت کا مجھے اچھی طرح اندازہ ہے
گھر میں آنے والا کوئی اور شخص؟
ممکن ہو عزیزوں، رشتے داروں میں سے کوئی آیا ہو
اکثر لوگوں کو بلاوجہ تنقید کرنے اور اعتراض کرنے کی بھی عادت ہوتی ہے
خصوصاً "نئی دلہنوں میں تو وہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر عیب نکالتے ہیں

"آج کوئی آیا تھا"
شفق نے اتنی دیر میں پہلی بار زبان کھولی
"کوئی سے آپ کی مراد کیا ہے"
"میرا مطلب ہے کوئی عزیز، کوئی رشتے دار"
شفق نے کہا
"میری سہیلیاں آئی تھیں"
"اچھا کون سی سہیلیاں؟"
"نگار اور فرزانہ"
"کیا جھگڑا ہوگیا ہے ان دونوں سے"
غزنوی نے پھر اس کا موڈ درست، کرنے کی کوشش کی
"ان سے کیوں جھگڑا ہونے لگا میرا"
شفق کا لہجہ بہت تیکھا تھا
"نائلہ یا امی نے کچھ کہہ دیا"
"نہیں ان سے کوئی بات نہیں ہوئی"
غزنوی نے مسکراتے ہوئے کہا
"اور مجھے یاد ہے کہ، صبح میں نے بھی آپ کی شان میں کوئی گستاخی نہیں کی"۔
شفق چہرے پر خشمگیں سی کیفیت لئے بیٹھی رہی
"بھئی اب تم خود ہی بتا دو کیا بات ہوگئی ہے، تم چاہتی ہو کہ "کسوٹی" کی طرح پورے بیس
سوالات کرکے میں خود ہی پوچھوں کہ کیا معاملہ ہے؟"
شفق نے کہا
"بتانے کا کوئی فائدہ ہو تو بتاؤں بھی"
غزنوی نے ایک اطمینان بھرا سانس لیتے ہوئے کہا
"شکر اتنا تو معلوم ہوا کہ کوئی نہ کوئی تو بات ضرور ہے، اب خدارا ذرا جلدی سے بتا دو کیا
بات ہے۔ سب چائے پہ انتظار کر رہے ہوں گے"
اس دوران ڈرائیور غزنوی کا بریف کیس لے کر آیا تو غزنوی نے اس سے پیغام بھجوا دیا
کہ ہم دونوں کی چائے کمرے میں ہی بھجوا دو
پھر وہ شفق کے سامنے والے صوفے پر نیم دراز ہوتے ہوئے بولے
"ہاں تو کیا بات ہوئی؟ کس نے کہی؟"
"میری سہیلیوں نے کہی"
"میں نے پہلے ہی تم سے پوچھا تھا کہ ان دونوں سے جھگڑا ہوگیا تو تم نے انکار کر دیا"

"لیکن ان سے جھگڑا تو نہیں ہوا میرا"

"پھر"

"میرا مذاق اڑا رہی تھی دونوں"

"کس بات پر؟"

"غزنوی نے پوچھا تو شفق نے دن میں ہونے والی گفتگو مختصر بتادی"

شفق کی بات ختم ہو گئی لیکن غزنوی گہری سوچوں میں ڈوبے رہے

رقیہ ان دونوں کے لئے چائے کمرے ہی میں دے گئی۔ شفق نے غزنوی کو یوں گم سم دیکھا تو ایک لمحے کے لئے اسے اپنے رویے پر ندامت ہوئی

اس کا دل چاہا وہ نگار اور فرزانہ کی ساری باتیں ذہن سے نکال کر اپنی تمام ناراضگی کردے غزنوی سے اپنے سلوک کی معافی مانگ لے

لیکن اگلے ہی لمحے فرزانہ اور نگار کے جملوں کی ضرب نے اس کے دماغ کو خبردار کیا

"یہی تو دن ہوتے ہیں اپنی بات منوانے کے"

"شروع کے دنوں میں جیسی عادتیں ڈال دو گی' وہ ہی پختہ ہو جائیں گی"

"اگر ابھی سے تم نے ہر بات پر ان کے آگے سر جھکانا شروع کردیا تو ساری زندگی تم سر جھکا ہی رہے گا ابھی سے یہ رویہ رکھو کہ روٹھو تم اور منائیں وہ"

شفق کے چہرے کے تاثرات پھر بدل گئے غزنوی نے ٹرالی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا

"چائے بنانے کا بھی موڈ ہے یا پھر میں خود ہی بنالوں؟"

لیکن یہ بات کہتے ہوئے غزنوی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نہیں تھی وہ فکر مند اور سنجیدہ تھے۔ شفق خاموشی سے چائے بنانے لگی۔

"اپنے لئے چائے کیوں نہیں بنائی؟"

"میرا دل نہیں چاہ رہا چائے پینے کو"

غزنوی اٹھ کر بیٹھ گئے اور دوسرے کپ میں چائے انڈیلتے ہوئے بولے

"اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں کو مسئلہ بنا کر زندگی میں تلخیاں بھرنا بہت بڑی حماقت ہے"

شفق نے کچھ کہنا چاہا تو غزنوی نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا

"اس مسئلے پر مزید بات کرنا بے کار ہے؟ تم پیکنگ کرلینا آئندہ دو تین روز میں ہم روانہ ہو جائیں گے"

شفق نے حیران ہو کر غزنوی کی طرف دیکھا وہ تو سوچ رہی تھی کہ غزنوی سے جب اس مسئلے پر بات ہو گی تو وہ ناراض ہوں گے' وہ خود ان سے بھی زیادہ ناراضگی کا اظہار کرے گی ایک دو روز روٹھی رہے گی تو وہ خود ہی اسے منائیں گے اور آخر کار اس کی بات مان جائیں گے

لیکن یہاں تو اس کی توقع کے برعکس کچھ بھی نہ ہوا۔ غزنوی نے اس کا موڈ خراب دیکھ کر کتنی آسانی سے ہار مان لی تھی

چائے پی کر غزنوی بستر پر دراز ہو گئے اور آنکھیں بند کرتے ہوئے بولے

"میں چند منٹ آرام کروں گا' تم کپڑے بدل کر تیار ہو جاؤ"

شفق نے پوچھا

"کہاں جانا ہے"

"ایک پرانے دوست ہیں ڈاکٹر ریحان' ان کے گھر جانا ہے کئی دفعہ کہہ چکے ہیں' آج پھر ان کا فون آیا تھا"

جتنی دیر شفق تیار ہوتی رہی غزنوی آنکھیں بند کر کے لیٹے رہے۔ معلوم نہیں ان کی آنکھ لگ گئی تھی یا پھر ویسے ہی لیٹے تھے۔

شفق نے کئی مرتبہ ان کی طرف دیکھا۔

اس روز شفق کچھ زیادہ ہی اہتمام سے تیار ہوئی پرفیوم اسپرے کرتی ہوئی وہ غزنوی کے قریب آگئی

"اب اٹھ جایئے میں تیار ہو گئی ہوں"

غزنوی اسی طرح لیٹے رہے

دوبارہ آواز دینے پر غزنوی نے نندا سی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا اور انگلیوں سے آہستہ آہستہ آنکھوں کو ملنے لگے۔

"آپ کو نیند آرہی ہے"

"نہیں نیند تو نہیں آرہی' معلوم نہیں آج تھکن کچھ زیادہ ہی محسوس ہو رہی ہے"

یہ کہتے ہوئے غزنوی کا لہجہ کچھ عجیب سا تھا

غزنوی ابھی بستر پر ہی تھے کہ نفیسہ بیگم ان کی خیریت معلوم کرنے کے لئے اس کی طرف چلی آئیں شادی کے ابتدائی ساتھ آٹھ دنوں کے بعد غزنوی اور شفق سب کے ساتھ چائے پیتے تھے۔ کھانا بھی ساتھ کھاتے تھے آج خلاف توقع یہ نئی بات ہو رہی تھی' لیکن غزنوی نے یہ کہلوا کر دلوں میں شکوک پیدا ہونے کی گنجائش نہیں چھوڑی تھی کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے میں کمرے میں ہی چائے پیوں گا

یہ بھی غنیمت ہوا کہ نفیسہ بیگم جب غزنوی کی خیریت معلوم کرنے آئیں تو غزنوی بستر پر لیٹے تھے اور شفق کپڑے بدل کر تیار ہو چکی تھی اگر شفق بھی سر جھاڑ' منہ پہاڑ بیٹھی ہوتی تو انہیں شک گزرتا کہ دونوں میں کچھ ان بن ہو گئی ہے

نفیسہ بیگم کے ساتھ نائلہ بھی تھی

نفیسہ بیگم نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا

"غزنوی بیٹے! کیسی طبیعت ہے تمہاری؟"
"سر میں درد ہے اور کچھ تھکن بھی ہے"
غزنوی نے جمٹ کا سہارا لیا
نائلہ نے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا
"ٹمپریچر تو نہیں ہے؟"
نفیسہ بیگم نے ان کے رخسار پر ہاتھ لگا کر ٹمپریچر کا اندازہ کرنے کی کوشش کی اور
"نہیں ٹمپریچر تو نہیں ہے"
نائلہ نے شفق سے کہا
"بھابی سر درد کی کوئی گولی دے دیجئے بھائی جان کو"
شفق جو چور سی بنی کھڑی تھی اور سوچ رہی تھی کہ یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے
نائلہ کے مخاطب کرنے پر چونک گئی مگر پھر فوراً ہی اپنے آپ کو سنبھال کر بولی
"میرے پاس تو کوئی سر درد کی گولی نہیں ہے"
"اچھا پھر میں ابھی رقیہ کے ہاتھ بھجوا دوں گی"
"تم نے کپڑے نہیں بدلے غزنوی، منہ ہاتھ دھو کر کپڑے تو بدل لیتے"
"ابھی بدلتا ہوں"
غزنوی نے کہا
نفیسہ بیگم نے پوچھا
"کہیں جانے کا پروگرام ہے تم لوگوں کا؟"
"جی ہاں ڈاکٹر ریحان کے گھر جانا ہے"
"پھر کسی دن چلے جانا، آج آرام کرو"
"نہیں آج کے لئے میں نے وعدہ کرلیا ہے پہلے بھی کئی دفعہ وہ کہہ چکے ہیں اور
کر چکا ہوں"
"وعدہ کرلیا تو پھر مجبوری ہے"
نفیسہ بیگم نے کہا
نائلہ نے کہا
"نہیں امی باہر جائیں گے تو طبیعت بہتر ہو جائے گی"
"ٹھیک ہے، تھوڑی دیر آرام کرلو، پھر چلے جانا"
نفیسہ بیگم نے ایک نظر خاموش کھڑی شفق پر ڈالی جو آتشی گلابی ساڑھی میں
پیاری لگ رہی تھی۔
وہ دل ہی دل میں اس کے حسن کو سراہے بغیر نہ رہ سکیں۔

اور نائلہ دل کی بات زبان پر لائے بغیر نہ رہ سکی
"نظر اتار لیجئے گا بھابی بہت پیاری لگ رہی ہیں"
نفیسہ بیگم نے نائلہ کو سرزنش کرتے ہوئے کہا
"... اپنی نظر کیا اتارے گی یہ تو تمہارا کام ہے"
نائلہ ... مسکرا کر کہا
"چائے پھر آپ مرچیں بھجوا دیجئے۔ میں نظر اتارتی ہوں"
شفق نظریں جھکائے کچھ شرمندہ اور کچھ جھینپی جھینپی سی کھڑی تھی
نائلہ نے غزنوی سے کہا
"بھائی جان آپ نے کیا بھابی کو سزا دے رکھی ہے؟ جب سے میں کمرے میں آئی ہوں
ان بے چاری کو کھڑے ہوئے دیکھ رہی ہوں"
غزنوی نے مسکرا کر شفق کی طرف دیکھا اور سوچنے لگے
سزا تو آج انہوں نے مجھے دی ہے۔
لیکن وہ بولے کچھ نہیں۔ بس صرف سوچ کر ہی رہ گئے۔
نائلہ اور نفیسہ بیگم کے جانے کے بعد شفق نے غزنوی سے پوچھا۔
"کیا واقعی آپ کے سر میں درد ہے؟"۔
"نہیں، لیکن کوئی نہ کوئی بہانہ تو کرنا ہی تھا سب کے ساتھ چائے نہ پینے کے لئے"۔
بستر سے اٹھتے ہوئے غزنوی نے شفق کی طرف دیکھا انہیں بے اختیار اس پر پیار آیا۔
لیکن شفق کے رویے پر ان کے دل میں ابھی تک ملال تھا وہ نگاہیں چرا کر کپڑے تبدیل کرنے
کے لئے ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گئے۔
گاڑی گھر سے خاصی دور تک آگئی تھی لیکن غزنوی خاموش تھے اور روزانہ کے مقابلے
میں کچھ زیادہ ہی سنجیدہ۔
شفق کے چہرے پر ندامت تھی وہ اپنے آپ کو مجرم محسوس کر رہی تھی۔ اس نے کئی بار
غزنوی کی طرف دیکھا کچھ کہنا چاہا مگر کہہ نہ سکی اگر غزنوی ایک بات بھی کرتے تو اس کی زبان
کھلتی لیکن غزنوی تو خود چپ کی مہر لگائے بیٹھے تھے۔ آخر کار شفق سے رہا نہ گیا اور وہ
پوچھ ہی بیٹھی۔
"آپ ناراض ہیں مجھ سے؟"۔
"نہیں ناراض نہیں لیکن....."
غزنوی نے اپنا جملہ ادھورا چھوڑ۔
"لیکن؟"۔
شفق نے سوالیہ نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔

"بس! مجھے افسوس ہوا"۔
"کس بات پر؟"
"مجھے توقع نہیں تھی کہ تم جیسی تعلیم یافتہ لڑکی اس انداز میں بھی سوچ سکتی ہے"
شفق کا دل چاہا کہ وہ غزنوی سے کہہ دے
"مجھے خود اپنے رویئے پر شرمندگی ہے"
لیکن جانے کس خیال نے کس جذبے نے اس کی زبان روک لی
غزنوی نے کہا
"اور پھر یہ دیکھو کہ اس سارے معاملہ میں سیما اور یاسمین کا کوئی قصور نہیں
خود اصرار کر رہی تھیں کہ ہم دونوں سیر و تفریح کے لئے چلے جائیں۔ یہ میرا اپنا خیال
ہمیں کچھ دن بعد جانا چاہیئے"
شفق نے کہا
"لیکن میں نے ان دونوں کو تو کوئی الزام نہیں دیا"
غزنوی قدرے مسکرائے اور بولے
"اچھا گویا اس بات کا اعتراف کر لیا تم نے کہ مورد الزام میں ٹھہرا"
شفق خاموش رہی
غزنوی نے کہا
"تم نے میری بات کی تردید نہیں کی' اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو کچھ میں سمجھ رہا
ٹھیک ہے"
شفق کا موڈ ایک دم خراب ہو گیا
اس نے چڑ کے کہا
"اگر آپ سمجھتے ہیں کہ آپ قصوروار ہیں تو اس بات کا اعتراف کر لینے میں کیا

"نہیں میں تو اپنے آپ کو قصوروار بالکل نہیں سمجھتا"
"بس تو پھر اس ذکر کو یہیں ختم کر دیجئے"
"میں نے تو گھر میں ہی اپنا فیصلہ سنا کر خاموشی اختیار کر لی تھی۔ تم نے خود ہی
سے بات چھیڑی تھی"
"میں نے محسوس کیا کہ آپ کچھ ناراض ہیں اس طرح دلوں میں خفگی لے کر
کے لئے جانا مجھے اچھا نہیں لگتا"
"لیکن اب تو تمہیں معلوم ہو گیا ہے کہ میں ناراض نہیں ہوں"
"میں پھر بھی نہیں جاؤں گی"

شفق کا انداز کسی ضدی بچے کا سا تھا
غزنوی بات کو بڑھانا نہیں چاہتے تھے وہ مسکرا کر بولے
"غصہ تھوک دو اچھی بچیاں ضد نہیں کیا کرتیں"
شفق ... ل ڈالے بیٹھی رہی
غزنوی نے کہا
"موڈ ٹھیک کر لو' میرے دوستوں کے گھر والوں پر برا امپریشن تو مت ڈالنا"
"مجھے کوئی ضرورت نہیں اچھا امپریشن ڈالنے کی"
"لیکن مجھے تو ہے' چلو شاباش اس بات پر مسکرا دو"
شفق چند منٹ تک چپ چاپ بیٹھی رہی پھر خود بخود ہی اس کا موڈ ٹھیک ہو گیا۔ اس کے
ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی

پندرہ دن تک غزنوی اور شفق سیر و تفریح کرتے رہے کئی خوبصورت مقامات انہوں دیکھ ڈالے۔

غزنوی نے اسے ڈھیروں شاپنگ کرائی' وہ پندرہ دن ایک خواب کی طرح گزر گئے
طلوع ہونے والا ہر سورج شفق کو ایک خوشگوار سے احساس سے دوچار کرتا
دوپہر خوبصورت معلوم ہوتی
اور رات حسین ترین
باقی تمام سوچیں اور احساسات جانے کہاں جا سوئے تھے
فقط ایک احساس باقی تھا
غزنوی کی چاہت کا احساس
ان کے بے پناہ پیار کا احساس
غزنوی کی رفاقت' ان کی محبت کس قدر طمانیت کا احساس دلاتی تھی اسے
غزنوی اسے بہت چاہتے تھے۔
لیکن ان کی چاہت میں ایک دھیما پن تھا
ایک ہلکی' مدھم آنچ جس میں شفق کو اپنا وجود دھیرے دھیرے پگھلتا ہوا محسوس ہو رہا تھا
پیار کے اس انداز میں شعلوں کی سی لپک نہیں تھی

دریا کی سی طغیانی نہیں تھی
ندی کا دھیما پن تھا
ایک نرمی تھی' سبک رفتاری تھی
ان کی محبت میں سورج کی شعاعوں کی سی تیزی' گرمی نہیں تھی
چاند کی کرنوں کی سی ٹھنڈک تھی
یہی نرمی' یہی دھیما پن اور یہی ٹھنڈک غزنوی کے مزاج میں بھی تھی
شفق کا دل چاہتا تھا
وہ خوشگوار صبحیں کبھی نہ گزریں
وہ حسین راتیں ٹھہر کر رہ جائیں
وہ دوپہریں تھم نہ سکیں
اور وہ راتیں ٹھہر نہ سکیں
سب گردش وقت کی تابع تھیں

ان کی روانگی میں ایک دن باقی تھا۔ شفق کی خواہش تھی کہ وہ لوگ کچھ دنوں کے لئے اور ٹھہر جائیں۔ لیکن غزنوی اس بات پر آمادہ نہیں تھے انہیں احساس تھا کہ ان کی عدم موجودگی کے باعث دفتر کے کام کا سارا بوجھ ان کے ابو احسان صاحب کے اوپر تھا۔ کام کی زیادتی ان کی صحت پر بھی اثر انداز ہو سکتی ہے غزنوی ان کی صحت پر اپنی سیر و تفریح کو ترجیح نہیں دے سکتے تھے۔

اگلے روز وہ لوگ روانہ ہو گئے۔

ہاں! غزنوی نے شفق سے اس بات کا وعدہ ضرور کر لیا تھا کہ موسم سرما میں جن دنوں برف باری ہو گی وہ اسے لے کر ان مقامات پر ضرور آئیں گے
غزنوی اور شفق جب واپس آئے تو سب شفق کو دیکھ کر حیران رہ گئے
اس کا حسن پہلے سے بھی زیادہ نکھر آیا تھا

نفیسہ بیگم' سیما اور نائلہ سب اسے پیار بھری نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ غزنوی کے چہرے پر بھی تازگی اور شادابی تھی' اگلے روز وہ دونوں احتشام چچا کے گھر ملنے گئے۔ احتشام چچا اور عارفہ چچی اپنی بیٹی کو اس قدر خوش اور صحت مند دیکھ کر مسرور ہوئے جا رہے تھے۔ ٹینا کی خوشی کا بھی ٹھکانہ نہیں تھا۔ دو ہفتے بعد سیما اور نائلہ واپس چلی گئیں۔ نائلہ کا رزلٹ آ گیا تھا۔ وہ بی ایس سی میں پاس ہو گئی تھی۔ نفیسہ بیگم کی خواہش تو یہ تھی کہ نائلہ اب اپنی تعلیم کا سلسلہ ختم کر دے ان کے خیال میں پڑھ پڑھ کر اس کی صحت خراب ہو گئی تھی۔ رنگ زرد پڑ گیا تھا لیکن نائلہ کا خیال تھا کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے اس کی صحت ٹھیک ہے اکثر ماؤں کو اپنی بیٹیاں کمزور نظر آتی ہیں۔ نائلہ کا پکا ارادہ تھا کہ وہ ایم ایس سی کرے گی۔

نفیسہ بیگم نے زیادہ مخالفت کی تو اس نے غزنوی سے حمایت حاصل کرلی
نائلہ نے ایم ایس سی میں ایڈمیشن لے لیا تو انہی دنوں ایک نئی بات ہوئی۔
شادی کی ایک تقریب کے دوران نائلہ اپنی خالہ انیسہ بیگم (یاسر کی امی) کو کچھ ایسی بھائی
کہ وہ ہاتھ دھو کر یاسر کے پیچھے پڑ گئیں کہ نائلہ سے شادی کرلو۔ نائلہ انیسہ بیگم کو
بھی بھی تھی اور وہ یاسر سے اس کا تذکرہ کر چکی تھیں۔ لیکن یاسر ان کی بات پر کچھ کان نہ
دھرتے تھے۔ ہمیشہ ٹال مٹول ہی کیا کرتے تھے

"جلدی کس بات کی ہے امی"

"جلدی کیوں نہیں ہے؟"

انیسہ بیگم چڑ جاتیں

یاسر بڑے اطمینان سے کہتے

"شادی ہی کرنی ہے نا! کرلیں گے کسی دن"

ہاں جب انیسہ بیگم نے شفق کو پسند کر کے اس کے لئے بات کرنے کو کہا تھا تو یاسر نے
ضرور حامی بھرلی تھی مگر وہاں تو خیر بات ہی نہ بن سکی تھی۔

جب بھی نائلہ کا ذکر ہوا یاسر نے ایک کان سے سن کر دوسرے سے اڑا دیا' لیکن
انیسہ بیگم کچھ اس طرح یاسر کے پیچھے پڑیں کہ یاسر اپنی جان نہ چھڑا سکے یاسر کی بہن کو
بھی نائلہ بہت پسند تھی لیکن صرف اس کے پسند کرنے سے تو بات نہیں بن سکتی تھی۔
تو یاسر بھائی کو گزارنی تھی انہوں نے معلوم نہیں کیا سوچ رکھا تھا۔ نہ بہن کی سمجھ میں آیا
نہ انیسہ بیگم کی۔

یاسر کو نیم رضا مند دیکھ کر انیسہ بیگم نے اس معاملے کو مزید التواء میں ڈالنا نامناسب
سمجھا انہوں نے اسی روز پہلے تو ٹیلیفون پر یہ کہہ کر دھماکہ کیا کہ وہ نائلہ کو اپنی بہو بنانا چاہتی
ہیں جب نفیسہ بیگم نے تفصیل سے بات کرنے کو کہا تو وہ شام کو گھر پر آدھمکیں۔

شفق کے ذریعے جب یہ بات نائلہ کے کانوں میں پہنچی تو اس نے پریشان ہو کر کہا

"اب کیا ہوگا بھابھی! میں ایم ایس سی کس طرح کروں گی؟"

شفق نے بڑے اطمینان سے کہا

"اس طرح جس طرح میں نے ایم اے کیا"

"یعنی؟"

"یعنی یہ کہ اگر بہت جلدی کریں گی انیسہ خالہ انگیجمنٹ کردیں گے تمہاری"

"مجھے معلوم ہے وہ لوگ صرف انگیجمنٹ پر ہی اکتفا نہیں کریں گے ہمارے بھائی
بیچارے تو بہت صبر و تحمل والے انسان ہیں انہوں نے اتنا انتظار کرلیا سب ان کی طرح نہیں

ہو سکتے ہیں"

"اگر اس پر اکتفا نہیں کریں گے تو شادی کردی جائے گی تمہاری ایم ایس سی بعد میں کرلینا"

"جی نہیں مجھے معلوم ہے بعد میں کوئی نہیں پڑھنے دیتا"

نائلہ نے کہا

شفق نے کہا

"اگر ایسی کوئی صورت حال ہوگی تو تم یاسر بھائی سے پہلے ہی پکی بات کرلینا"

نائلہ نے مسکرا کر کہا

"یعنی آپ کا مطلب ہے کہ میں پہلے اسٹامپ پیپر لکھوالوں"

"چلو یہی سمجھ لو"

نائلہ نے کوشش تو بہت کی کہ یہ معاملہ آگے نہ بڑھنے پائے' کم از کم فی الحال بات جہاں ہے
وہیں رک جائے اس موقع پر غزنوی بھی اس کی کوئی مدد نہیں کرسکے۔ اپنی امی اور خالہ کے
سامنے ان کی بھی نہ چل سکی۔

بات ابھی بزرگوں کے درمیان طے ہو رہی تھی کہ ایک دن یاسر آگئے اتفاق سے سب
سے پہلے ان کا سامنا نائلہ ہی سے ہوا۔ غزنوی اور شفق تو گھر میں تھے ہی نہیں' نفیسہ بیگم
اور احسان صاحب ٹی وی دیکھنے میں مصروف تھے۔ نائلہ کے سلام کے جواب میں یاسر نے
بڑی رعب سے جواب دیا اور بولے

"آخر تم سے کس نے کہا تھا اس قدر بننے سنورنے کو؟"

"کیا مطلب؟"

نائلہ نے حیران ہو کر ان کی طرف دیکھا

"اب مطلب بھی میں سمجھاؤں"

یاسر نے مصنوعی غصے کا مظاہرہ کیا

نائلہ نے چڑ کر کہا

"کبھی سیدھی بات تو کرتے نہیں آپ"

"ابھی کرتا ہوں سیدھی بات"

یاسر نے لان چیئر گھسیٹ کر اطمینان سے بیٹھتے ہوئے کہا

پھر ادھر ادھر دیکھ کر انہوں نے سگریٹ نکال کر سلگائی اور دھوئیں کے مرغولے اڑانے
لگے۔ ان کا انداز کچھ ایسا تھا جیسے وہ وہاں تنہا ہی میں بیٹھے ہوں۔ اور ان کے سامنے کوئی اور
نہ ہو۔

ان کے اس اطمینان پر نائلہ جھنجلائی اور بولی

"بتانا ہے تو بتا دیجئے؟"

"بتاتا ہوں ابھی، جلدی کس بات کی ہے؟"

"میرا وقت ضائع ہو رہا ہے"

"اچھا اپنا وقت ضائع ہونے کا بڑا خیال ہے اور اب جو میری ساری زندگی خراب کر دی اس کا کوئی احساس نہیں تمہیں"

"میں کیوں آپ کی زندگی خراب کرنے لگی"

یاسر اپنی کہے گئے

"مجھے بھی تو معلوم ہو کہ آخر کون سا لباس زیب تن کر لیا تھا تم نے ارم کی شادی کے موقع پر جو میری سیدھی سادی اماں تم سے مرعوب ہو گئیں؟"

نائلہ کو یاسر کی بات پر دل ہی دل میں ہنسی تو بہت آئی لیکن وہ اپنی ہنسی ضبط کرتے ہوئے بولی

"آپ بھی تو گھسے ہوئے تھے لڑکیوں میں، آپ نے نہیں دیکھا تھا کہ میں نے کیا پہنا ہوا تھا"

"مجھے یاد نہیں۔"

"کیا خبر؟ آپ کون سا سچ بولنے والے لوگوں میں سے ہیں"

"چار دن بعد میرے پلے باندھی جانے والی ہو تم اور تمہاری یہ مجال کہ مجھے جھوٹا کہو"

"جی نہیں کسی خوش فہمی میں مت رہیے گا۔ میں نے صاف انکار کر دیا ہے"

نائلہ نے صریحا" جھوٹ بولتے ہوئے کہا اور منہ دوسری طرف کر کے مسکرانے لگی

یاسر چونک کر ایک دم سیدھے ہو … اور سگریٹ کی راکھ جھاڑ کر بولے

"تمہاری یہ جرات کہ صاف انکار کر دو"

"کیوں میں کوئی کم ہمت ہوں، آخر محمود غزنوی کی بہن ہوں"

"اپنے بھائی کو اگر محمود غزنوی بنا سکتی ہو تو میں بھی یاسر عرفات بن سکتا ہوں"

"آپ کچھ بھی بن جائیں لیکن میں انکار کر چکی ہوں"

یاسر ایک دم سنجیدہ ہو کر بولے

"کیا سچ مچ تم نے انکار کر دیا؟"

"انکار نہ کرتی تو کیا کرتی؟"

"کیوں؟ انکار کا سبب؟"

"اصل میں آپ کے پلے بندھ کر میں آپ کی ساری زندگی خراب نہیں کرنا چاہتی تھی نا! بس اس لئے....."

یاسر نے نائلہ کی بات کاٹتے ہوئے کہا

"بس رہنے دو آئیں بڑی میری ہمدرد بن کر، پہلے تو میری اماں کو رجھالیا، اب چلی ہیں لیپا پوتی کرنے"

نائلہ نے اطمینان سے کہا

"بہرحال آپ جو بھی سمجھیں، خدا کا شکر تو آپ کو ادا کرنا ہی چاہیے کہ آپ کی جان چھوٹ گئی"

"زیادہ باتیں مت کرو، اگر انکار کر چکی ہو تو اب اقرار کر لینا" یاسر نے پھر رعب جھاڑا

"واہ یہ بھی کوئی مذاق ہے، کبھی انکار کبھی اقرار اب تو جو ہو چکا سو ہو چکا" نائلہ نے سنجیدگی سے کہا

"اچھا کھاؤ قسم کہ تم نے انکار کر دیا ہے"

یاسر نے کہا

"ابھی کچھ دیر پہلے چائے کے ساتھ بہت کچھ کھایا ہے اب مزید کچھ کھانے کی گنجائش نہیں ہے"

نائلہ نے خاصی سنجیدگی سے کہا

"ساری شگفتگی اور بذلہ سنجی رخصت ہو جائے گی، تھوڑے دن ٹھہر جاؤ"

یاسر نے کہا

نائلہ نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا

"پلیز یاسر بھائی ایک بات مان لیجیے"

"اب بھی بھائی کہو گی مجھے"

"اوہ! مذاق مت کیجئے سنجیدگی سے میری بات مان لیجئے"

"پہلے لفظ بھائی ہٹاؤ"

"کیوں ہٹاؤں؟ فی الحال تو آپ بھائی ہی ہیں"

یاسر نے اسے گھورا لیکن وہ ان کے گھورنے کی پروا نہ کرتے ہوئے بولی

"خالہ امی سے کہیں مجھے ایم ایس سی تو کر لینے دیں۔"

"مغزماری کرنے کا کوئی فائدہ نہیں، بی ایس سی پاس ہونے کی صورت میں بھی تمہیں باورچن ہی رکھوں گا، ایم ایس سی کر لوگی تب بھی … بہتر ملازمت میرے یہاں تم کو نہیں مل سکے گی! اصل میں اور کوئی پوسٹ خالی ہی نہیں ہے میرے گھر میں"

یاسر نے انتہائی سنجیدگی سے کہا

نائلہ مسکرا کر بولی

"آپ مجھے باورچن بنائیں یا مالکن، لیکن مجھے ایم ایس سی کر لینے دیجئے"

یاسر نے کہا

"ارے بابا! میں تو خود چاہتا ہوں کہ تم مزید دس پندرہ سال تک کچھ نہ کچھ لکھتی پڑھتی رہو

تاکہ میری آزادی میں خلل نہ پڑے"

یاسر کسی طرح سنجیدہ ہی نہیں ہو رہے تھے نائلہ منہ بسور کر بیٹھ گئی لیکن وہ پھر بھی اسے تنگ کرنے سے باز نہیں آئے' کرسی کی پشت سے سر ٹکاتے ہوئے بولے

"اگر تم اسی طرح ذرا ذرا سی بات پر منہ پھلا کر بیٹھی رہیں تو میری زندگی اجیرن ہو جائے گی"

نائلہ نے تیور چڑھا کر کہا

"اگر اس وقت آپ نے میری یہ ذرا سی مدد نہیں کی تو اس سے بھی زیادہ تنگ کروں گی آپ کو"

یاسر ہنس کر بولا

"اور مجھے تنگ کرو گی؟ وہ صورتیں ہی اور ہوتی ہیں"۔

پھر کچھ سنجیدہ ہو کر بولے

"ویسے میری طرف سے تم پی ایچ ڈی کرو' میں تو فی الحال تمہارے سائے سے بھی بھاگنا چاہتا ہوں"

"پلیز یاسر بھائی"

نائلہ نے التجا کی

یاسر نے کہا

"اچھا بھئی! کوشش کریں گے وعدہ نہیں کرتے" پھر مسکرا کر بولے

"ویسے فی الحال ایک عدد سوٹ پہن لینے میں کیا حرج ہے"

"سوٹ پہن لیں گے تو کہیں گے کہ سہرا باندھ لینے میں کیا حرج ہے؟"

"نہیں' یہ بات نہیں کہوں گا' کیونکہ میرا ارادہ سہرا باندھنے کا تو ہے ہی نہیں' میں تو سوٹ پہن کر نکاح پڑھوانا پسند کروں گا"

نائلہ جواب میں کچھ کہنے ہی والی تھی کہ سامنے سے نفیسہ بیگم آتی ہوئی نظر آئیں

نفیسہ بیگم قریب آ کر بولیں

"ارے یاسر؟ تم کب آئے"

"جی بس ابھی آیا ہوں"

یاسر نے جھوٹ بولا

نائلہ کرسی سے اٹھتے ہوئے شرارت سے بولی

"نہیں امی' جھوٹ بولتے ہیں' بہت دیر سے آئے بیٹھے ہیں' میں نے کہا تھا کہ اندر جائیے امی ابو اندر ہیں تو کہنے لگے وہ دونوں بور کرتے ہیں"

یاسر کو اس بات پر ہنسی تو بہت آ رہی تھی لیکن وہ مصنوعی ناراضگی سے اس کی طرف دیکھنے لگے نفیسہ بیگم کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ تھی' نائلہ اپنی بات ختم کر کے اندر جانے

کے لئے مڑ گئی

کچھ نائلہ کی دعائیں اور کچھ یاسر کی کوششیں کام آئیں کہ شادی نائلہ کے ایم ایس سی کرنے کے بعد ہو جائے

نائلہ کی منگنی پر خاصہ ہنگامہ رہا' تقریب کے دوسرے روز یاسر نے فون پر نائلہ سے کہا

"دیکھا' بابدولت کو کس قدر خیال ہے تمہارا' صرف انگوٹھی پہنانے پر ہی رضامند کر لیا امی کو"

نائلہ نے انہیں چھیڑتے ہوئے کہا

"جی نہیں آپ نے کوئی کارنامہ انجام نہیں دیا ہے یہ تو میری دعائیں رنگ لائی ہیں"

یاسر نے کہا

"اچھا ٹھیک ہے' میں کل ہی امی کو بھیجتا ہوں' جب وہ خالہ جان سے کہیں گی نا! کہ [illegible] پڑھائی کی ضرورت نہیں ہے [illegible] طے کر لیں تب معلوم ہو گا کہ تمہاری دعائیں تو بالکل بے اثر ہیں"

"اچھا بھئی میں مانتی ہوں کہ آپ ہی کی کوششیں رنگ لائیں"۔

یاسر اس کی گھبراہٹ پر ہنس پڑے اور بولے

"بس! فی الحال تو میں نے اسی لئے ٹیلیفون کیا تھا' باقی آئندہ"

نائلہ نے مسکراتے ہوئے ٹیلیفون بند کر دیا

انہی دنوں غزنوی اور شفق کے درمیان پھر ایک مسئلہ زیر بحث تھا۔ شفق کا رزلٹ آنے والا تھا اور وہ بضد تھی کہ اگر اس کی کوئی پوزیشن آ گئی اور اسے کسی اچھے کالج یا یونیورسٹی میں لیکچرر شپ مل گئی تو غزنوی اسے روکیں گے نہیں' شفق جب بھی یہ ذکر چھیڑتی غزنوی اس موضوع پر بات کرنے سے گریز کرتے

اسی روز شفق کو اطلاع ملی تھی کہ آئندہ تین چار روز میں اس کا رزلٹ آنے والا ہے اس کی سہیلی نگار کا ٹیلیفون آیا تھا۔ اسی نے کہیں سے سن لیا تھا

شام کو غزنوی آفس سے آئے تو چائے کی میز پر شفق نے سب کی موجودگی میں یہ خبر غزنوی کو بھی دے دی اور ساتھ ہی یہ بھی کہا

"اب تک تو آپ نے میرے بارے میں فیصلہ کر ہی لیا ہو گا"

غزنوی نے کہا

"نہیں ابھی نہیں کیا رزلٹ تو آ جانے دو"

نائلہ' احسان صاحب اور نفیسہ بیگم سب ہی کو معلوم تھا کہ اس گفتگو کا پس منظر کیا ہے انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ غزنوی شفق کے سروس کرنے کے حق میں نہیں ہیں۔ یہ میاں بیوی کا آپس کا معاملہ تھا اس لئے ان لوگوں نے اس موضوع پر کچھ نہ بولنا ہی بہتر سمجھا

چائے پی کر جب غزنوی اور شفق اپنے کمرے میں آئے تو شفق کا موڈ خراب تھا جبکہ
غزنوی بالکل نارمل تھے
غزنوی نے کشن اٹھا کر صوفے پر نیم دراز ہوتے ہوئے کہا
"آج کیا پروگرام ہے؟"
"کوئی پروگرام نہیں"
شفق کا لہجہ خاصہ خشک اور سرد تھا
غزنوی نے محسوس تو کرلیا کہ اس کا موڈ تو خراب ہے، لیکن پھر بھی وہ مسکرا کر بولے
"میرا مطلب ہے آج کہیں جانا ہے"
"کہیں نہیں جانا"
شفق نے اسی لہجے میں کہا
غزنوی نے کہا
"مت جاؤ مگر موڈ کیوں خراب کرر کھا ہے؟"
"موڈ خراب ہونے کا سبب آپ جانتے بھی ہیں"
"میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ ذرا ذرا سی بات کو مسئلہ نہ بنایا کرو"
"مسئلہ میں بناتی ہوں یا آپ بناتے ہیں"
شفق نے غزنوی کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ ایک میگزین اٹھا کر بستر پر لیٹ گئی
غزنوی نے بہت کوشش کی کہ اس کا موڈ درست ہو جائے مگر شفق کو تو جیسے ذرا ذرا
بات پر موڈ خراب کرنے کی عادت سی پڑ گئی تھی اور غزنوی اس کی اس بات سے پریشان تھے

سپنے دیکھنا کس قدر آسان ہے مگر ان سپنوں کی تعبیریں ہمیشہ ہی خوبصورت نہیں ہوا
کرتیں
حسین خوابوں کو پلکوں پر سجا لینا کتنا سہل ہے۔ لیکن ان خوابوں کی تعبیریں کبھی کبھی ت
تکلیف دہ ہوتی ہیں
غزنوی سمجھتے تھے۔ کہ وہ جسے چاہ رہے ہیں اور اگر انہوں نے اسے پالیا تو ان کی زندگی کی
تکمیل ہو جائے گی۔ وہ ان کی زندگی میں خوشیوں اور مسرتوں کے رنگ بھر دے گی
غزنوی نے شفق کو چاہا، اسے پالیا
وہ سمجھے ان کی زندگی کی تکمیل ہو گئی ہے
ان کی خوشیوں کے رنگ محل میں چار چاند لگ گئے ہیں
لیکن ہر لمحہ، گزرتا ہوا وقت تو کچھ اور ہی کہانی سنا رہا تھا
وقت کا بہتا دریا کچھ اور ہی داستان سنا رہا تھا
باتیں اگرچہ بہت چھوٹی چھوٹی اور بہت معمولی تھیں اور کون سا گھر ایسا ہوتا ہوگا جہاں
میاں بیوی کے درمیان چھوٹی موٹی ناراضگیاں نہ ہو جاتی ہوں
ایسی ناراضگیاں زندگی میں جمود اور ٹھہراؤ نہیں پیدا ہونے دیتیں
ایسی رنجش چند لمحوں کے لئے دلوں کے درمیان فاصلے ضرور پیدا کر دیتی ہیں لیکن جب یہ

فاصلے ختم ہوتے ہیں تو قربتیں حسین تر معلوم ہوتی ہیں۔ ان ہی چھوٹی چھوٹی رنجشوں کے بعد
ہونے والے ملاپ کے لمحات زندگی کو حسن کے ایک نئے 'ایک انوکھے رنگ سے آشنا کرتے
ہیں

مگر یہی رنجشیں اور یہی ناراضگیاں جب حد سے گزر جائیں تو زندگی میں تلخیاں بھر دیتی
ہیں۔ اور شفق نے تو اب یہ وطیرہ ہی بنالیا تھا کہ ہر تیسرے 'چوتھے روز کسی بات کو مسئلہ بنا
کھڑا کردیتی جہاں کوئی بات اس کی مرضی کے خلاف ہوتی تو وہ اپنا موڈ خراب کرلیتی' غزنوی
اس ناخوشگوار سی فضا میں گھٹن کا احساس ہوتا تھا۔ انہوں نے آنکھ کھول کر اپنے گھر میں پیار
ومحبت کی فضا اور خوشگوار ماحول دیکھا تھا۔ وہ بنے ہوئے منہ اور بگڑے ہوئے موڈ دیکھنے کے
عادی نہیں تھے۔ انہیں اس قسم کی باتوں سے کوفت ہوتی تھی

غزنوی خود بھی دوسروں کے جذبات واحساسات کا احترام کرتے تھے اور اس بات کے
متمنی تھے کہ دوسرے بھی ان کے جذبات واحساسات کا احترام کریں۔ لیکن وہ محسوس کرتے
تھے کہ یہاں تو سب کچھ ہی یکطرفہ تھا۔ ان کی شادی کو ابھی وقت ہی کتنا گزرا تھا۔ لیکن
شفق کی آئے دن کی رنجشوں نے انہیں پریشان کردیا تھا

ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے شفق نے اپنی سہیلیوں 'نگار اور فرزانہ کے اس مشورے کو اپنے
دل ودماغ میں بٹھالیا تھا.... کہ روٹھو تم اور منائیں وہ.... جب ہی تو اس نے بات بات پر روٹھنا
سیکھ لیا 'غزنوی ہمیشہ ہی سے اسے منانے میں پہل کرتے تھے اس لئے شفق کو بھی بات
بات روٹھنے کی عادت سی پڑگئی تھی

غزنوی اگر شفق کو مناتے تھے تو اس لئے کہ فضا خوشگوار رہے

انہیں زندگی کو پرسکون انداز سے گزارنا اچھا لگتا تھا

زندگی میں تلخیاں بھرنا انہیں پسند نہیں تھا

انہیں احساس بھی نہ ہوسکا کہ شفق ان کی اس عادت کا غلط اور ناجائز فائدہ اٹھا رہی ہے
شفق کا رزلٹ آیا تو غزنوی بے پناہ خوش تھے۔ اس نے فرسٹ پوزیشن لی تھی۔ شفق کی
خوشی کا تو خیر ٹھکانہ نہ تھا' لیکن باقی سب لوگ بھی خواہ وہ اسکے میکے کے تھے یا سسرال کے
سب ہی خوش تھے۔ شفق کو اتنی مبارکبادیں وصول ہوئیں کہ وہ تھک گئی۔ اتنے ہار اور
پھول کہ وہ سمیٹتے سمیٹتے پریشان ہوگئی

غزنوی نے شفق کی کامیابی کی خوشی میں بہت شاندار ڈنر دیا۔ بے شمار لوگ جمع ہوئے
شفق کو کافی تحفے وصول ہوئے چند دن بڑے سکون سے گزر گئے غزنوی بھی مطمئن تھے اور
شفق بھی خوش اور مطمئن۔ پھر جس روز شفق یونیورسٹی سے اپنی مارکس شیٹ لے کر آئی
پھر وہی پرانا مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا۔ ڈیپارٹمنٹ سے لیکچرشپ کی آفر ہوئی تھی۔ ڈیپارٹمنٹ میں
دو ہی لیکچرر کی سیٹیں خالی تھیں۔ ایڈہاک کی بنیاد پر تقرر کے لئے غزنوی آمادہ نہیں تھے۔ انہوں

نے اسے سمجھایا کہ تمہیں سروس کی کیا ضرورت ہے۔ تمہیں شاعری اور افسانہ نویسی کا شوق
ہے تم اس کی طرف اپنی پوری توجہ دو ممکن ہے تمہارے بجائے کسی ایسی لڑکی یا لڑکے کا تقرر
ہوجائے جو مستحق اور ضرورت مند ہو' تم نہ مستحق ہو نہ ضرورت مند۔

شفق کے سمجھانے کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ حسب عادت اس نے غزنوی سے جی بھر کے
بحث کی اور اپنا موڈ خراب کئے رکھا۔ آخر اپنی بات منوا کر رہی اپنی بات منوانے کے بعد اس
کا موڈ پھر پہلے کی طرح تھا ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے غزنوی سے کسی بات پر ناراض ہی نہیں لیکن
غزنوی کا دل بجھ کر رہ جاتا تھا

ہر دفعہ غزنوی یہ کہہ کر اپنے آپ کو سمجھاتے

ہمیشہ وہ اپنے آپ کو تسلی دیتے

ابھی ناسمجھ ہے

ازدواجی زندگی کی پیچیدگیوں اور ذمہ داریوں سے ناآشنا ہے

شروع شروع میں عموماً" سبھی لڑکیاں حالات سے سمجھوتہ نہیں کرپاتیں۔ وقت گزرنے
کے ساتھ ساتھ ان میں سمجھ اور شعور پیدا ہوجاتا ہے۔

اور ہر مشکل مرحلے پر وہ حالات کو الجھانے کے بجائے سمجھوتہ کرنے کو ترجیح دیتی ہیں
شفق بھی ایک دن اس اسٹیج سے گزر جائے گی تو اسے اپنے پچھلے رویے پر خود ہی ندامت
ہوگی

لیکن اس بار شفق کا رویہ غزنوی کے لئے زیادہ تکلیف دہ اس لئے ہوا کہ اس کا اثر ان
دونوں کی ذات تک نہیں رہا۔ شفق کا رویہ احسان صاحب نفیسہ بیگم اور نائلہ کے ساتھ بھی
ٹھیک نہیں رہا۔ دو تین دن تک اس نے ان لوگوں سے بالکل بات ہی نہیں کی یا پھر اگر
مجبوراً" کوئی بات کرنی بھی پڑی تو اس کا لہجہ بہت روکھا پھیکا سا رہا جب کہ اس معاملہ میں ان
لوگوں کا کوئی قصور بھی نہیں تھا۔

اس معاملے میں غزنوی کے گھر والوں کا قصور تھا یا نہیں لیکن شفق کی سہیلیاں' نگار اور
فرزانہ نے تو اسے یہی سبق پڑھایا تھا کہ غزنوی کے ساتھ وہ لوگ بھی برابر کے قصوروار
ہیں۔ آخر وہ لوگ اس سلسلے میں شفق کی حمایت کیوں نہیں کررہے ہیں۔ یا پھر وہ لوگ غزنوی
کو سمجھاتے کیوں نہیں کہ وہ شفق کو سروس کرنے سے نہ روکیں۔ غزنوی پر گھر والوں کے
کہنے کا اثر تو ضرور ہوتا۔

شفق نے بھی سوچا۔ کہ نگار اور فرزانہ سچ ہی کہتی ہیں' آخر گھر والوں نے اس معاملے
میں چپ کیوں سادھ رکھی ہے جب کہ حقیقت یہ تھی کہ احسان صاحب' نفیسہ بیگم اور نائلہ
نے اس لئے خاموشی اختیار کر رکھی تھی کہ وہ میاں بیوی کے معاملے میں بولنا مناسب نہیں
سمجھتے تھے

شفق نے اپنی بات منوالی تو اس کا موڈ بھی درست ہو گیا' شام کو غزنوی آئے تو
تین روز کے برخلاف بڑے اہتمام سے تیار ہوئی تھی۔ چمپئی رنگ کے شلوار سوٹ
حسن ایک نئی اور انوکھی کہانی کہہ رہا تھا۔ بالوں کو ڈھیلے سے جوڑے کی شکل میں لپیٹ
نے چمپا کے پھول سجائے تھے۔ اس کے لباس سے اٹھتی ہوئی پرفیوم کی مہک اس کے
حشر سامان بنا رہی تھی۔

وہ سامنے والے لان کی طرف کھلنے والے دریچے میں کھڑی غزنوی کا انتظار کر رہی
غزنوی تو گاڑی سے اتر کر روز ہی اس دریچے کی طرف دیکھتے تھے لیکن گزشتہ تین روز
دریچہ ویران تھا' غزنوی کی گاڑی اندر داخل ہوتی تو ان کی پر امید نگاہیں بھٹک کر در
طرف جا ٹھہرتیں۔ اور شفق کو وہاں نہ پا کر وہ ایک گہری سانس لے کر رہ جاتے۔

آج صبح ہی آفس جانے سے پہلے غزنوی نے شفق سے کہہ دیا تھا۔

"اگر میری باتیں تمہاری سمجھ میں نہیں آتیں تو پھر جس طرح تمہارا دل چاہتا
طرح کرو"

شفق نے ان کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

غزنوی نے کہا۔

"آج یونیورسٹی چلی جانا' اپنی لیکچرر شپ کے سلسلے میں بات کر لینا"

شفق پھر بھی خاموش رہی۔

غزنوی نے اپنے بالوں میں برش کرتے ہوئے لمحے بھر کے لئے رک کر صوفے پر بیٹھ[ی]
شفق کی طرف دیکھا۔ اور بولے

"اگر کہو تو میں تمہیں یونیورسٹی چھوڑتا ہوا آفس چلا جاؤں؟"

شفق نے ان کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"شکریہ! مجھے نہیں جانا"

غزنوی اس کے قریب آکر بولے

"اب کس بات کی ناراضگی ہے؟"

"کسی بات کی ناراضگی نہیں"

"تو پھر جانے سے انکار کیوں کر رہی ہو؟"

"بس آپ ہی اپنی مرضی پوری کر لیجئے"

"اپنی مرضی پوری تو کر لوں لیکن دوسروں کی ناراضگی مجھ سے برداشت نہیں ہوتی"

"اگر ناراضگی برداشت نہیں ہوتی تو پھر تین دن تک کیوں اپنی بات پر اڑے رہے؟"

"میرا خیال تھا کہ تم ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچو گی تو میری بات تمہاری سمجھ میں آ[ئے]
گی لیکن....."

"لیکن کیا؟"

"یا تو تم نے ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچا ہی نہیں یا پھر ہمیشہ اپنی بات منوانا تمہاری
فطرت ہے"

شفق نے پھر کچھ کہنا چاہا لیکن غزنوی نے اسے مزید کچھ کہنے کا موقع نہیں دیا اس کے منہ
پر ہاتھ رکھ کر نرم لہجے میں بولے.....

"بس اب مزید جھگڑا نہیں کرتے' چلو شاباش! تم تیار ہو جاؤ میں تمہیں چھوڑ دوں گا!"

"نہیں..... میں اتنی جلدی جا کر کیا کروں گی..... آپ جائیے' میں بعد میں چلی جاؤں گی"

شفق کی ناراضگی ختم ہو گئی۔ اس کا موڈ بھی درست ہو گیا۔ غزنوی نے گاڑی سے اتر کر
کھڑکی کی طرف دیکھا تو وہ انہیں دیکھ کر مسکرائی' غزنوی بھی جواباً مسکرائے لیکن ان کی
مسکراہٹ بہت بجھی بجھی سی تھی۔ غزنوی اندر آئے تو شفق متوقع تھی کہ غزنوی اپنے اسی
والہانہ انداز کا مظاہرہ کریں گے جس کا مظاہرہ وہ ہمیشہ کرتے تھے لیکن اس کی توقع کے بالکل
برعکس غزنوی صرف مسکرا کر آگے بڑھ گئے۔

غزنوی کچھ دیر بعد منہ ہاتھ دھو کر اور کپڑے بدل کر کمرے میں آئے تو شفق صوفے پر
بیٹھی کوئی میگزین دیکھ رہی تھی۔"

غزنوی نے پوچھا۔

"چائے نہیں پیئیں؟"

"چلئے" شفق میگزین رکھ کر بولی۔

چائے پی کر دونوں اپنے کمرے میں آئے تو شفق نے کہا

"چلئے امی کی طرف چلتے ہیں"

"ٹھہر کر چلیں گے' کچھ دیر آرام کر لوں میں۔"

غزنوی آنکھیں بند کر کے لیٹ گئے

شفق محسوس کر رہی تھی کہ غزنوی کا رویہ کچھ بدلا ہوا سا ہے۔ اس نے ان کے قریب
بیٹھ کر آہستہ سے ان کے بالوں میں انگلیاں پھیریں۔

"ناراض ہیں کچھ۔۔؟"

شفق غزنوی کی طرف قدرے جھکتے ہوئے بولی۔

غزنوی نے آنکھیں کھولے بغیر جواب دیا "نہیں تو"

"مجھے تو ناراض معلوم ہوتے ہیں"

"مجھ سے تو دوسروں کی ناراضگی برداشت نہیں ہوتی پھر میں خود کسی سے کیسے ناراض
ہو سکتا ہوں؟"

شفق نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ناراضگی کا ایک ثبوت تو یہ ہے نگاہیں نہیں ملا رہے ہیں"
"نگاہیں تو کسی اور وجہ سے نہیں ملا رہا ہوں" غزنوی نے بات بنائی۔
"وہ کس وجہ سے؟"
"آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر یہی سوال کرو' جواب خود بخود مل جائے گا"
غزنوی کا جواب شفق کو سرشار کرنے کے لئے کافی تھا
یہ تو سچ تھا کہ شفق اس وقت غزنوی کو بے حد پیاری لگ رہی تھی' لیکن اس سے نہ ملانے کا سبب یہ نہیں تھا بلکہ حقیقت یہ تھی کہ اپنے ابو امی اور نائلہ کے ساتھ تم برتاؤ پر انہیں دلی رنج پہنچا تھا۔ انہیں اس بات سے سخت تکلیف پہنچی تھی کہ شفق اور ان کی آپس کی رنجش میں گھر والوں کو بھی لپیٹ لیا تھا۔ بات بڑھانا غزنوی کی فطرت تھی۔ وہ حتی الامکان گھر کے ماحول کو پر سکون رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔
غزنوی نے آنکھیں کھول کر ترچھی نظروں سے شفق کی طرف دیکھا
وہ اب تک ان کے بازو پر سر ٹکائے ہوئے تھی
اس کے لباس سے اٹھتی ہوئی ہلکی ہلکی مہک جوڑے میں لپٹے ہوئے چمپا کے گ مدھم مدھم خوشبو' غزنوی کو بے خود کئے دے رہی تھی۔
غزنوی نے اپنا دوسرا بازو اس کی پشت پر رکھتے ہوئے آہستہ سے پکارا
"شفو!"
"جی...."
"ایک بات بتاؤ"
"پوچھئے"
"تم میرے ساتھ بہت تکلیف کی زندگی گزار رہی ہو؟"
"نہیں تو"
"پھر ہمارے درمیان آئے دن یہ رنجش' یہ ناراضگی کیوں ہو جاتی ہے؟"
شفق نے سر اٹھا کر غزنوی کی طرف دیکھا مگر بولی کچھ نہیں
غزنوی شفق کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام کر چند سیکنڈ تک اس کی طرف دیکھتے رہ اسے سمجھاتے ہوئے بولے۔
"دیکھو شفو زندگی کو پر سکون اور خوشگوار انداز سے گزارنے کی کوشش کرنی چاہئے یہ روٹھنا' اور منانا بے شک اچھی بات ہے' ازواجی زندگی کی تکمیل کا ایک ہے لیکن....." وہ ایک لمحے کے لئے رکے۔
"زیادتی تو کسی چیز کی بھی اچھی نہیں ہوتی' حد سے زیادہ روٹھنا اور پھر اس بات کرنا کہ دوسرا شخص ہمیشہ نرم ہی رہے کبھی کبھی زندگی میں بہت نقصان دہ بھی

شفق نے انداز دلربائی سے غزنوی کی طرف دیکھا لیکن بولی کچھ نہیں۔ غزنوی نے آہستہ سے اس کے کان میں جھولتے ہوئے آویزے کو چھیڑتے ہوئے کہا
"ایسی ہی چھوٹی چھوٹی باتیں بعض اوقات زندگی میں اتنی گہری خلیج پیدا کر دیا کرتی ہیں کہ پھر کبھی اس خلیج کو پاٹا نہیں جا سکتا"
شفق کے پاس غزنوی کی باتوں کا کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ خاموش بیٹھی سنتی رہی پھر کچھ سوچ کر بولی۔
"آپ تو کہتے تھے کہ ناراض نہیں ہیں مگر پھر بھی آپ کے دل میں اتنے گلے شکوے ہیں"
"گلے شکوے نہیں کر رہا ہوں شفو! میں تو تمہیں سمجھا رہا ہوں...."
پھر وہ کچھ سوچ کر بولے۔
"اگر میں نے ان میں سے کوئی بات غلط کہی ہو تو بتاؤ"
شفق نے کہا۔
"نہیں۔ غلط تو نہیں"۔
غزنوی نے کہا۔
"ہاں' مگر ایک بات کا دکھ مجھے ضرور ہے"
"دکھ کس بات کا ہے؟"
"امی' ابو' اور نائلہ کے ساتھ تمہیں یہ برتاؤ نہیں کرنا چاہئے تھا...."
شفق نے انجان بن کر کہا۔
"کیسا برتاؤ....؟"
"پچھلے تین دن سے تم ان لوگوں کے ساتھ سرد مہری کا برتاؤ نہیں کر رہی ہو؟"
"آپ کو کوئی غلط فہمی ہو گئی ہے"
شفق نے فوراً "جھوٹ کا سہارا لیا۔
"غزنوی نے بات کو بڑھنا مناسب نہیں سمجھا اور بولے"
"اچھا! ہو سکتا ہے تم ہی سچ کہتی ہو لیکن اگر تم برا نہ مانو تو ایک بات کہوں...."
"جی کہئے...."
"تم ہمیشہ یہ کوشش کرنا کہ میرے اور تمہارے جھگڑے کا اثر کبھی ان لوگوں کے اوپر نہ پڑنے پائے"
"میں تو خود یہی کوشش کرتی ہوں"
شفق نے کہا لیکن دل ہی دل میں وہ شرمسار تھی۔

شفق کا تقرر اپنے ڈیپارٹمنٹ میں ہوگیا۔ بہت خوش تھی۔ زندگی خاصی مصروف ہو گئی تھی۔ ادھر شادی کے بعد سے لکھنے لکھانے کا سلسلہ بھی کچھ منقطع سا ہوگیا تھا۔ شفق نے اب اس طرف بھی خاص توجہ دینی شروع کردی تھی۔ اس نے "ینگ رائٹرز ایسوسی ایشن" کی ممبرشپ بھی حاصل کرلی تھی۔ صبح وہ غزنوی کے آفس جانے سے بھی پہلے یونیورسٹی چلی جاتی تھی۔

اب غزنوی کو آفس جانے کے وقت راہداری کے آخری سرے تک ساتھ ساتھ چل کر انہیں خدا حافظ کہنے والا کوئی نہیں ہوتا تھا۔ غزنوی کو بڑے سونے پن کا احساس ہوتا تھا انہیں یہ سب کچھ اچھا نہیں لگتا تھا مگر کیا کرتے؟ زندگی کو اچھے انداز میں گزارنے کے لئے وہ ہر ہر قدم پر سمجھوتہ کررہے تھے۔

لیکن صرف غزنوی کے سمجھوتہ کرنے سے تو بات نہیں بن سکتی تھی

شفق تو بالکل ویسی ہی تھی۔

اس نے اپنے آپ کو ذرا بھی نہیں بدلا تھا۔

وہ اپنے آپ کو بدل بھی نہیں سکتی تھی۔

اس کی سہیلیوں نگار اور فرزانہ نے اسے صحیح انداز سے سوچنے کے قابل ہی نہیں چھوڑا تھا

کبھی جو شفق نے اپنا محاسبہ کرنے کی کوشش کی بھی تو نگار اور فرزانہ کے غلط مشوروں کی صدائے بازگشت ایک شور بن گئی۔

اس شور میں اس کے اپنے دماغ کے صحیح مشوروں کی آواز دب گئی۔ کبھی چند دن اور کبھی چند ہفتے سکون سے گزرتے اس کے بعد پھر غزنوی کے لئے کوئی نیا مسئلہ کوئی نئی پریشانی کھڑی ہوجاتی۔

شفق کی سالگرہ آنے والی تھی' غزنوی کو خود شفق کی سالگرہ منانے کا بہت ارمان اور بہت چاؤ تھا۔ وہ چاہتے تھے تمام قریبی عزیزوں' رشتے داروں اور دوستوں کو جمع کرکے شاندار پارٹی دیں مگر شفق کی مرضی تھی کہ کسی عالیشان ہوٹل میں سالگرہ کی پارٹی دی جائے' غزنوی کو شفق کی رائے سے اختلاف تھا۔

وجہ یہ نہیں تھی کہ غزنوی کے پاس روپے پیسے کی کوئی کمی تھی' نہ ہی ان کی یہ خواہش تھی کہ سالگرہ کی تقریب پر کنجوسی سے خرچ کریں لیکن جھوٹی شان وشوکت اور بے جا دکھاوا انہیں پسند نہیں تھا۔ احسان صاحب اور نفیسہ بیگم نے صرف مشورتاً "یہ کہا تھا کہ جب گھر میں ہی اتنی جگہ ہے تو سالگرہ کی تقریب گھر میں کرلینے میں کوئی حرج نہیں' لیکن انہوں نے صرف اپنی رائے دی تھی اپنی مرضی مسلط کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

بہرحال خاصی بدمزگی کے بعد بمشکل تمام شفق اپنی سالگرہ گھر میں منانے پر رضامند ہوئی

لیکن اس کا موڈ خراب تھا سالگرہ والے دن محض دنیا دکھاوے کے لئے اس نے اپنے آپ کو نارمل رکھا۔

تقریب ختم ہوگئی ہنگامہ ختم ہوگیا اور شفق نے اپنے چہرے پر پڑی نقاب الٹ دی۔

مہمانوں کو رخصت کرنے کے بعد جب غزنوی اپنا تھکا ہوا چہرہ لئے اندر آئے تو شفق ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی اپنا نیکلس اتار رہی تھی۔

غزنوی نے قریب آکر اس کے شانوں پر اپنے ہاتھ رکھ دیئے۔

"ایسی بھی کیا جلدی ہے؟"

غزنوی نے مسکرا کر کہا۔

ان کی پیار بھری نگاہیں آئینے میں نظر آنے والے شفق کے عکس پر تھیں

شفق کی پلکیں جھکی ہوئی تھیں' پیشانی پر شکنیں تھیں۔ اس نے غزنوی کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ غزنوی نے نیکلس اس کے ہاتھ سے لے کر دوبارہ اسے پہنا دیا۔

غزنوی نے اس کا رخ اپنی طرف کرتے ہوئے کہا

"ابھی تو میں نے جی بھر کے تمہیں دیکھا بھی نہیں"

"دیکھ تو رہے ہیں اور کیسے دیکھیں گے"

شفق کا لہجہ تیکھا تھا۔

"مگر یہ اتنا ناراض ناراض سا چہرہ تو نہیں دیکھنا ہے مجھے"

"تو آنکھیں بند کرلیجئے۔"

"یعنی تم اپنی ناراضگی دور نہیں کرو گی"

"ان سب باتوں سے فائدہ کیا؟"

"کن باتوں سے؟"

"اس آئے دن کی جھک جھک سے تو میں تنگ آگئی ہوں"

شفق کے لہجے میں بیزاری تھی۔

غزنوی نے مسکرا کر کہا۔

"وہی تو میں بھی سمجھاتا ہوں کہ یہ آئے دن کے جھگڑے ٹھیک نہیں ہیں"

"جھگڑے کا آغاز میری طرف سے ہوتا ہے؟"

شفق کا لہجہ بے حد تلخ تھا۔

"اس سوال کا جواب تو تم ہی انصاف سے دو"

غزنوی کا لہجہ بدستور نرم تھا۔

"مجھے اگر معلوم ہوتا کہ آپ سے شادی کرکے میری زندگی کا سارا سکون ہی ختم ہوجائے گا تو میں آپ سے ہرگز شادی نہ کرتی" شفق نے کٹیلے لہجے میں کہا۔

شفق کی یہ بات سن کر غزنوی کے دل کو دھچکا سا لگا۔ ایک لمحے کے لئے ایسا محسوس
جیسے انکا دماغ سن ہو کر رہ گیا ہو۔
لڑائی جھگڑا اپنی جگہ پر.... لیکن انہیں اس بات کی توقع نہیں تھی کہ شفق ان سے اس
بیزار ہو گئی ہے۔ جب کہ انہیں یقین تھا کہ انہوں نے کبھی شفق کو کوئی تکلیف نہیں پہنچ
تھی
انہوں نے تو اسے خوش رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی۔
آج تک وہ اس کی غلط اور بیجا باتوں کو نظر انداز کرنے کی کوشش کرتے رہے تھے۔
انہوں نے تو آج تک شفق کے ناروا سلوک پر بھی اس سے کوئی گلہ شکوہ نہیں کیا تھا۔
پھر.... پھر آخر وہ کیا چاہتی تھی؟
غزنوی یہ بات آج تک نہیں سمجھ سکے تھے۔
غزنوی کا چہرہ ایک دم بجھ کر رہ گیا تھا۔
انہوں نے تاسف بھری نگاہوں سے شفق کی طرف دیکھا اور مدھم آواز میں بولے۔
"تم کیا چاہتی ہو' شفق؟ میں آج تک سمجھ نہیں سکا"۔
شفق نے کچھ جھلائے ہوئے انداز میں کانوں کے آویزے اتارتے ہوئے کہا۔
"جو آدمی خود سے کچھ نہ سمجھ سکے اس سے کچھ کہنا ہی فضول ہے....."
شفق کے تیکھے' کٹیلے لہجے کو مزید برداشت کرنا غزنوی کے لئے دشوار ہو گیا۔ وہ چپ
چاپ اس کے پاس سے ہٹ گئے' جیب سے سگریٹ کا پیکٹ اور لائٹر نکال کر انہوں نے
سگریٹ سلگائی اور دریچے میں کھڑے ہو کر سگریٹ کے کش لگانے لگے۔ ان کے دل و دماغ
اس وقت جو کیفیت تھی اسے کوئی دوسرا نہیں سمجھ سکتا تھا۔
وہ رات غزنوی کی زندگی کی بڑی سخت رات تھی۔
وہ سونا چاہتے تھے مگر نیند آنکھوں سے بہت دور تھی۔
وہ اپنے ذہن کو سوچوں سے آزاد رکھنا چاہتے تھے۔ مگر سوچیں تھیں کہ ذہن کے ہر دروازے
دور سے اندر گھسی آ رہی تھیں۔
رات کے تین بجے تک وہ کروٹ بدل بدل کر سونے کی کوشش کرتے رہے' لیکن نیند
جیسے ان کی آنکھوں تک آنے کا راستہ بھول چکی تھی۔
تنگ آ کر وہ اٹھے اور نیند کی گولیوں کی شیشی ڈھونڈنے لگے۔
انہیں تو کبھی بھی بے خوابی کی شکایت نہیں رہی تھی نہ ہی وہ اپنے پاس کسی قسم کی کوئی
کی گولی رکھتے تھے' وہ تو پچھلے دنوں ان کی امی نفیسہ بیگم کو ہائی بلڈ پریشر کی شکایت ہو گئی
انہی کے لئے نیند کی دوا آئی تھی۔ غزنوی کو معلوم تھا کہ دواؤں کی شیشیاں عام طور پر ڈائننگ
روم میں' فرج میں یا پھر سائڈ بورڈ پر ہوتی تھیں۔ وہ آہستہ سے ڈائننگ روم میں آئے

نیند کی گولی کھا کر خاصی دیر باہر راہداری میں کھڑے پچھلے چند ماہ پر غور کرتے رہے جو انہوں
نے شفق کے ساتھ گزارے تھے جب ان کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہونے لگیں تو وہ اپنے
کمرے میں چلے گئے۔
انہوں نے بستر پر لیٹ کر شفق کی طرف کروٹ بدلی۔
وہ بے خبر سو رہی تھی۔
کتنی گہری اور پرسکون نیند تھی اس کی
غزنوی نے سوچا۔
اسے اس بات کی کوئی فکر' کوئی پروا نہیں کہ اس نے اپنی باتوں سے میرے دل و دماغ کو
کتنا دکھ پہنچایا ہے' اسے اس بات کا احساس تک نہیں کہ اس نے مجھے کس قدر بے سکون
کر دیا ہے۔
غزنوی کی نگاہیں تکیے پر بکھرے شفق کے نرم' ریشمی بالوں سے الجھ کر رہ گئیں' اور
یونہی سوچوں کی رہ گزر پہ چلتے چلتے ان کی آنکھیں نیند کے بوجھ تلے جھک گئیں۔
کچھ وقت اور گزر گیا۔ ان کی شادی کو ایک سال ہونے والا تھا شفق شادی کی سالگرہ منانا
چاہتی تھی۔ غزنوی کو بھی اس پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔ اگر وہ ڈرتے تھے تو صرف اس بات
سے کہ کہیں گھر میں بھی کوئی بدمزگی نہ ہو جائے۔ شفق انہیں کئی بار اس بات کا طعنہ دے چکی
تھی کہ آپ نے اپنی بات اوپر رکھنے کی خاطر میری سالگرہ ہوٹل میں نہیں منائی۔
غزنوی کو اس کی زبان سے یہ بات سن کر افسوس ہوا تھا۔
وہ سوچنے لگے تھے.....
تعلیم یافتہ ہو کر اس کی سوچوں کا انداز جاہل عورتوں جیسا تھا۔
وہ اپنے اور تمہارے کا فرق جتانے لگی تھی۔
غزنوی نے اسے بارہا سمجھایا کہ امی ابو کو اپنے ماں باپ اور نائلہ کو اپنی بہن سمجھو۔ اس
طرح کا فرق کرنا تمہیں زیب نہیں دیتا۔
لیکن غزنوی کی سمجھائی ہوئی کوئی بات شفق کی سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ اس نے تو نگار
اور فرزانہ کو ہی ہمدرد و غمگسار سمجھ رکھا تھا۔ ان دونوں سے اس کی دوستی دن بدن بڑھتی
جا رہی تھی
شادی کی سالگرہ کا دن قریب آئے تو شفق نے غزنوی کو اپنا فیصلہ بتا دیا۔
"اگر شادی کی سالگرہ منانی ہے تو ہوٹل میں منائیے ورنہ کوئی ضرورت نہیں ہے تقریب
کرنے کی"
غزنوی نے پہلے ہی سوچ لیا تھا کہ اس موضوع پر کسی قسم کی بحث فضول ہے سوائے
بدمزگی کے اور کچھ حاصل نہ ہو گا۔

شفق کی بات سن کر انہوں نے کہا

"اچھا ٹھیک ہے....."

شفق نے کہا۔

"مجھے معلوم ہے آپ خوش ہو کر یہ نہیں کہہ رہے ہیں...."

"نہیں' ایسی تو کوئی بات نہیں ہے"

غزنوی کا لہجہ سنجیدہ تھا

شفق نے طنزیہ کہا۔

"باقی لوگوں کو بھی یہ بات ابھی سے بتا دیجئے' یہ نہ ہو کہ عین وقت پر اپنا فیصلہ سنا دیں' تقریب گھر میں ہو گی"

"فیصلہ تو پہلے بھی ان لوگوں نے نہیں کیا تھا صرف مشورہ دیا تھا"

"آپ تو ان کے مشورہ کو حرف آخر سمجھ کر فیصلے کا درجہ دیتے ہیں"

غزنوی کو شفق کی یہ بات سخت ناگوار گزری ویسے بھی شفق کی زبان سے آئے دن ا[س] قسم کی باتیں سن سن کر وہ تنگ آ چکے تھے۔ برداشت کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔

غزنوی نے خشمگیں نگاہوں سے شفق کی طرف دیکھا اور بولے۔

"میں تم سے بار بار کہہ چکا ہوں کہ تمہیں جو کچھ کہنا ہو مجھ سے کہا کرو۔ ان لوگوں کو ا[ن] تمام جھگڑوں سے الگ رکھا کرو' وہ تمہارے کسی معاملے میں دخل اندازی بھی نہیں کرتے"

شفق نے کہا۔

"میں یہ بات زندگی بھر نہیں بھول سکتی کہ آپ نے میری سالگرہ کی تقریب پر ان لوگوں کے مشورہ کو اہمیت دی اور میری خواہش اور میری آرزو کی کوئی پروا نہیں کی...."

"وہ فیصلہ کرنے میں ان لوگوں کے مشورے سے کہیں زیادہ میری اپنی مرضی کو دخل تھا' ہر بات کو غلط رنگ مت دیا کرو"

"خوب! یہ بات تو مجھے آج ہی معلوم ہوئی کہ میری خواہش اور میری خوشی آپ کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتی' آپ کی مرضی زیادہ اہم ہے...."

غزنوی نے اپنے غصہ کو برداشت کرتے ہوئے کہا۔

"تو تم کیا چاہتی ہو؟ میری اپنی مرضی کو کوئی اہمیت نہ رہے' تمہاری خواہشات کی تکمیل کی خاطر میں اپنے آپ کو اس قدر گرا دوں کہ میری اپنی حیثیت ہی نہ رہے"

شفق نے کچھ حیران ہو کر غزنوی کی طرف دیکھا

ان کا یہ لہجہ یہ انداز اس کے لئے نیا تھا۔

وہ تو ان کے پیار بھرے لہجے اور والہانہ انداز نظر کی عادی تھی۔

غزنوی کی یہ پر شکن پیشانی اور خشمگین نگاہیں شفق کے لئے بالکل نئی تھیں۔

غزنوی نے شفق کی حیران نگاہوں کی پروا نہ کرتے ہوئے کہا۔

"میں ابھی سے یہ بات واضح کر دوں کہ امی اور ابو نے اس دفعہ پہلے ہی سے مجھ سے کہہ دیا ہے کہ میں تم سے کسی قسم کی بحث کرنے کے بجائے شادی کی سالگرہ کی تقریب کا انتظام کسی اچھے سے ہوٹل میں کروں"

"اچھا"

شفق نے کچھ اس انداز سے کہا جیسے اسے غزنوی کی بات پر یقین نہ ہو۔ اس کا لہجہ کچھ طنزیہ کچھ تیکھا سا تھا۔

غزنوی نے اس کے لہجے کو نظرانداز کرتے ہوئے کہا۔

"وہ لوگ ہمیشہ تمہاری خوشی میں خوش رہتے ہیں تم بھی ان کی قدر کرو' ان کی عزت کرو۔"

غزنوی کی بات پر شفق تلملا کر بولی۔

"میں نے ان کی کون سی ناقدری' کون سی بے عزتی کی ہے؟"

"مجھ سے ناراض ہو کر غصہ ان لوگوں پر اتارنا بغیر کسی قصور کے ان لوگوں سے بات کرنا چھوڑ دینا تمہارے نزدیک قدردانی اور عزت افزائی ہے"

غزنوی غلط نہیں کہہ رہے تھے۔

شفق لاجواب ہو گئی تو چڑ کر بولی۔

"موڈ کسی اور بات پر خراب ہے' بغیر کسی سبب کے جھگڑا مجھ سے کر رہے ہیں"

"یہ خوبی تمہاری فطرت کی ہے"

غزنوی نے کہا۔

"آپ مجھ پر طنز کر رہے ہیں"

شفق قدرے اونچی آواز میں بولی۔

"طنز نہیں کیا' حقیقت بیان کی ہے"

غزنوی نے دھیمے لہجے میں کہا۔

شفق نے سخت بیزاری کے عالم میں غزنوی کی طرف دیکھا اور غصے کے عالم میں کمرے سے باہر چلی گئی' غزنوی نے اگرچہ کوئی غلط بات نہیں کی تھی۔ نہ ہی ان کا یہ سلوک بے جا تھا..... لیکن پھر بھی انہیں افسوس ہوا طنزیہ لہجے میں بات کرنے کے وہ عادی نہیں تھے۔ بلاوجہ غصہ کرنا ان کی فطرت نہیں تھی۔

انہوں نے سوچا

وہ اگر کم عقلی اور ناسمجھی کا ثبوت دے رہی ہے۔

وہ اگر بدتمیزی پر اتر آئی ہے۔

تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ میں بھی اس جیسی حرکتوں پر اتر آؤں۔ مجھے تو صبر و
دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہئے۔

اگر ہم دونوں نے ہی ایک روش اختیار کرلی تو زندگی گزارنا دشوار ہو جائے گی

اچھی عورتوں کے ساتھ تو سب ہی گزارہ کرلیتے ہیں۔

شفق جیسے مزاج والی عورتوں کے ساتھ بھی تو نباہ کرنا چاہئے

دنیا والوں کو تماشا تو دکھانا نہیں ہے۔

غزنوی نے سوچا.....

"وہ شفق سے صلح کرلیں گے۔"

اور پھر انہوں نے شفق کو منالیا۔

شادی کی سالگرہ کی تقریب اس کی مرضی کے مطابق دھوم دھام سے منائی گئی شفق
جس جس کے لئے کہا غزنوی نے اسے بلایا۔ لیکن غزنوی حیران تھے۔

شفق کی سہیلیوں اور دوستوں کی تعداد کتنی تھی

یونیورسٹی کے پروفیسر' ینگ رائٹرز ایسوسی ایشن میں شامل ہونے والے نئے شاعر' افسانہ
نگار' سب ہی اس کے دوست تھے۔

غزنوی کے خیالات دقیانوسی نہیں تھے۔

انہیں دوست بنانے پر بھی کوئی اعتراض نہیں تھا۔

لیکن ان کے اپنے نزدیک ہر بات کی ایک حد مقرر تھی۔

جب کہ انہوں نے محسوس کیا تھا کہ شفق ان حدود سے تجاوز کررہی تھی۔

انہوں نے سوچا۔

وہ کسی مناسب موقع پر شفق کو سمجھانے کی کوشش کریں گے۔

لیکن ہوا یوں کہ جب انہوں نے اس موضوع پر شفق سے بات کی تو شفق نے اپنی عادت
کے مطابق انہیں "بیک ورڈ" کا خطاب دے دیا۔

غزنوی کی باتیں سننے کے بعد اس نے مسکرا کر کہا۔

"حد ہوگئی غزنوی.... آپ اتنے سال باہر رہ کر آئے ہیں اور آپ کے خیالات اس قدر
دقیانوسی ہیں؟"

غزنوی پہلے تو سہولت سے سمجھاتے رہے' لیکن اپنی عادت کے مطابق شفق طنز و تشنیع
اتر آئی تو غزنوی کو بھی غصہ آگیا انہوں نے کہا۔

"تم نے غلط آدمی سے شادی کرلی ہے' مجھ جیسے آدمی کے ساتھ تو شاید تم کبھی بھی سکون
سے نہیں رہ سکوگی۔"

شفق نے چڑ کر کہا۔

"ہاں مجھے اس بات کا احساس ہوچکا ہے کہ میں نے غلط آدمی سے شادی کرلی ہے"

"اچھا تمہیں یہ احساس کب ہوا؟"

"کافی عرصہ پہلے"

شفق کی پیشانی پر شکنیں تھیں۔

"پھر تو تمہاری حالت قابل رحم ہے"

غزنوی نے کہا۔

شفق نے ابرو چڑھا کر کہا۔

"کیوں قابل رحم کیوں ہے؟"

"اور کیا؟ ایک شخص جسے تم ناپسند کرتی ہو' اس کے ساتھ زندگی گزارنے پر مجبور ہو۔ یہ
قابل رحم حالت نہیں تو اور کیا ہے"

"آپ میری مجبوری کا تمسخر اڑا رہے ہیں"

شفق کا پارہ کچھ اور ہائی ہوگیا۔

"میں ان لوگوں میں سے نہیں جو دوسروں کا تمسخر اڑایا کرتے ہیں"

"دل ہی دل میں اس بات پر خوش تو ہو رہے ہیں کہ ایک لڑکی مجھے ناپسند کرنے کے باوجود
میرے ساتھ رہنے پر مجبور ہے"

"میرے لئے یہ خوش ہونے کا نہیں افسوس کا مقام ہے جسے اپنے دل و جان سے قریب
سمجھتا ہوں وہ مجھ سے اس قدر دور ہے"

غزنوی نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر آنکھیں بند کرلیں۔

شفق کی باتوں سے ان کے دل کو کس قدر تکلیف پہنچی تھی' یہ وہی جانتے تھے۔

ان کے چہرے پر کرب کے آثار تھے

انہوں نے سوچا۔

میں اسے کیا سمجھتا ہوں اور میری حیثیت اس کے نزدیک کیا ہے؟

وہ.... جو اپنی تمام تر بدتمیزیوں اور خود سریوں کے باوجود آج تک مجھے عزیز ہے اس کے
دل میں میرے لئے کوئی جگہ کوئی مقام نہیں ہے۔

کس قدر بے دردی سے اس نے اس بات کا اعتراف کرلیا کہ وہ مجھے ناپسند کرتی ہے۔

کس قدر بے رحمی سے اس نے اس بات کو تسلیم کرلیا کہ وہ مجبوراً "میرے ساتھ زندگی
گزار رہی ہے۔

یہ کہتے ہوئے اسے ذرا بھی دکھ' ذرا بھی افسوس نہیں ہوا کہ میں اس کے نزدیک ایک
ناپسندیدہ شخصیت ہوں۔

غزنوی نے ایک لمحے کے لئے یہ کہہ کر اپنے دل کو تسلی دینے کی کوشش کی کہ۔

شاید میرے کانوں نے غلط سنا ہو۔
یا پھر شاید اس نے ازراہ مذاق یہ بات کہی ہو۔
غزنوی کا دل چاہا۔
شفق ان سے کہہ دے
"میں نے مذاق کیا تھا' غزنوی! آپ سچ سمجھ گئے"
انہوں نے آنکھیں کھول کر پرامید نگاہوں سے شفق کی طرف دیکھا۔
لیکن وہاں.... اس معصوم اور حسین چہرے پر محبت اور چاہت کے رقص کرتے ہوئے سائے نہیں تھے۔
وہاں تاسف اور ندامت کے بھی کوئی جذبات نہیں تھے۔
وہاں تو محض بیزاری تھی۔
اور نفرتوں کے پھنکارتے ہوئے سانپ تھے۔
غزنوی نے ایک طویل سانس لی اور مدھم سی آواز میں شفق کو پکارا
"شفق شاید تم نے مجھے سمجھنے کی کوشش نہیں کی"
"نہیں' میں نے آپ کو اچھی طرح سمجھ لیا ہے"
"اگر تم نے سمجھ لیا ہوتا تو میرے لئے اتنی غلط بات نہ کہتیں"
"میں نے آپ کو جتنا سمجھ لیا اتنا ہی کافی ہے مزید سمجھنا فضول اور لاحاصل ہے"
غزنوی پھر کچھ نہیں بولے..... انہوں نے صوفے پر نیم دراز ہو کر آنکھیں بند کرلیں
اور اس کے بعد..... وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ حالات مزید خراب ہوتے گئے۔
غزنوی اپنے اور شفق کے تعلقات کو جس قدر استوار کرنے کی کوشش کررہے تھے شفق اتنا ہی بگاڑنے کی کوشش کررہی تھی۔
آنے والے لمحات شفق کو غزنوی کے قریب تر کرنے کے بجائے دور کررہے تھے۔
ایسا لگتا تھا جیسے وقت پر غزنوی کا بالکل بھی اختیار نہیں رہا تھا۔
وہ آنے والے لمحات کو اپنی گرفت میں لینا چاہتے تھے۔
لیکن ہر لمحہ ان کی گرفت سے بچ کر وقت کے سمندر میں مہیب اور خوفناک لہریں بنا کر ختم ہوا جارہا تھا۔
گزرنے والا ہر لمحہ غزنوی کے شانوں پر ایک بار گراں بنتا جارہا تھا۔
زندگی کیسے تکلیف دہ موڑ پر آگئی تھی
غزنوی سوچتے تھے۔
ایسے لمحوں' ایسی گھڑیوں کی چاہ تو کوئی بھی نہیں کرتا
میں نے بھی یہ سب کچھ نہیں چاہا تھا۔
میں نے ہمیشہ اچھے لمحوں کے خواب دیکھے تھے۔
خداوندا! زندگی کا یہ اس قدر طویل سفر۔
اور ہر قدم پر ایسی مہیب کھائیاں۔
کیسے کٹے گا یہ سفر؟
میرے اور شفق کے درمیان یہ کیسی خلیج حائل ہوتی جارہی ہے۔
کیا ہم یونہی ایک دوسرے سے دور ہوتے چلے جائیں گے؟
غزنوی کا دماغ ماؤف ہوگیا تھا۔

ایک کے بعد دوسرا' تیسرا' چھوتھا اور پھر وقفے وقفے سے ' وقت کے دریا میں
کنکر گرتے رہے لہریں بنتی اور مٹتی رہیں۔
شفق اور غزنوی ہر بار ان مہیب لہروں کی زد میں آتے گئے۔
ان دونوں کے درمیان فاصلے بڑھتے گئے۔
نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ اب جب کبھی بھی ان دونوں کے درمیان جھگڑا ہوتا
بے باکی سے کہہ دیتی
"مجھے آپ کے ساتھ نہیں رہنا ہے' آپ مجھے طلاق دے دیجئے"
غزنوی نے جب پہلی دفعہ شفق کی زبان سے یہ جملہ سنا تو چند سیکنڈ کے لئے ان کا دما
ہو کر رہ گیا۔
ان کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت جیسے سلب ہو کر رہ گئی
وہ پلکیں جھپکائے بغیر شفق کی طرف دیکھتے رہ گئے۔
جب ان کے دماغ کی کیفیت کچھ درست ہوئی تو انہوں نے سوچا۔
شاید میرے کانوں نے غلط سنا ہو۔
شفق! ایسی بات نہیں کہہ سکتی
کوئی سمجھدار لڑکی اپنی زبان سے اتنا بھیانک لفظ نہیں نکال سکتی

کوئی عقلمند لڑکی اس قدر احمقانہ مطالبہ نہیں کر سکتی۔
لفظ زبان سے ادا کرنا بہت آسان ہے لیکن اس کے نتائج!
کیا شفق ان نتائج سے بے خبر ہے۔
اسے نہیں معلوم کہ ایک طلاق شدہ عورت کا کیا مقام رہ جاتا ہے اس معاشرے میں؟
آخر وہ کس خوش فہمی کا شکار ہے۔
کیا سوچ کر اس نے اتنی بڑی بات اس آسانی سے کہہ دی؟
اس نے شادی اور طلاق کو بچوں کا کھیل سمجھ رکھا ہے۔
اسے نہیں معلوم! یہ مشرق ہے مغرب نہیں۔
غزنوی کے دل و دماغ کی کیفیت جب قدرے بہتر ہوئی تو انہوں نے کہا۔
"تم نے کیا سوچ کر یہ بات کہی ہے' شفق؟"
شفق نے بے حد تنک کر کہا۔
"جب مرد عورتوں کی زندگی اجیرن کر دیں تو عورتیں ایسی بات کہنے پر مجبور ہو جاتی
ہیں۔"
"میں نے تمہاری زندگی اجیرن کر رکھی ہے؟"
"اور کیا کوئی کسر باقی رہ گئی ہے؟"
"اتنا ناشکرا پن مت کرو شفق! تمہیں شاید اندازہ نہیں کہ مرد عورتوں کو کس طرح عاجز
کرتے ہیں' تمہیں تو میں نے اپنی ذات سے کبھی کوئی تکلیف بھی نہیں پہنچائی"
شفق نے طنزیہ انداز سے کہا۔
"اچھا! بڑی خوش فہمی ہے' آپ کو اپنے بارے میں' میرے دل و دماغ کا سکون ختم کر کے
رکھ دیا اور کہتے ہیں کہ......" مارے غصے کے شفق نے اپنی بات بھی پوری نہیں کی۔
غزنوی نے اس وقت بات بڑھانے کے بجائے خاموش رہنا ہی مناسب سمجھا۔
غزنوی شفق کی زیادتی برداشت کر گئے۔
سہہ گئے۔
لیکن ان کے اندر کس قدر ٹوٹ پھوٹ ہوئی' اس کا اندازہ شفق کو نہیں ہوا۔
شفق نے اپنی باتوں سے ان کا دل چور چور کر کے رکھ دیا تھا۔
انہوں نے خود اپنا محاسبہ کیا
شادی کے پہلے روز سے اب تک شفق کے ساتھ اپنے سلوک کا ناقدانہ نگاہوں سے
جائزہ لیا۔
لیکن انہیں اپنے سلوک اپنے برتاؤ میں کہیں بھی تو جھول نظر نہیں آیا
انہوں نے تو ہر طرح سے شفق کو خوش رکھنے کی کوشش کی تھی۔

اس کی ہر جا و بیجا بات کے آگے سر جھکایا تھا
اس کی ہر بد تمیزی اور نا روا سلوک کو برداشت کیا تھا۔

وہ تو یہ سوچ کر کبھی کسی کے سامنے حرف شکایت' زبان پر نہیں لائے کہ کہیں نشیمن میں دھیرے دھیرے سلگتی ہوئی چنگاریوں کو ہوا دے کر لوگ انہیں شعلوں میں دیں۔

کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگوں کو تماشا دیکھنے کا موقع مل جائے۔

انہوں نے شفق کو اس کی بد تمیزی پر سرزنش کرنے کی بجائے ہمیشہ اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

انہوں نے ہمیشہ یہی کہہ کر اپنے آپ کو سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ اگر شفق نا ثبوت دے رہی ہے تو کم از کم مجھے تو عقل و خرد کا دامن تھامے رہنا چاہیے۔

"میں اپنا بنا بنایا گھر بگاڑنے کی کوشش کیوں کروں؟"

حسب عادت شفق نے ہفتہ بھر تک اپنا موڈ خراب رکھا۔ غزنوی سے بات چ رکھی۔ غزنوی بات کرتے تو جواب نہ دیتی یا پھر اٹھ کر چلی جاتی۔ خدا خدا کرکے اس درست ہوا تو کچھ دن سکون سے گزر گئے لیکن گھریلو زندگی میں جو دراڑیں پڑ چکی تھیں انہیں پر کرنا بہت دشوار نظر آتا تھا۔

یونہی روٹھتے مناتے شفق اور غزنوی کی ازدواجی زندگی کے کئی برس گزر گئے۔ اس د خاندان میں کئی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ غزنوی کی چھوٹی بہن نائلہ اور شفق کی بہن شادیاں ہو گئیں' خاندان میں اور بھی کئی شادیاں ہوئیں کئی بچوں نے جنم لیا اور کئی آخری آرام گاہ میں جا سوئے۔

غزنوی کی دونوں بہنوں یاسمین اور سیما کے شوہروں نے واپس وطن آکر اپنا کا شروع کر دیا۔

اس دوران غزنوی اور شفق کے یہاں بھی ایک بیٹے مہروز اور بیٹی افق نے جنم باپ کی ازدواجی زندگی کی تلخیوں کے درمیان دونوں بچے پرورش پاتے رہے۔ مہروز پیدا غزنوی سمجھے کہ اب ان کی زندگی سے تلخیوں کے بادل چھٹ جائیں گے۔

شفق اپنے بچے میں مصروف ہو جائے گی تو اس کے دماغ میں بیکار سوچیں اور خیالات بسیرا نہیں کریں گے' شاید اس میں کچھ عقل اور کچھ سمجھ بھی پیدا ہو جائے۔

لیکن یہ محض غزنوی کا خیال خام نکلا۔
شفق ویسی کی ویسی رہی۔
مصروف تو وہ پہلے بھی رہتی تھی۔
صبح سے دوپہر اسے یونیورسٹی میں ہو جاتی تھی پھر لکھنے کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا لیکن

کے باوجود کسی نہ کسی بات پر غزنوی سے الجھنے کا وقت نکال لیتی تھی۔

حالات بہتر تو کیا ہوتے اور بدتر ہی ہوتے چلے گئے ان کی زندگی میں افق کی آمد بھی حالات کو سنوار نہ سکی۔

ابتدا میں غزنوی اور شفق کے جھگڑے صرف ان دونوں تک اور پھر غزنوی کے گھر والوں تک محدود رہے باہر کے کسی فرد کو ان دونوں کی رنجشوں اور ناراضگیوں کا علم نہ ہو سکا۔ شروع کے دو تین سال تک تو شفق نے بھی اپنے میکے جاکر سسرال کی کوئی بات نہ کی لیکن پھر اس نے اپنے اور غزنوی کے جھگڑوں کا ذکر گھر میں بھی کرنا شروع کر دیا

عارفہ بیگم بہت سمجھدار خاتون تھیں اور اپنی بیٹی کے مزاج اور فطرت سے بھی واقف تھیں انہوں نے اس کی باتوں پر کان دھرنے کی بجائے اسے ہی سمجھانے کی کوشش کی۔ غزنوی کتنے نیک طبیعت اور اپنی بیوی کو چاہنے والے شوہر تھے۔ اس کا اندازہ بھی انہیں اچھی طرح تھا وہ جانتی تھیں کہ ان کی بیٹی اپنے شوہر اور سسرال کی قدر نہیں کر رہی ہے۔

عارفہ بیگم' شفق کے معاملے میں اپنی تربیت اور اپنے لاڈ پیار کو بھی قصوروار نہیں ٹھہرا سکتی تھیں اپنی باقی اولاد کی تربیت بھی انہوں نے اسی انداز سے کی تھی اپنے بچوں کو انہوں نے اسی لاڈ پیار سے پالا تھا جس طرح شفق کو' اب اگر شفق کی ازدواجی زندگی تلخ گزر رہی تھی تو اس کے لئے قصوروار خود شفق کی اپنی فطرت اور اپنا مزاج تھا۔ عارفہ بیگم کو احساس تھا کہ ان کی بیٹی جب غزنوی جیسے انسان اور اتنے اچھے ساس سسر کے ساتھ گزارہ نہیں کر سکتی ہے تو اس کا نباہ دنیا کے کسی دوسرے مرد اور کسی بھی خاندان کے ساتھ نہیں ہو سکتا تھا۔

آخر ثمینہ بھی تو تھی جس کا شوہر بے شک اچھا تھا بہت اچھا تھا لیکن اس کا اور غزنوی کا تو کوئی مقابلہ ہی نہیں تھا لیکن اس کی زندگی بڑے اچھے انداز سے گزر رہی تھی۔

غزنوی کی امی اور ان کے ابو احسان صاحب سے بھی شفق کے انداز پوشیدہ نہیں تھے وہ سب کچھ بڑی خاموشی کے ساتھ دیکھ رہے تھے انہیں معلوم تھا کہ شفق کو سمجھانا بیکار ہے وہ ان لڑکیوں میں سے تھی ہی نہیں جو دوسروں کی سمجھائی ہوئی باتوں پر کان دھرتی ہیں یا اپنی غلطی کا اعتراف کرکے شرمسار ہوتی ہیں۔

اور رہ گئے غزنوی تو انہیں وہ لوگ کیا سمجھاتے؟
جب کہ وہ لوگ جانتے تھے کہ غلطی غزنوی کی تھی ہی نہیں۔
نہ ان کی طرف سے کبھی زیادتی ہوئی تھی۔
نہ وہ کبھی اپنی طرف سے بات بڑھاتے تھے۔

احسان صاحب اور نفیسہ بیگم یہ جانتے تھے کہ غزنوی اور شفق کی ازدواجی زندگی کی متزلزل عمارت اگر اب تک کھڑی ہوئی تھی تو اس کی وجہ صرف اور صرف غزنوی کا تحمل'

کی نیک فطرت اور ان کے مزاج کا دھیما پن تھا۔ غزنوی کی جگہ اگر کوئی اور شخص
شفق کی زندگی کا فیصلہ اب سے کئی سال پہلے ہو چکا ہوتا شفق کی اتنی بدتمیزی اور گستاخی کی
سزا اسے بہت پہلے مل چکی ہوتی۔

غزنوی کی زندگی کو یوں بے سکون دیکھ کر احسان صاحب اور نفیسہ بیگم کا دل بہت دکھتا
لیکن وہ بے بس تھے کچھ نہیں کر سکتے تھے سوائے دعاؤں کے۔

ان کے بڑے بیٹے تیمور اور تینوں بیٹیاں اپنے اپنے گھروں میں پرسکون زندگی بسر کر رہے
تھے۔ وہ دعائیں کرتے تھے کہ شفق کو بھی عقل اور سمجھ آ جائے وہ اپنا بنا بنایا گھر برباد نہ کرے
لیکن محض ان کی دعاؤں سے تو کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ اور نہ اکیلے غزنوی کی کوششیں
متزلزل عمارت کو گرنے سے بچا سکتی تھیں اس عمارت کو گرنے سے بچانے کے لئے شفق کو
بھی تو کوئی مثبت کردار ادا کرنا چاہئے تھا لیکن وہ شاید گزرتے ہوئے وقت کے ایک ایک لمحے
کو گنوا دینے پر آمادہ تھی روز و شب کا ایک طویل قافلہ تھا جو چپ چاپ گزر رہا تھا۔

آتی جاتی رتوں کا ایک کارواں تھا جو ماہ و سال کے حصار میں گھرا ہوا تھا اور بڑی خاموشی
سے گزر رہا تھا۔

پل ساعت لمحے سب وقت کے دریا میں ایک ایک کر کے گر رہے تھے۔

اور دریا کا بہاؤ ساگر کی طرف تھا۔

چاہتیں، محبتیں، رفاقتیں، سب مہیب لہروں کی آغوش میں گم ہوئی جا رہی تھیں۔

اگر کچھ باقی رہ گیا تھا تو نفرت اور بیزاری

یہ نفرت اور بیزاری یکطرفہ ہی تھی۔

غزنوی تو اب بھی اچھے لمحوں کی آس پر زندہ تھے۔

وہ چند دن جو سکون سے گزر جاتے تھے غزنوی کے لئے قیمتی اثاثہ بن جاتے تھے۔

ان کا دل چاہتا تھا۔

ان پرسکون دنوں کے ایک ایک لمحے کو اپنے بازوؤں میں جکڑ لیں۔

انہیں جانے نہ دیں انہیں گزرنے نہ دیں

مگر کس قدر بے بس تھے وہ

وقت کا ہر لمحہ ان کی گرفت سے آزاد ہو کر دور بھاگ رہا تھا۔

وہ چاہتے تھے۔

ان کی آپس کی رنجش کا اثر ان کے بچوں مہروز اور رافق پر نہ پڑے لیکن گزرتا وقت
ان بچوں کو بہت سی باتیں وقت سے پہلے ہی سمجھا رہا تھا

شفق کو تو جیسے اب غزنوی کا ساتھ چند منٹ کے لئے بھی گوارا نہیں تھا

بعض اوقات تو اسے اپنے دونوں بچے بھی زہر لگنے لگتے تھے۔

کبھی کبھی وقت اس گھر اور گھر کے لوگوں سے ایک شدید قسم کی نفرت اور بیزاری کا
احساس اس کے دل و دماغ میں سما جاتا تھا۔

اس کا دل چاہتا تھا ان سب کو چھوڑ چھاڑ کر کہیں چلی جائے۔

غزنوی بھی آخر انسان تھے۔ وہ کب تک برداشت کرتے ان کا صبر و ضبط بھی اب بڑی حد
تک جواب دے چکا تھا۔ کبھی کبھی وہ تلخ و ترش ہو جاتے شفق کی بدتمیزی اور گستاخیوں پر چڑ کر
وہ بھی سخت ہو جاتے مگر پھر اپنے رویئے پر انہیں خود ہی افسوس ہوتا
کبھی اپنے مزاج کی اس تبدیلی پر وہ خود ہی فکرمند ہو جاتے اور سوچتے۔

مجھے کیا ہوتا جا رہا ہے؟

مجھے ایسا نہیں کرنا چاہئے

وہ یہ جاننے کے باوجود کہ غلطی سراسر شفق کی ہی تھی اس سے سمجھوتہ کر لیتے۔

لیکن اتنے سال گزر جانے کے باوجود غزنوی سمجھ نہیں سکے تھے کہ شفق آخر کیا چاہتی
ہے؟

وہ کیوں ان کے ساتھ خوش نہیں رہتی۔؟

ان کی شادی کوئی زبردستی کا نتیجہ نہیں تھی۔

وہ صرف بزرگوں کے فیصلے کا نتیجہ بھی نہیں تھی۔

اور یہ بھی نہیں تھا کہ ان دونوں کو ایک دوسرے کو سمجھنے اور پرکھنے کا موقع نہ ملا ہو
شفق نے اچھی طرح سوچنے سمجھنے کے بعد ہی غزنوی سے شادی کرنے کا فیصلہ کیا تھا

پھر اس کے دل میں نفرتوں نے کیوں بسیرا کر لیا تھا؟

اس کے دماغ میں بیزاریاں کیوں آسمائی تھیں؟

غزنوی جانتے تھے کہ شادی سے پہلے اس نے کسی کو چاہا بھی نہیں تھا۔

پھر وہ اپنے ہاتھوں اپنے نشیمن میں آگ لگانے پر کیوں آمادہ تھی؟ غزنوی یہ سمجھنے سے
قاصر تھے۔

غزنوی نے بھی شفق کے علاوہ کبھی کسی لڑکی کو نہیں چاہا تھا لیکن پھر بھی مورد الزام
ٹھہرائے جاتے تھے۔

ادھر چند سالوں سے تو شفق نے فارینہ کی ذات کو طعنہ بنا کر غزنوی کے دل پر چرکے لگانے
شروع کر دیئے تھے۔ غزنوی کہہ کہہ کر تنگ آ چکے تھے کہ انہوں نے فارینہ کو کبھی نہیں چاہا
لیکن شفق کا خیال تھا کہ وہ جھوٹ بولتے ہیں۔ وہ بارہا طنزیہ انداز سے کہہ چکی تھی کہ اگر
آپ کو ایک دوسرے سے محبت نہیں تھی تو فارینہ اب تک آپ کے نام پر کیوں بیٹھی ہوئی
ہے؟

غزنوی نے غلط بیانی سے کبھی کام نہیں لیا تھا۔ اپنی اور فارینہ کی داستان (بقول شفق کے)

لفظ بہ لفظ وہ شفق کو سنا چکے تھے اور اس حقیقت کا اعتراف بھی وہ کھلے دل سے کر چکے تھ فارینہ انہیں چاہتی تھی اور اب بھی چاہتی ہے لیکن وہ کسی کی چاہت اور اس کی محبت پہرے تو نہیں بٹھا سکتے تھے فارینہ کے چاہنے کا یہ مطلب کیسے نکلتا تھا کہ وہ خود بھی اس محبت میں گرفتار تھے۔

شفق کو جھگڑا کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی بہانہ چاہئے تھا۔

اس روز ہوا یوں تھا کہ غزنوی مہروز اور افق کو لے کر یاسر کے گھر گئے تھے ان دونوں اپنی چھوٹی پھوپھی نائلہ سے بہت پیار تھا۔ پھر نائلہ کے بچوں "گوشی" شانی اور ابی کے سا بھی ان کی بہت دوستی تھی وہاں فارینہ بھی آئی ہوئی تھی یاسر اور نائلہ کے اصرار پر وہ لو رات کو کھانے پر رک گئے یاسر کے ہی کہنے پر واپسی میں غزنوی نے فارینہ کو اس کے گھ ڈراپ کردیا غزنوی کے دل میں کوئی چور تو تھا نہیں، جو وہ بچوں کو منع کرتے کہ اپنی ام سامنے اس بات کا ذکر نہ کرنا کہ ہم نے آنٹی کو ان کے گھر پر ڈراپ کیا ہے گھر پہنچے تو افق فارینہ کا ذکر کرتے ہوئے کہیں اس کی تعریف کردی۔ غزنوی بھی وہیں بیٹھے تھے انہوں اس بات کو کوئی اہمیت ہی نہیں دی لیکن شفق کے لئے یہ بہت اہم بات تھی۔

اس کا موڈ تو کسی اور ہی بات پر دو دن پہلے سے خراب تھا بات بات پر غزنوی سے الجھ تھی اور غزنوی طرح دے رہے تھے انہیں اندازہ ہو چکا تھا کہ وہ ہر صورت میں ان سے علیٰ ہونا چاہتی ہے جس کا اظہار وہ ایک بار نہیں بار بار کر چکی تھی۔ افق کی زبان سے فارینہ کا ذ سن کر اس نے طنزیہ انداز سے غزنوی کی طرف دیکھا۔

غزنوی کوئی میگزین دیکھنے میں محو تھے شفق اس وقت تو بچوں کی موجودگی کا خیال کر خاموش رہ گئی۔ بعد میں جب شفق اور غزنوی کمرے میں تنہا رہ گئے تو شفق حسب عاد غزنوی سے الجھ پڑی۔

"کہئے ملاقات کر آئے فارینہ سے؟"

اس کا لہجہ طنز سے بھرپور تھا۔

غزنوی نے بڑی رسانیت سے کہا۔

"میں فارینہ سے ملاقات کرنے تو نہیں گیا تھا"

"اچھا تو پھر کس لئے گئے تھے؟"

"تمہیں معلوم تو ہے بچے نائلہ سے ملنے کے لئے ضد کر رہے تھے۔"

"اور آپ کا دل فارینہ سے ملنے کے لئے مچل رہا ہوگا؟"

شفق تیکھے انداز سے مسکرائی

غزنوی نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہاری یہ غلط فہمی کس طرح دور کروں؟"

"غلط فہمی ہوگی تو دور کریں گے نا آپ' میں تو حقیقت بیان کر رہی ہوں"

"تم اسے حقیقت سمجھتی رہو' لیکن میرا دل اور ضمیر مطمئن ہے' اس لئے نہ مجھے کوئی خوف ہے نہ کسی بات کا ڈر"

"جی ہاں چوری اور سینہ زوری اسی کو کہتے ہیں"۔

غزنوی نے بڑے تحمل سے اس کی بات کو سنا اور بولے۔

"تم پڑھی لکھی عورت ہو' سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بھی رکھتی ہو' پھر اس قسم کی پست ذہنیت کا مظاہرہ کیوں کر رہی ہو"۔

شفق نے زہر خند لہجہ میں کہا۔

"آپ کی صحبت میں رہ کر میری ہر اچھی صلاحیت زنگ آلود ہو چکی ہے"

"ہاں یہ احساس تو تم مجھے بار بار دلا چکی ہو کہ میں بے حد برا آدمی ہوں"

"لیکن پھر بھی اپنی اصلاح کرنے کی کوشش آپ نے کبھی نہیں کی"

"تمہاری بات درست ہی سہی لیکن کیا برے آدمیوں کے ساتھ گزارا نہیں کیا جاتا؟"

"مجھے کوئی شوق نہیں ہے' برے آدمی کے ساتھ گزارا کرنے کا"

"شوق تو کسی کو بھی نہیں ہوتا' لیکن وقت اور حالات برے آدمیوں کے ساتھ گزارا کرنے پر بھی مجبور کر دیتے ہیں"

شفق تلملا کر بولی۔

"آپ میرا تمسخر اڑا رہے ہیں"

"نہیں میں حقیقت بیان کر رہا ہوں"

"آپ تو اس احساس سے سرشار ہیں کہ میرا ساتھ دینے والا کوئی نہیں ساری دنیا آپ کی ہمدرد ہے سب آپ کو مظلوم سمجھتے ہیں' لیکن....."

وہ ایک لمحہ کے لئے رکی۔

غزنوی نے استفہامیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"لیکن....؟"

"آپ لوگ مجھے اتنا مجبور بھی نہ سمجھئے میں اگر اپنی ضد پر آگئی تو دنیا کے کسی آدمی کی بھی پرواہ نہیں کروں گی اور آپ کو تو مجھے چھوڑتے ہی بن پڑے گی....."

غزنوی شفق کے تمتمائے ہوئے چہرے کی طرف دیکھتے رہے۔

شفق نے کہا۔

"کسی زعم میں مت رہیے گا' غزنوی صاحب میں اگر چاہوں تو ایک دن آپ کو بھی اتنا مجبور کر سکتی ہوں کہ آپ کے لئے مجھے طلاق دیئے بغیر کوئی چارہ نہیں رہے گا"

"تم نے یہ بھی سوچا کہ اس کے بعد تمہاری کیا حیثیت' کیا مقام رہ جائے گا معاشرے

میں؟"

"یہ سارے اصول و قوانین بھی آپ جیسے مردوں کے ہی بنائے ہوئے ہیں جن کی مجھے نہیں....."

"اچھا اور تمہارے بچے؟ ان کی بھی کوئی پروا نہیں تمہیں؟"

شفق نے بے حد نفرت بھرے انداز میں کہا۔

"بچے! بچے بھی میری راہ کی دیوار نہیں بن سکتے"

غزنوی نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"مہروز کی بات تو خیر جانے دو' وہ لڑکا ہے لیکن کل جب افق بڑی ہوگی اور اس کے رشتے کی بات چلے گی تو تمہارے خیال میں یہ موضوع زیر بحث نہیں آئے گا کہ افق کی ماں کو طلاق کیوں ہوگئی تھی۔ خدا نہ کرے جو ایسا ہو"

غزنوی کی آنکھوں میں آنے والے وقت کے خوفناک لمحوں کے سائے کانپ رہے تھے۔

شفق نے لاپرواہی سے کہا۔

"کوئی نیا نکتہ سامنے لائیے غزنوی صاحب' یہ ساری باتیں میرے اور آپ کے درمیان بارہا ہو چکی ہیں ان پر مزید بحث لاحاصل اور بے سود ہے..."

غزنوی چند منٹ گہری سوچوں میں ڈوبے بیٹھے رہے پھر بڑی رسانیت سے بولے

"میں تم سے ایک بات پوچھتا ہوں ویسے تو اس سے پہلے بھی کئی بار پوچھ چکا ہوں لیکن تمہارے جواب سے کبھی مطمئن نہیں ہوا"

شفق نے ان کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"جب پہلے کبھی مطمئن نہیں ہوئے تو کیا ضروری ہے کہ آج مطمئن ہو جائیں گے"

"اگر سچ سچ بتاؤ گی تو کیوں نہیں مطمئن ہوں گا...."

شفق خاموش رہی۔

غزنوی نے کہا۔

"یہ بات تو واضح ہو چکی کہ تمہیں مجھ سے نہ محبت ہے اور نہ پیار کبھی رہی تھی اس کے باوجود تم نے مجھ سے شادی کا فیصلہ کیوں کرلیا؟ جب کہ یہ بات تم اچھی طرح جانتی ہو کہ اگر دو چار دفعہ انکار کرتیں تو تمہیں کوئی مجبور نہیں کر سکتا تھا"

شفق بے حد چڑ کر بولی۔

"مجھے نہیں معلوم میں نے یہ فیصلہ کیوں کرلیا تھا؟ کیوں میری عقل پر پتھر پڑ گئے تھے؟"

شفق نے کہنے کو تو یہ بات کہہ دی لیکن یہ فیصلہ کرنے کے پیچھے حقیقت کیا تھی یہ جاننے کے باوجود وہ اس حقیقت کا اظہار غزنوی کے سامنے نہیں کر سکتی تھی بلکہ کرنا ہی نہیں چاہتی تھی۔

شفق غزنوی سے یا کسی اور شخص سے یہ بات کیسے کہہ سکتی تھی کہ اس نے اگر غزنوی سے شادی کرنے کا فیصلہ کیا تھا تو اس کے فیصلے میں پسند' چاہت اور محبت کے جذبے سے کہیں زیادہ دخل ایک اور جذبے کا تھا اور وہ تھا جذبہ رقابت۔

غزنوی اسے بتا ہی چکے تھے کہ ان کی امی کا پہلا نظر انتخاب فارینہ تھی' لیکن کیونکہ وہ خود فارینہ کے لئے رضامند نہیں تھے بلکہ خود ان کی نظر انتخاب شفق تھی۔

شفق نے سوچا کہ میرے انکار پر ممکن ہے غزنوی کی امی انہیں فارینہ سے شادی کرنے پر مجبور کریں اور یہ بات شفق کے دل نے گوارا نہیں کی کہ فارینہ کو غزنوی کا ہوتا ہوا دیکھ سکے۔ اس نے سوچا غزنوی کو صرف اور صرف میرا ہی ہونا چاہئے آخر وہ کسی اور لڑکی کے شریک سفر کیوں بنیں۔

غزنوی کے لئے اگرچہ شفق کے یہ طنزیہ جملے یہ چبھتی ہوئی باتیں' یہ لہجہ اب نیا نہیں رہا تھا لیکن پھر بھی ہر دفعہ جب ان دونوں کے درمیان اس قسم کی چپقلش ہوتی تھی غزنوی کو پہلے سے کہیں زیادہ دکھ اور تکلیف کا احساس ہوتا تھا ان کے دل و دماغ پہ منوں بوجھ آگرتا تھا۔

غزنوی کے شب و روز اچھے دنوں کی آس میں گزر رہے تھے وہ ہر لمحے شفق کے سدھر جانے کی دعا کرتے تھے لیکن شفق کے قدم اب کسی اور ہی سمت اٹھ رہے تھے۔ اب اسے اپنے گھر اپنے شوہر اور اپنے بچوں سے کوئی مطلب نہیں رہا تھا۔ آدھا دن یونیورسٹی میں گزار دینا' اس کے بعد آئے دن کی ادبی محفلیں اٹینڈ کرنا' گھر میں بھی ہر وقت لکھنے لکھانے میں مصروف رہنا۔ بس یہی اس کی زندگی رہ گئی تھی اس کے اور غزنوی کے کمرے اب الگ الگ ہو چکے تھے۔

عزیزوں اور رشتہ داروں کے گھر اس نے کافی عرصہ سے جانا چھوڑ دیا تھا ماں باپ کے گھر بھی اب برائے نام ہی جاتی تھی۔ وہاں جانا اسے اس لئے پسند نہیں تھا کہ اسے ماں باپ کی نصیحتیں سننی پڑتی تھیں۔ عاصم اور وکی کی بیویوں مونا اور شہلا کی طنزیہ باتیں سننی پڑتی تھیں۔ اس نے سوچا اس سے بہتر ہے کہ کسی سے ملا ہی نہ جائے۔

غزنوی کی زندگی جس طرح برباد ہوئی تھی اس پر اپنے پرائے سبھی افسوس کرتے تھے ماں باپ بھائی اور بہنوں کی آنکھیں تو اشکبار رہتی ہی تھیں' عزیز رشتے دار بھی ان کے غم میں شریک تھے۔

یاسر' غزنوی کے خالہ زاد بھائی' بہنوئی اور عزیز دوست بھی ان کی جتنی زیادہ دوستی یاسر سے تھی اتنی اپنے کسی اور کزن سے نہیں تھی غزنوی کی ساری زندگی یاسر کے سامنے تھی وہ اگر ایک طرف غزنوی کے لئے پریشان اور افسردہ تھے تو دوسری طرف وہ یہ بھی سوچتے تھے کہ خود میں بھی تو شفق کے لئے امیدوار تھا اگر میری شادی شفق سے ہو گئی ہوتی تو آج یہی حشر میرا بھی ہوتا جو شفق نے غزنوی کی زندگی کا کر رکھا تھا۔

شفق اب ادھر کچھ عرصہ سے جس راستے پر چل پڑی تھی اس کا علم کسی کو نہیں تھا، سے پہلے یا سرنے ہی اسے دیکھا اور چونک پڑے۔

عارف فیضی سے شفق کی پہلی ملاقات ان کے افسانوں کے مجموعے "وقت کی دہلیز" رونمائی کے موقع پر ہوئی تھی۔ اس کے بعد دوسری ملاقات اس وقت ہوئی جب ینگ رائٹرز ایسوسی ایشن نے ان کے ساتھ شام منائی۔ شفق اب ینگ رائٹرز ایسوسی ایشن کی صدر شفق سے ان کا تعارف ہوا ان کی شاعری اور افسانہ نگاری کیسی تھی یہ ایک الگ بات شفق کو تو ان کی پرسنالٹی نے متاثر کیا تھا۔ اس نے بہت سے شاعروں اور بہت سے ادیبوں دیکھا تھا لیکن ان کے حلئے اس قدر عجیب ہوتے تھے کہ شفق کو انہیں دیکھ کر ہنسی آتی تھی۔ خود بہت نفاست پسند اور خوب صورت تھی اوروں کی نفاست پسندی اسے متاثر کرتی تھی عارف فیضی میں شاعروں اور ادیبوں والی کوئی بات بظاہر نظر نہیں آتی دیکھنے میں وہ بے ڈیسنٹ قسم کے انسان نظر آتے تھے وہ خوبرو بھی تھے اور خوش مزاج بھی۔

شفق سے وہ بڑی اچھی طرح ملے خود شفق کی شخصیت بھی دوسروں کو متاثر کرنے کے لئے کسی طرح کم اہم نہیں تھی۔ دونوں ہی نے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر اتفاقات حالات کو سازگار بناتے چلے گئے۔

عارف فیضی کے افسانوی مجموعے کی رونمائی پر شفق کا تعارف ان سے کرایا گیا اور پھر اپنی ایسوسی ایشن کے باقی عہدیداروں کی مرضی سے عارف فیضی کے ساتھ شام منانے کا فیصلہ شفق نے کیا۔

آفس کے فون پر ان سے رابطہ قائم نہ ہو سکا۔ تو شفق کو ان کے گھر جانا پڑا وہ ایسوسی ایشن کے جنرل سکریٹری علی رضا کے ساتھ ان کے گھر جا پہنچی۔

شفق کی شخصیت ایسی تو نہیں تھی کہ عارف فیضی اسے بھول گئے ہوتے وہ اسے اپنے گھر پر دیکھ کر چونکے بھی اور دل ہی دل میں خوش بھی ہوئے۔

"ارے! آپ؟"

عارف فیضی ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہی ٹھٹک گئے۔

"جی آپ مجھے پہچان گئے۔؟"

شفق کے دل کی مسرتیں اس کے چہرے پر کرنوں کی مانند جگمگا اٹھیں۔

یہ احساس اس کے لئے واقعی طمانیت بخش تھا کہ عارف فیضی نے اسے یاد رکھا تھا۔

یہ خیال ہی اس کے لئے دل خوش کن تھا کہ وہ اسے دیکھتے ہی پہچان گئے تھے۔

شفق کے لئے یہ بہت بڑی بات تھی۔

اس طمانیت بخش احساس اور اس دل خوش کن تصور نے چند لمحوں کے لئے اس حسن کو ایک انوکھا سا روپ بخش دیا۔

وہ کچھ سرشار سی کھڑی پلکیں جھپکائے بغیر ان کی طرف دیکھتی رہی۔

عارف فیضی کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ تھی۔

انہوں نے علی رضا سے ہاتھ ملایا اور صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولے۔

"تشریف رکھیے"

شفق کی طرف دیکھتے ہوئے ان کے ہونٹوں پر بکھری ہوئی مسکراہٹ خود بخود گہری ہو گئی۔

"کہیے کیسے زحمت کی آپ لوگوں نے؟"

انہوں نے شفق اور علی رضا کی طرف دیکھا

علی رضا نے کہا۔

"دراصل ہم لوگ اس لئے حاضر ہوئے ہیں کہ آپ کے قیمتی وقت میں سے کچھ لمحات حاصل کر سکیں"

عارف فیضی مسکرائے۔

"آپ مجھے ناحق شرمندہ کر رہے ہیں میرا وقت اتنا قیمتی بھی نہیں جتنا آپ لوگ سمجھ رہے ہیں"

علی رضا نے کہا۔

"ہماری ایسوسی ایشن کے ممبران کی خواہش ہے کہ آپ کے ساتھ ایک شام منائی جائے۔"

عارف فیضی کچھ منکسرالمزاجی سے بولے۔

"میں اتنا اہم نہیں ہوں کہ آپ لوگ میرے لئے اس قسم کی تقریب منعقد کریں"

علی رضا نے کہا۔

"یہ تو آپ کی کسر نفسی ہے جناب"

"نہیں بھئی میں حقیقت بیان کر رہا ہوں"

"بات یہ ہے فیضی صاحب کہ بعض لوگوں کو اپنی اہمیت کا خود احساس نہیں ہوتا"

علی رضا نے کہا۔

عارف فیضی نے اپنے قریب رکھا ہوا سگریٹ کا پیکٹ اٹھاتے ہوئے شفق کی طرف دیکھا اور قدرے مسکرا کر بولے۔

"خاتون! اگر آپ اجازت دیں تو....."

شفق ان کی بات کا مطلب سمجھ کر بولی۔

"جی ہاں ضرور، پوچھنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"میرے خیال میں خواتین کی موجودگی میں سگریٹ نوشی سے پہلے اجازت لے لینا مناسب ہے اکثر خواتین سگریٹ نوشی کو پسند بھی تو نہیں کرتیں۔"

"میں ان خواتین میں سے نہیں ہوں"
عارف فیضی نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔
"اچھا' شکریہ بہت بہت شکریہ"
علی رضا نے پھر اپنے مطلب کی بات کی۔
"پھر آپ نے کیا فیصلہ کیا ہم لوگوں کے حق میں؟"
"میں نے کہا نا! میں واقعی اس قابل نہیں ہوں"
"لیکن میں نے بھی تو عرض کیا کہ آپ کو اپنی اہمیت کا اندازہ نہیں ہے"۔
عارف فیضی نے کہا۔
"میں تو اتنا جانتا ہوں کہ شاعری اور افسانہ نگاری میرا شوق ہے میں اپنے شوق کی تک کرتا ہوں اب یہ میں نہیں جانتا کہ کتنے لوگ میری تحریریں پڑھتے ہیں اور ان میں سے انہیں پسند کرتے ہیں"۔
علی رضا نے کہا۔
"ایک وسیع حلقہ ہے جو آپ کی تحریروں کو پڑھتا ہے۔ اور انہیں پسند بھی کرتا ہے"۔
علی رضا نے اپنے جملوں میں مزید اضافہ کرتے ہوئے کہا۔
"اور آپ کے افسانے تو خصوصاً" پڑھنے والوں کے لئے بہت سبق آموز ثابت ہ گے"
شفق خاموش بیٹھی ان دونوں کی گفتگو سن رہی تھی عارف فیضی نے ایک لمحہ کے لئے کی طرف دیکھا اور بولے
"آپ کوئی رائے نہیں دے رہی ہیں شاید آپ نے میری کوئی تحریر نہیں پڑھی"
"نہیں میں تو بہت شوق سے پڑھتی ہوں آپ کی تحریریں"
شفق کے ہونٹوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ تھی
"اچھا بڑی نوازش"۔
عارف فیضی مسکرائے
علی رضا نے کہا
"تو پھر کیا سوچا آپ نے؟ کس دن اور کتنے بجے کا وقت دے سکیں گے آپ؟"
عارف فیضی نے کہا
"اگر آپ اپنی بات پر مصر ہی ہیں تو پھر اگلے ہفتے کوئی بھی دن رکھ لیجئے"
علی رضا نے کہا
"بس تو پھر بدھ کا دن ٹھیک رہے گا کیوں مسز غزنوی"
"جی ہاں' بالکل مناسب ہے"

"اور میرے خیال میں وقت پانچ بجے کا رکھ لیتے ہیں آپ کو سہولت رہے گی فیضی صاحب؟"
"جی بدھ کے دن مجھے بالکل فرصت ہے"
"اچھا تو اب اجازت دیجئے"
"ایسی بھی کیا جلدی ہے ایک کپ چائے ہی پی لیجئے میرے ساتھ"
عارف فیضی مسکرائے
"چائے پھر کبھی سہی"۔
شفق نے کہا
"نہیں بس چند منٹ اور میرا خیال ہے ملازم چائے لے کر آتا ہی ہوگا"
اور ملازم کی بھی بڑی عمر تھی وہ جملہ ختم ہونے سے پہلے ہی چائے کی ٹرالی دھکیلتا ہوا اندر داخل ہوگیا
عارف فیضی نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا
"ماشاءاللہ علیم الدین بڑی لمبی عمر ہے تمہاری"
علیم الدین نے چونک کر کہا
"جی صاحب کیا فرمایا ہے آپ نے"
"میں یہ کہہ رہا تھا کہ تمہاری لمبی عمر ہے! ابھی میں تمہیں ہی یاد کر رہا تھا"
علیم الدین نے بڑی بیزاری سے کہا
"کیا کرنا ہے صاحب بڑی عمر لے کر"
"کیوں بھائی خیریت تو ہے؟ اس قدر بیزاری کا مظاہرہ!"
"جی صاحب جتنی لمبی عمر ہوگی اتنا ہی گناہوں میں اضافہ ہوگا اس سے بہتر ہے جتنی جلدی اس دنیا سے چھٹکارہ حاصل ہو جائے"
عارف فیضی مسکرا کر بولے
"نہیں بھئی! تم جیسے لوگوں کے گناہوں میں اضافہ ذرا مشکل سے ہی ہوتا ہے"۔
علیم الدین نے چائے کپ میں انڈیلتے ہوئے کہا۔
"جن کے گناہوں کی تعداد پہلے ہی بہت زیادہ ہو اسے تو ہر لمحے خدا سے ڈرنا چاہئے"۔
علی رضا نے کہا
"کیوں؟ بڑی گناہگار زندگی بسر کی ہے تم نے؟"
"صاحب اس کا فیصلہ تو اوپر والا ہی کر سکتا ہے"
عارف فیضی نے کہا
"نہیں بھئی یہ تو نیک آدمی ہے ڈر اور خوف کچھ زیادہ ہی سمایا ہوا ہے اس کے دل میں"

علیم الدین نے چائے بنا کر سب کو پیش کی نمکین اور میٹھے بسکٹوں کی پلیٹ بھی آگے بڑھا
لیکن شفق اور علی رضا نے محض چائے لینے پر ہی اکتفا کیا۔

تقریب والی شام کو بڑی دیر تک عارف فیضی کے ساتھ بیٹھنے اور ان سے باتیں کرنے کا موقع ملا، علم وادب سے ہٹ کر بھی ان دونوں کے درمیان خاصی باتیں ہوئیں اس ملاقات میں دونوں ایک دوسرے کی ذاتی زندگی کے بارے میں کچھ تھوڑا سا جان گئے دونوں کو احساس ہوا تھا کہ دونوں ایک دوسرے سے کچھ کم متاثر نہیں ہوئے ہیں۔

تقریب کا اختتام ہوا۔ لوگ ایک ایک کرکے رخصت ہوئے شفق اور عارف فیضی کا ساتھ تمام وقت رہا تھا اس وقت بھی وہ دونوں چند نو آموز شاعروں اور افسانہ نگاروں کے ساتھ کھڑے تھے جو سب کے سب نہ صرف عارف فیضی کے بلکہ شفق کے بھی مداح تھے کچھ دیر بعد وہ لوگ رخصت ہو گئے تو عارف فیضی اور شفق تنہا رہ گئے

"اب آپ سے کب ملاقات ہوگی"

شفق ان کے اچانک اس طرح پوچھنے پر پہلے تو چونک سی گئی پھر بولی

"یہ تو مجھے بھی نہیں معلوم اور پھر یہ اتنا ضروری بھی نہیں ہے"

"ہاں، ضروری تو نہیں ہے لیکن اگر ملاقات ہو جائے تو کچھ حرج بھی نہیں"

شفق نے مسکرا کر کہا

"بس تو پھر کسی ایسی ہی تقریب کا انتظار کریجئے آپ کے اعزاز میں نہ سہی کسی اور کے اعزاز میں سہی لیکن بہرحال مدعو تو آپ کو بھی کیا جائے گا"

عارف فیضی نے ازراہ مذاق کہا۔

"خدا جانے ایسی کوئی تقریب اب کب منعقد ہوگی؟"

شفق ایک دم ہنس پڑی

چند لوگوں کے آجانے سے گفتگو کا رخ بدل گیا اور کچھ دیر بعد سب اپنے راستوں پر چل دیئے۔ پھر وقت کے دوڑتے بھاگتے لمحات شفق اور عاف فیضی کی ملاقات کے لئے موقع فراہم کرتے گئے

ایک طرف دوریاں بڑھتی گئیں
اور دوسری طرف فاصلے سمٹتے گئے

غزنوی اور شفق کے درمیان قائم ہونے والی خلیج وسیع تر ہوتی چلی گئی
اور عارف فیضی اور شفق کے درمیان کھڑی ہوئی اجنبیت اور تکلف کی دیوار کمزور ہوتے ہوتے آخر کار ایک دن ڈھے گئی

اس روز شفق کی گاڑی خراب تھی تو ایک ادبی تقریب سے واپسی پر عارف فیضی کے ساتھ گھر واپس آگئی غزنوی کو پتہ نہیں چلا وہ کس کے ساتھ آئی ہے عارف فیضی اسے باہر چھوڑ کر

چلے گئے۔ ہاں، یاسر نے ضرور ان دونوں کو دیکھ لیا وہ غزنوی کی طرف آرہے تھے لیکن پھر جانے کیا سوچ کر انہوں نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا۔ وہ غزنوی کے گھر نہیں گئے۔ سڑک پر ہی سے واپس لوٹ گئے اس سے پہلے بھی وہ ایک دفعہ شفق کو عارف فیضی کے ساتھ دیکھ چکے تھے یاسر مشاعرے سننے کے خاصے شوقین تھے اور اسی نسبت سے وہ عارف فیضی کو پہچانتے تھے یاسر کی ہمت نہیں پڑی کہ وہ اس واقعہ کا ذکر غزنوی سے کریں۔ اور آج دوسری بار بھی ان دونوں کو ساتھ دیکھ کر وہ غزنوی سے ملے بغیر لوٹ گئے

یاسر نے وہ رات سخت الجھن میں گزاری

ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ غزنوی سے اس بات کا تذکرہ کریں یا نہ کریں

وہ نائلہ سے اس بات کا تذکرہ نہیں کرنا چاہتے تھے

انہیں معلوم تھا کہ غزنوی کی بہن ہونے کے ناطے نائلہ کو سخت تکلیف پہنچے گی

وہ پہلے ہی اپنے بھائی کی برباد زندگی پر دل برداشتہ تھی

یاسر نے سوچا

اگر وہ غزنوی سے عارف فیضی کا تذکرہ نہیں کرتے تو ممکن ہے کہ بات آگے بڑھتی چلی جائے اور اگر غزنوی سے کچھ کہتے ہیں تو ان کے دل کی خدا جانے کیا کیفیت ہوگی وہ اس بات کو برداشت بھی کر پائیں گے یا نہیں

بہت سوچنے کے بعد یاسر نے یہی فیصلہ کیا کہ انہیں غزنوی کو بتا دینا چاہیے۔

اور دوسری طرف اگلے روز عارف فیضی فون پر شفق سے بات کر رہے تھے

"شفق آپ کسی روز غزنوی صاحب اور بچوں کو لیکر آیئے نا"

"جی! جی، اچھا کسی روز لاؤں گی"

شفق کے لہجے کی گھبراہٹ اور پریشانی عارف فیضی سے چھپی نہ رہ سکی

انہوں نے پھر کہا

"کیا بات ہے آپ ہمیں ملانا نہیں چاہتیں ان سے؟"

"نہیں نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں"

شفق ان کے اس جملے پر مزید گھبرا گئی

عارف فیضی نے ہنستے ہوئے کہا

"کل بھی آپ نے باہر سے ہی مجھے رخصت کر دیا جب کہ میں متوقع تھا کہ آپ مجھے اندر بلائیں گی"

شفق نروس ہو کر بولی

"دراصل کل بہت زیادہ دیر ہو جانے کی وجہ سے میں اس قدر گھبرائی ہوئی تھی کہ مجھے خیال ہی نہ رہا آپ کو اندر بلانے کا...."

عارف فیضی نے کہا

"غزنوی صاحب ناراض ہوتے ہوں گے اتنی تاخیر سے گھر پہنچنے پر"

"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں، میں اس اسٹیج سے بہت آگے نکل آئی ہوں جہاں مجھ
کوئی ناراض ہو سکے یا مجھے کچھ کہہ سکے"

شفق کے لہجے میں نہ چاہتے ہوئے بھی تلخی گھل گئی

عارف فیضی نے اس کے لہجے کی تلخی کو واضح طور پر محسوس کیا

انہوں نے پھر کہا

"میرا خیال ہے کہ غزنوی صاحب یقیناً "کوئی بہت ہی شاندار سی ہستی ہوں گے جب
آپ ان کو اس قدر چھپا چھپا کر رکھتی ہیں....."

شفق ان کی بات سن کر خاموش رہی کچھ سوچ میں ڈوب گئی

عارف فیضی نے کہا

"یقیناً "میرا خیال' میرا اندازہ درست ہے"

"اپنا اپنا انداز نظر ہوتا ہے مجھے نہیں معلوم آپ ان سے مل کر کیا تاثر قائم کریں
بشرطیکہ آپ ان سے مل سکیں"

"کیوں ان سے ملنا ممکنات میں سے ہے؟"

"قبل از وقت میں کچھ نہیں کہہ سکتی"

عارف فیضی شفق کے لہجے کے اتار چڑھاؤ میں کھو کر رہ گئے اس کے جملوں کو معنی
رہے

شفق نے رسٹ واچ دیکھ کر کہا

"اچھا فیضی صاحب! میں اجازت چاہوں گی میری کلاس شروع ہونے والی ہے"

شفق نے ریسیور رکھتے ہوئے اطمینان کا سانس لیا

غنیمت تھا کہ اس وقت ہیڈ آف دی ڈیپارٹمنٹ کے کمرے میں کوئی نہیں تھا اور
بھی گھر جا چکے تھے

شفق کو فون کرنے کے بعد عارف فیضی کافی دیر تک گہری سوچوں میں ڈوبے بیٹھے رہ
ان کی سوچوں کا مرکز اس وقت صرف شفق تھی شفق کے بارے میں اڑتی اڑتی خ
انہوں نے بھی سنی تھیں اور دوران گفتگو چند لوگوں کے سامنے جب شفق کا ذکر آیا تو
نے ہی عارف فیضی کو بتایا تھا کہ

شفق کی ازدواجی زندگی اچھی نہیں ہے

کسی نے غزنوی کو مورد الزام ٹھہرایا

کسی نے کہا کہ نہیں خطاوار شفق ہے

ی نے کہا کہ غزنوی نے اس پر بے جا پابندیاں عائد کر کے اسے خود سری پر مجبور کر دیا

ی نے کہا کہ شفق فطرتاً "خود سر اور گستاخ ہے اس نے اپنے شوہر کی کبھی عزت نہیں کی
آگے اسے کبھی کچھ نہ سمجھا۔

ی نے کہا کہ غزنوی کو شفق کی شہرت پسند نہیں وہ اس سے حسد کرنے لگے ہیں

ض کہ جتنے منہ تھے اتنی ہی باتیں

یقت کیا تھی یہ گھر والے ہی جانتے تھے یا پھر وہ جو غزنوی اور ان کے گھر والوں کے
ب تھے

ارف فیضی کو اتنا اندازہ تو ضرور تھا کہ شفق کی ازدواجی زندگی میں دراڑیں پڑ چکی ہیں
یہ گمان انہیں نہیں تھا کہ شفق اور غزنوی کے درمیان فاصلے اس حد تک بڑھ چکے ہیں
اب ان فاصلوں کا سمیٹنا ممکن نہیں

ہاں انہیں شفق کی ازدواجی زندگی کے بارے میں تجسس ضرور تھا
وہ یہ جاننا چاہتے تھے کہ آخر کیوں ان دونوں کے تعلقات اس حد تک بگڑ گئے؟
اس کے ساتھ انہیں اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ ایک نہ ایک دن شفق خود انہیں اپنے
ے میں سب کچھ بتا دے گی

نا سمجھ تو تھے نہیں جو شفق کی نگاہوں کو نہ پہچانتے
ور خود ان کا انداز نظر بھی تو شفق سے کچھ مختلف نہیں تھا

ناول کا تیسرا حصہ

بادل

جو ساگر تھی
وُہ دریا ہُوئی
پھر بادل بنی
اور لُوند رہی

یاسر نے فیصلہ کرلیا تھا کہ وہ غزنوی کو عارف فیضی اور شفق کے بڑھتے ہوئے میل جول
ے آگاہ کردیں گے۔ اس کے بعد غزنوی سے ان کی ملاقات ہوئی تھی، لیکن غزنوی کا چہرہ
دیکھ کران کی ہمت جواب دے گئی۔ وہ ان سے کچھ بھی نہ کہہ سکے
وقت اور حالات نے غزنوی کے ساتھ جو مذاق کیا تھا اس کو ہنستے کھیلتے سہہ جانا اب
غزنوی کی برداشت سے باہر ہوچکا تھا
غزنوی کا ہنستا مسکراتا چہرہ اب بجھ کر رہ گیا تھا
نگاہوں میں ہر وقت گہری سوچیں اتری رہتی تھیں
چہرے پر ہر وقت حزن وملال چھایا رہتا تھا
وہ بہت کوشش کرتے تھے کہ انکے دل پر جو گزرتی ہے اس کا اظہار ان کے چہرے سے نہ
ہونے پائے
لیکن ان کا چہرہ آئینہ بن گیا
دل کے جذبوں کا آئینہ
وہ دوسروں کے سامنے اور خصوصاً اپنے بچوں کے سامنے ہنستے مسکرانے کی ہی کوشش
کیا کرتے تھے لیکن
دل کے درپہ اب ان کا اختیار نہیں رہا تھا

ہر مسکراہٹ ایک کھلا ہوا زخم بن کر راز دل کو عیاں کر دیتی تھی
اپنی ہنسی کے کھوکھلے پن سے وہ خود ہی ڈر جاتے تھے
انہیں احساس تھا کہ ابھی ان کی زندگی کا بہت سارا سفر باقی ہے
اونچی نیچی پر پیچ راہوں سے گزر کر اب وہ جس موڑ پر پہنچے تھے وہ اور بھی زیادہ خطرناک
تھی ان کے اور شفق کے درمیان اب اتنی خوفناک کھائی حائل ہو چکی تھی کہ اب زندگی کا
سفر کو ساتھ ساتھ طے کرنا غزنوی کو مشکل ہی نہیں ناممکن سا نظر آ رہا تھا
ان کی ساری کوششیں رائیگاں گئی تھیں
وہ بہت سوچتے تھے لیکن نہ تو انہیں یاد آتا تھا اور نہ ہی ان کی سمجھ میں آتا تھا کہ ان سے
کون سے گناہ سرزد ہوئے ہیں جن کی سزا وہ بھگت رہے تھے
اور سزا بھی ایسی جس کا سلسلہ ختم ہونے میں نہیں آتا تھا
وقت کچھ اور آگے بڑھ گیا

شفق نے غزنوی کی طرف سے جو نگاہیں پھیری تھی تو اب اسے نگاہ اٹھا کر غزنوی کی
طرف دیکھنا بھی گوارہ نہیں تھا
غزنوی بہت سخت بیمار پڑے انہیں فلو ہو گیا تھا لیکن شفق نے ان کی تیمارداری کرنا تو
گھڑی بھر کے لئے ان کے پاس کھڑے ہو کر ان کا مزاج پوچھنا بھی گوارہ نہیں کیا
نفیسہ بیگم دن رات بیٹے کی پٹی سے لگی بیٹھی رہیں یا افق نے اپنی بساط بھر اپنے ابا کی
خدمت کی
پریشانیوں کے یہ دن بھی کسی نہ کسی طرح گزر ہی گئے۔ لیکن نفیسہ بیگم کے صبر کا
اب لبریز ہو چکا تھا۔
غزنوی کی عیادت کے لئے سبھی آتے رہتے تھے ان کی بہنیں، بہنوئی، خالہ، ماموں
خود شفق کی امی ابو، بھائی بھاوجیں، لیکن شفق جس کردار کا مظاہرہ کر رہی تھی اس نے
بیگم اور احتشام صاحب کو خود اپنی نگاہوں میں گرا دیا تھا۔ وہ غزنوی کی عیادت کے لئے
ضرور تھے لیکن شرمندگی اور ندامت کے بوجھ تلے ان کے سر جھکے ہوئے تھے۔ ان کا
نہیں چلتا تھا کہ اپنی بیٹی کا گلا اپنے ہاتھوں سے دبا دیں
شفق کو سمجھانے کی اسٹیج تو اب گزر چکی تھی۔ اب اگر کبھی اپنی بیٹی سے ان کا سامنا
تھا تو وہ اسے سرزنش ہی کرتے تھے۔ غزنوی کی بیماری کے دوران عارفہ بیگم نے جی بھر
اپنے دل کا غبار نکالا دل بھر کے شفق کو ڈانٹا ڈپٹا۔
لیکن ان تمام باتوں کے جواب میں شفق نے انتہائی نفرت اور بیزاری کا مظاہرہ کر
ہوئے کہا
"ہنہ! آپ تیمارداری کی بات کرتی ہیں، اور اس شخص کی جس کی شکل دیکھنے کو بھی میرا

نہیں چاہتا...."
عارفہ بیگم نے طیش بھری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا اور بولیں
"جب اس شخص کی شکل دیکھنے کی روادار نہیں ہو تو اس کے گھر میں کیوں رہتی ہو؟"
شفق نے بے حد ڈھٹائی سے کہا
"اس کی ذمہ دار میں نہیں، آپ لوگ اور خود وہ شخص ہے جس کا آپ ذکر کر رہی ہیں"
"خدا کا کچھ خوف کرو کم عقل لڑکی! اور اس وقت سے ڈرو جب تمہاری یہ ناسمجھی، یہ اکڑ
یہ غرور تمہیں آٹھ آٹھ آنسوں رلائے گا"
شفق نے طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا
"خوب! آپ میری ماں ہیں اور مجھے بد دعائیں دے رہی ہیں، مجھے کوس رہی ہیں"
"اور تم! تم نے بیٹی ہو کر میرے اور اپنے باپ کے دل کو جس طرح دکھایا ہے اس کا
احساس بھی ہے تمہیں؟"
شفق نے ان کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا
عارفہ بیگم نے کہا....
"اور اس شخص کا ذکر ہی کیا جس کی زندگی کو تم نے برباد کر کے رکھ دیا، تم سمجھتی ہو کہ
خدا تم سے اس کا حساب نہیں لے گا؟ آخر کیا دکھ پہنچایا تھا اس نیک انسان نے تمہیں؟"
"ان دکھوں کی بات تو خیر آپ جانے ہی دیں، اب تو میں صرف ایک بات جانتی ہوں کہ
میرا دل جب ایک شخص کے ساتھ رہنا گوارہ نہیں کرتا تو آپ لوگوں نے اور خود اس آدمی
نے مجھے کیوں مجبور کر رکھا ہے؟ کیوں میرے پاؤں میں زنجیریں ڈال کر رکھی ہیں؟"
عارفہ بیگم نے تلملا کر کہا
"اب اور کتنی ناقدری کرو گی تم غزنوی کی اور کتنا ناشکرا پن کرو گی خدا کا، غزنوی کے
بجائے اگر تمہاری شادی کسی اور سے ہوتی تو اپنی ان حرکتوں کا مزا تم پہلے ہی چکھ چکی ہوتیں
اور تمہارے ساتھ ہم بھی سزا بھگت رہے ہوتے"
شفق نے بڑی بیزاری سے کہا
"اور یہ بھی ممکن تھا کہ اگر غزنوی کے بجائے میری شادی کسی اور سے ہوتی تو میں اس
قدر عذاب نہ جھیل رہی ہوتی"
عارفہ بیگم نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر کہا
"اف خدایا۔ تو ہی اس لڑکی کو [illegible] دے، اسے سیدھا راستہ دکھا، اس کی عقل پہ پردے
پڑے ہوئے ہیں...."
پھر انہوں نے گہری سانس لے کر کہا
"چلو اب اس بد نصیب کو بھی جانے دو، لیکن اپنی اولادوں کو تو خیال کرو، پانچ چھ برس بعد

تمہاری بیٹی جوان ہو جائے گی' کل اسے بھی دوسرے گھر جانا ہے' اس کے مستقبل کے بارے
میں بھی کچھ سوچا ہے تم نے؟"
شفق چڑ کر بولی
"امی! میں ایک دفعہ نہیں بے شمار دفعہ کہہ چکی ہوں مجھے اس گھر میں کسی کی ذات سے
کسی کے مستقبل سے کوئی دلچسپی نہیں' اس گھر میں اب ایک لمحہ رہنے کو میرا دل نہیں چاہتا
ہے میرا دل چاہتا ہے میں ان سب کو چھوڑ کر کہیں دور چلی جاؤں"
عارفہ بیگم نے طیش میں آ کر کہا
"تو جاؤ دفع ہو جاؤ ہم سب کی نظروں کے سامنے سے' کیوں اس گھر کے لوگوں کی زندگی
عذاب بنائے ہوئے ہو...."
دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے انہوں نے پلٹ کر غصے سے شفق کی طرف دیکھا
بولیں
"اپنی کوکھ سے تمہیں پیدا کر کے میں اپنے آپ کو گناہگار سمجھنے لگی ہوں کاش میں
تمہیں پیدا ہی نہیں کیا ہوتا تو آج دنیا والوں کے سامنے میں اس طرح شرمندہ نہیں ہوتی"
آنکھوں میں آنسو لئے عارفہ بیگم کمرے سے باہر نکل گئیں
نفیسہ بیگم سے ان کا سامنا ہوا تو وہ اپنے جذبات پر قابو نہیں رکھ سکیں' ان کا صبر
جواب دے گیا۔ دل کا سارا غبار آنسوؤں کی صورت میں بہہ نکلا۔ وہ نفیسہ بیگم کے پاس
بیٹھی سسکیوں اور ہچکیوں سے روتی رہیں۔ آنسو تھمے تو شفق کو برا بھلا کہتی رہیں۔ نفیسہ
انہیں تسلی اور دلاسے [illegible] بھی تو کس طرح! خود ان کا دل بے حد دکھا ہوا تھا' ان کی آنکھوں
میں آنسو تھے
"احتشام صاحب نے تو عرصہ ہوا شفق سے بات کرنا چھوڑ دیا تھا۔ اس کی صورت
بھی انہیں گوارہ نہیں تھا"
غزنوی صحت یاب ہو گئے تو نفیسہ بیگم نے جو اتنے دنوں سے برداشت کئے بیٹھی تھیں
اب ان صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔ غزنوی کو اپنے پاس بیٹھا کر کہا
"غزنوی بیٹے! ایک طویل عرصے تم نے اپنی شرافت کا ثبوت دیتے ہوئے گزار دیا مجھے
بھی معلوم ہے کہ باقی تمام زندگی بھی ان انگاروں پر چلتے ہوئے گزار دو گے' لیکن مجھ سے
تمہاری زندگی کی یہ ویرانی نہیں دیکھی جاتی"
غزنوی نے ایک گہری سانس لے کر کہا
"یہ سب قسمت کے کھیل ہیں امی جان! میں' آپ یا کوئی دوسرا اس سلسلے میں کچھ نہیں
کر سکتا"
"ٹھیک ہے' تقدیر اور قسمت کے کھیل تو اپنی جگہ درست سہی' لیکن خدا نے انسان

ہاتھ پاؤں باندھ کر اسے بالکل ہی مجبور تو نہیں بنا دیا ہے"
غزنوی تکیوں کے سہارے نیم دراز خاموش بیٹھے رہے۔ ان کی آنکھوں میں گہری سوچوں
کے سائے تھے
نفیسہ بیگم نے انہیں خاموش پا کر کہا
"اب تک جو کچھ ہوا سو ہو چکا' مگر اب تم اپنی آئندہ زندگی کے لئے کوئی نیا راستہ سوچو"
غزنوی قدرے چونکے اور بولے
"یعنی! میں کیا کروں؟"
"جو عورت تمہارے ساتھ نہیں رہنا چاہتی' جسے تمہاری شکل دیکھنا بھی گوارہ نہیں تم نے
اسے اس گھر میں کیوں رکھا ہوا ہے جب کہ وہ یہ بھی کہتی ہے کہ تم نے اسے اس کی مرضی
کے خلاف رکھا ہوا ہے...."
غزنوی نے تاسف بھرے لہجے میں کہا
"میں مانتا ہوں اسے میرے ساتھ رہنا گوارہ نہیں' اسے میری شکل سے بھی نفرت ہے
لیکن پھر بھی میں اسے گھر سے بے گھر نہیں کر سکتا۔ وہ میری بیوی ہے امی! میرے بچوں کی ماں
ہے"
"اس میں گھر سے بے گھر کرنے کی کون سی بات ہے؟"
"آپ جانتی ہیں' احتشام چچا اور چچی اسے اپنے گھر میں رکھیں گے نہیں' تو پھر آپ خود ہی
سوچیے اس گھر سے نکل کر وہ کہاں جائے گی؟"
"اس نکتے پر سوچنا تو خود اس عورت کا کام ہے' جب اسے اس بات کی کوئی پروا نہیں تو
تم اس کی فکر میں کیوں گھلے جاتے ہو؟"
غزنوی نے بڑے تحمل سے کہا
"اگر وہ نادانی کر رہی ہے حماقت کر رہی ہے تو کم از کم مجھے تو [illegible] کام لینا چاہیے...."
"غزنوی' ہر بات کی ایک حد ہوتی ہے درگزر کرنے اور نظر انداز کرنے کی بھی ایک حد
ہوتی ہے آخر کب تک تم بھی اپنے صبر کو آزماتے رہو گے اس عورت کی بات تو تم جانتے ہی
ہو' اس نے تو تمہیں گوشت پوست کا انسان سمجھنے کے بجائے مٹی کا کوئی بے جان پتلا سمجھ
رکھا ہے...."
غزنوی سے کوئی جواب نہ بن پڑا
نفیسہ بیگم نے کہا
"تم کہتے ہو کہ وہ تمہاری بیوی ہے' وہ تمہارے بچوں کی ماں ہے' مجھے بتاؤ.... بیوی ایسی
ہوتی ہے؟ ماں ایسی ہوتی ہے"
"اسے تمہارے اور اپنے بچوں کے اچھے اور برے کی پروا ہے؟ کسی بات سے کوئی غرض

ہے اسے؟ بیویاں اور مائیں اس طرح اجنبیوں کی ... گزارتی ہیں گھر میں"
غزنوی پھر بھی خاموش رہے' نفیسہ بیگم کی ہر بات درست تھی' وہ کہتے بھی کیا؟
نفیسہ بیگم نے غصہ سے کہا

"تمہیں اس کے گھر سے بے گھر ہونے کی فکر ہے' لیکن میں تمہیں بتا دوں' اس نے تو اپنے لئے کوئی گھر تلاش کر رکھا ہے جو اس نے اس بات کی ضد باندھ رکھی ہے کہ تم ا... چھوڑ دو...."

"نہیں' نہیں امی اس میں ہزار برائیاں سہی لیکن وہ ایسی نہیں ہو سکتی وہ اتنا نہیں گر...

نفیسہ بیگم جو اتنے دنوں سے ضبط کئے بیٹھی تھیں آج اپنے دل کے تمام پھپھولے پھوڑ... چاہتی تھیں
انہوں نے بے حد چڑ کر کہا

"غزنوی تم میری بات چاہے مانو یا نہ مانو مجھے یقین ہے کہ آج اگر تم اسے چھوڑ دو تو کل ہی وہ نئی سیج پر جا بیٹھے گی" غزنوی نے فرط غم سے اپنی دونوں آنکھیں بند کر لیں او... کنپٹیوں کو دباتے ہوئے بولے....

"خدا کے لئے امی! چپ ہو جایئے اگر آپ کو ایسی بات کا یقین ہے تب بھی کچھ نہ کہیے کہیں ایسا نہ ہو کہ میری قوت برداشت جواب دے جائے"

نفیسہ بیگم نے غزنوی کی یہ حالت دیکھی تو ان کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے غزنوی کا سر اپنے شانوں پہ رکھتے ہوئے بولیں

"میں تمہاری ماں ہوں غزنوی! نہ تمارا برا چاہتی ہوں' نہ تمہیں تکلیف میں دیکھ سکتی ہوں میں.... تمہیں آنے والے وقت کے لئے تیار کرنا چاہتی ہوں...."

غزنوی نے فرط کرب سے ہونٹ دانتوں تلے دبا کر کہا....

"میں ایسے لمحے کا تصور بھی کرتا ہوں تو میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں' دعا کریں امی جان خدا میری زندگی میں وہ وقت کبھی نہ لائے"

نفیسہ بیگم نے دوپٹے سے آنسو پونچھتے ہوئے کہا

"تمہیں کیا خبر غزنوی میرے جسم کا رواں رواں تمہارے لئے دعا کرتا ہے تمہاری پریشانیوں اور تمہارے دکھ درد پر میرا دل خون کے آنسو روتا ہے"

چند لمحے رک کر انہوں نے کہا

"میں تو خوش تھی کہ چلو! تمہیں اپنی من پسند لڑکی مل گئی' میں نے اپنی پسند کو تمہارے اوپر مسلط نہیں کیا' اولاد خوش رہے' پھولے پھلے' ماں باپ کو اور کیا چاہیے لیکن شفق نے تو سب کی خوشیوں پر پانی پھیر دیا ہے...."

نفیسہ بیگم نے ایک گہری سانس لی اور بولیں۔

"میں آج تک نہیں سمجھ سکی کہ شفق کو اس گھر میں کس چیز کی کمی تھی۔ اسے محبت نہیں ملی؟ اسے چاہت نہیں ملی؟ یا پھر اسے دولت نہیں ملی؟ تم جیسے انسان کی ناقدری کر کے آخر وہ کیوں اپنی عاقبت خراب کر رہی ہے؟"

پھر وہ دکھ بھرے لہجے میں بولیں

"اب صبر نہیں ہوتا غزنوی! مجھ سے اب صبر نہیں ہوتا.... کتنے ناز و نعم سے تمہیں پالا تھا ہم نے کبھی آنکھ میں آنسو نہیں آنے دیا۔ مگر کیا خبر تھی کہ ... کہ اس حصے میں آکر تمہیں یوں دکھوں اور پریشانیوں میں گھرا ہوا دیکھوں گی اور کچھ نہ کر سکوں گی' بے بس رہوں گی"

غزنوی نے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا

"کوئی بات نہیں امی! زندگی میں جتنے دکھ اور پریشانیاں لکھی ہوتی ہیں وہ تو جھیلنی ہی پڑتی ہیں۔ عمر کے کسی حصے کی تخصیص نہیں ہے' کبھی شروع میں اور کبھی آخر میں' اور پھر میں یہ بھی سوچتا ہوں کہ اچھی عورتوں کے ساتھ تو سب ہی گزارا کر لیتے ہیں بری عورتوں کے ساتھ بھی تو گزارا کرنا چاہیے۔ کیا بہت سی اچھی عورتیں برے مردوں کے ساتھ گزارا نہیں کرتیں؟"

نفیسہ بیگم نے کہا

"مگر اسے تو گزارا کرنا بھی نہیں کہہ سکتے...."

"میں تو اچھے لمحوں کی آس پر زندہ ہوں"

غزنوی نے کہا

نفیسہ بیگم پھر کچھ نہیں بولیں۔

ایک طرف غزنوی اچھے لمحوں کی آس پر زندہ تھے اور دوسری طرف شفق' عارف فیضی کی جانب بڑھتی جا رہی تھی۔

اسے اس بھری پری دنیا میں اگر کوئی شخص اپنا ہمدرد اور اپنا دوست نظر آیا تو وہ عارف فیضی تھے عارف فیضی کی شخصیت ایک سحر بن کر شفق کے وجود پر چھا گئی تھی۔

دل کے دروازے ... کسی دستک کے وہ اندر داخل ہوئے اور بڑی آہستگی سے ہاتھ بڑھا کر انہوں نے غزنوی کی تصویر کو باہر نکال پھینکا

غزنوی کی تصویر تو نہ جانے کب کی گرد آلود ہو چکی تھی....

اس پر گرد کی اتنی دبیز تہیں تھیں کہ شفق کی نگاہوں میں تصویر کے نقش و نگار بالکل دھندلا چکے تھے وقت کی اڑتی ہوئی دھول کی تو کوئی بھی اہمیت نہ ہوتی اگر شفق نے غزنوی کی تصویر پر اپنی نفرت اور بیزاری کی دھول نہ جمنے دی ہوتی

لیکن شفق نے تو مدت ہوئی اس دیئے کو ہمیشہ کے لئے بجھا دیا تھا

عارف فیضی سے ہونے والی ملاقاتوں نے شفق اور غزنوی کے درمیان دوریوں کو کچھ اور

بڑھادیا....

عارف فیضی کی شخصیت میں جو جاذبیت تھی وہ دوسروں خصوصاً" لڑکیوں کو متاثر کرنے کے لئے کافی تھی۔ کالجوں اور یونیورسٹی میں پڑھنے والی لڑکیاں، نو آموز شاعرات اور افسانہ نگار.... ان سب کا ایک وسیع حلقہ تھا جو ان کا مداح تھا۔ ان کی تحریریں پڑھنا، مشاعروں میں ان کا کلام سننا اور ان کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے بے تاب رہنا ان لڑکیوں کے لئے ایک مشغلہ بن گیا تھا۔ کالجوں اور یونیورسٹی کی لڑکیوں تک تو خیر غنیمت بھی تھا کیونکہ عمر کا یہ دور ہوتا ہی ایسا ہے کہ کسی کو اپنا آئیڈیل بنالینا اور نظر آجائے تو سونے پر سہاگہ ہو جاتا ہے۔ لیکن شفق تو عمر کی اس منزل سے گزر چکی تھی

زندگی کے اس موڑ پر پہنچ کر تو طبیعت اور مزاج میں ایک ٹھہراؤ سا آجاتا ہے

محبت اور چاہت کے مفہوم بدل جاتے ہیں

ساری محبت، چاہت اور توجہ شوہر اور اولاد کے گرد سمٹ جاتی ہے

آئیڈیل اور پسند جیسے خیالات اور نظریات کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہتی

ایک دفعہ کسی کا ہو جانے کے بعد خواہ کتنا ہی خوب رو، کتنا ہی ڈیسنٹ شخص نظر سے گزر جائے دل و نگاہ میں اس کے لئے جذبہ محبت پیدا نہیں ہوتا

اسے دیکھ کر دل کبھی اس کی طرف مائل نہیں ہوتا

کبھی یہ تمنا پیدا نہیں ہوتی.... کہ کاش! یہ شخص میرا ہوتا

اچھی چیز کو اچھا کہنا، خوبصورتی اور حسن کو سراہنا تو برا نہیں ہوتا، دل بس اسی حد تک اسے سراہتا ہے لیکن شفق کے دل و دماغ پر پڑے ہوئے نفرت اور بیزاری کے پردے اسے ذہنی طور پر مفلوج.... کر رہے تھے

وہ راہ اور بے راہروی کی تمیز کھو چکی تھی

کیسا شوہر؟ کیسے بچے؟

کیسا گھرانہ؟ کیسا خاندان؟

نفرتوں کی انتہا۔ اسے ان سب سے بہت دور لے جا چکی تھی

یہ ٹھیک تھا کہ ادب کی دنیا میں اس کا ایک نام بن گیا تھا

ایک مقام بن گیا تھا لیکن

لیکن وہ اب ایسی بھی نہیں ہو گئی تھی کہ اپنے آپ کو برتر اور باقی سب کو کم تر سمجھنا شروع کر دیتی

وہ زمانے کی باتوں کی پروا کئے بغیر آنکھیں بند کئے ہوئے عارف فیضی کی طرف بڑھی جا رہی تھی

اس کی اڑان بہت اونچی تھی لیکن اتنی بلندی پر پہنچ کر در حقیقت وہ بھٹک چکی تھی

عارف فیضی.... شاعر تھے ایک ادیب تھے

لیکن در حقیقت وہ ایک ساحر سے کم نہ تھے

شفق کی خوبصورتی اور اس کے حسن نے انہیں متاثر کیا تھا

پہلے وہ صرف متاثر ہوئے، پھر دھیرے دھیرے اس تاثر نے محبت کا روپ دھار لیا

انہوں نے زبان سے کبھی اقرار نہیں کیا

دل کی بات دل ہی میں رکھی

انہیں معلوم تھا.... شفق شادی شدہ ہے، اس کے بچے ہیں۔ وہ اسے چاہ کر محض ایک سائے کا تعاقب کرتے رہیں گے

پھر انہوں نے دوسروں سے سنا.... اس کی ازدواجی زندگی خوشگوار نہیں ہے

وقت کے دامن میں سمٹے ہوئے لمحات نے جب ان کی ملاقاتوں کے لئے راہ ہموار کی تو قربتیں بڑھتی گئیں

ہر نئی ملاقات شفق کو یہ احساس دلاتی تھی کہ عارف فیضی سے بڑھ کر دنیا میں اس کا کوئی ہمدرد نہیں

عارف فیضی کے پاس خوبصورت الفاظ کا طلسم تھا

دوسرے شخص کے دل و دماغ کو اسیر کر لینے کا فن بھی انہیں اچھی طرح آتا تھا

اس سے بڑھ کر ان کی شخصیت کی جاذبیت ہی انہیں دوسروں کی نگاہوں میں مقبول بنانے کے لئے کافی تھی

وہ خود شفق کی طرف نہیں بڑھے

انہوں نے اس کے حالات جان لینے پر بھی اصرار نہیں کیا

لیکن ان کی ہمدردی کرنے کا انداز کچھ ایسا تھا کہ شفق نے اپنی داستان زندگی انکے سامنے کھول کر رکھ دی

اس کے بعد شفق کے لئے عارف فیضی کا اظہار افسوس تھا اور نصیحتیں بھی

پہلی بار جب شفق نے انہیں سب کچھ بتایا تو وہ بڑی دیر تک سوچوں میں ڈوبے بیٹھے رہے

پھر متاسف لہجے میں بولے

"آپ کے حالات واقعی افسوسناک ہیں لیکن زندگی تو بہرحال آپ کو گزارنی ہی ہے"

شفق نے ایک دبی ہوئی سانس لے کر کہا

"میں تو گزار ہی رہی ہوں لیکن اب میں اتنی بیزار ہو چکی ہوں کہ ایک لمحے کے لئے بھی اب اس گھر میں رہنے کو میرا دل نہیں چاہتا...."

عارف فیضی خاموش رہے

شفق نے کہا

"اس قدر گھٹن محسوس ہوتی ہے مجھے اس گھر میں کہ سانس لینا بھی دشوار معلوم ہوتا ہے"

"ہمت سے کام لیجئے ابھی تو بڑی طویل زندگی باقی ہے"

"سچ تو یہ ہے کہ زندہ رہنے کو بھی دل نہیں چاہتا"

عارف فیضی مسکرا کر بولے

"اتنی مایوسی کی باتیں کیوں کرتی ہیں. ابھی تو بہت سے لوگوں کو آپ کی ضرورت ہے"

"کسے ضرورت ہے میری؟ کون ہے میرا؟"

"آپ کے بچے"

"بچے بھی میرے نہیں ہیں۔ ان کی ساری ہمدردیاں اور ساری محبت اپنے باپ کے لئے ہے"

اور جب ایک بار شفق اپنی زندگی کے اوراق عارف فیضی کے سامنے کھول کر رکھ چکی تو پھر یہ سلسلہ اسی روز ہی ختم نہیں ہو گیا بلکہ ہر ملاقات پر عارف فیضی کو کچھ نہ کچھ روداد غم مل جاتی۔

ایک روز عارف فیضی نے اس سے کہا

"فرض کیجئے، غزنوی صاحب آپ کی خواہش کے مطابق آپ کو چھوڑ دیں تو اس کے بعد کیا ہو گا؟"

شفق نے تلخ لہجے میں کہا

"آئندہ زندگی کے بارے میں سوچنا ہے۔ اس زندگی سے تو بہتر گزرے گی آئندہ زندگی"

"آپ سمجھیں نہیں، دیکھیں نا..... ! آپ عورت ذات ہیں..... تنہا زندگی نہیں گزار سکتیں، کسی نہ کسی سہارے کی ضرورت تو ہو گی آپ کو....."

"سہارا"

شفق کی نگاہیں ایک لمحے کے لئے عارف فیضی کی طرف اٹھیں اور ان کی نگاہوں سے ملتے ہی جھک گئیں

کیسی گہری نگاہیں تھیں ان کی

اور کس قدر معنی خیز

شفق کوشش کے باوجود دوبارہ نگاہیں اوپر نہ اٹھا سکی

عارف فیضی نے پھر کہا

"آپ نے جواب نہیں دیا ہے میری بات کا"

"کیا جواب دوں....."

"اگر آپ کے والدین ہی آپ کو رکھ لینے پر آمادہ ہوتے ہیں تب بھی بات بن سکتی تھی لیکن وہ آپ کا ساتھ دینے کو رضامند نہیں ہیں"

"جی ہاں، سب ہی میرے دشمن بنے ہوئے ہیں"

شفق کے چہرے پر گہری اداسی تھی.....

عارف فیضی نے کہا

"پھر آپ کیا کریں گی.....؟ کہاں جائیں گی.....؟"

اس نے قدرے غرور سے کہا

"میں آخر تعلیم یافتہ ہوں، ملازمت کرتی ہوں" مجھے کسی بات سے خوف زدہ ہونے کیا ضرورت ہے؟"

پھر ایک ملاقات پر عارف فیضی نے متاسف لہجے میں شفق سے کہا

"میرا دل دکھتا ہے آپ کی پریشانیوں پر"

شفق خاموش رہی

عارف فیضی نے کہا

"اور اس سے بھی زیادہ اس بات پر کڑھتا ہوں کہ میں آپ کے لئے کچھ نہیں کر سکتا، بالکل بے بس ہوں"

شفق نے کہا

"جن حالات سے میں گزر رہی ہوں، ان حالات میں آپ کی زبان سے نکلے ہوئے ہمدردی کے چند الفاظ ہی مجھے بڑا سرمایہ معلوم ہوتے ہیں"

عارف فیضی نے ایک گہرا سانس لے کر کہا

"کاش میں آپ کے لیئے کچھ کر سکتا"

اس روز گھر آکر اپنے کمرے کی تنہایوں میں شفق نے عارف فیضی کے بارے میں کچھ زیادہ ہی شدت سے سوچا۔ شفق نے اپنے دل و دماغ میں انہیں جگہ تو پہلے ہی دے رکھی تھی اور چند ملاقاتوں کے بعد اس نے یہ بھی سوچا تھا

"کاش یہ مجھے پہلے ملے ہوتے"

"کاش زندگی کے گزرے ہوئے پچھلے سارے برس واپس مل سکتے"

اپنے کمرے کے پردے گرائے، تکیوں میں منہ چھپائے وہ سوچے جا رہی تھی، عارف فیضی کا چہرہ اس کی نگاہوں کے سامنے تھا۔ اور دل و دماغ میں ان کی آواز..... کی بازگشت تھی ان کی باتوں نے آج شفق کو زیادہ ہی متاثر کیا تھا

اس نے سوچا

کتنے پریشان تھے وہ میرے لئے؟

کس قدر دل گرفتہ تھے وہ میرے دکھوں پر؟

اور کس قدر کڑھ رہے تھے وہ اپنی بے بسی پر

کس قدر حساس ہے ان کا دل؟

اتنی بڑی دنیا میں اگر کسی کو مجھ سے ہمدردی ہے تو وہ صرف ان ہی کی ذات ہے

آپ کو کیا خبر عارف فیضی کہ میرا دل بھی شدت سے یہ خواہش کرتا ہے کہ کاش کہ میرے لئے کچھ کر سکتے

شفق کی زندگی تو یوں بھی پچھلے کئی برسوں سے پریشان اور الجھی ہوئی گزر رہی تھی۔ لیکن جب سے اس کی زندگی میں عارف فیضی کا گزر ہوا تھا اس کا ذہن کچھ اور زیادہ الجھ گیا تھا

ایک سایہ سا تھا جو ہر وقت شفق کو اپنے ساتھ ساتھ چلتا ہوا محسوس ہوتا تھا

کچھ ادھورے ادھورے خواب سے تھے جو وہ سوتے جاگتے دیکھا کرتی تھی

کچھ انجانی آوازوں کی بازگشت سی تھی جو دماغ کے پردوں سے ٹکرایا کرتی تھی

وہ سایہ سوائے عارف فیضی کے اور کسی کا نہیں تھا

ان خوابوں میں عارف فیضی کا ہی گزر تھا

اور وہ آوازیں۔وہ آوازیں بھی عارف فیضی کی ہی تھیں

سوتے جاگتے، اٹھتے بیٹھتے، ہر وقت وہ عارف فیضی کو اپنے بہت قریب محسوس کرتی تھی۔

اس قربت میں ایک نشہ سا تھا

لیکن یہ نشہ جب ٹوٹتا تھا تو اپنے اور عارف فیضی کے درمیان پھیلے ہوئے طویل فاصلے دیکھ کر اس کا دل بجھ جاتا تھا

ایک روز اس کی سوجی ہوئی آنکھیں دیکھ کر عارف فیضی نے کہا

"کیا بات ہے! آپ رات کو سوئیں نہیں؟"

شفق نے ایک طویل سانس لے کر کہا

"ایک مدت ہوئی پرسکون نیند سوئے ہوئے...."

"لیکن اس طرح تو آپ اپنی صحت خراب کرلیں گی"

"اپنی صحت کی اب مجھے کوئی پروا بھی نہیں رہی"

"یہ آپ اچھا نہیں کر رہیں ہیں کچھ تو خیال رکھیے اپنا"

"کس کے لئے خیال کروں اپنا؟ کس کے لئے؟"

شفق نے ایسی نگاہوں سے عارف فیضی کی طرف دیکھا جیسے کہہ رہی ہو

"کاش آپ ہی کہہ دیں"

"صرف ایک بات، ایک جملہ"

بس ایک بار

"میرے لئے اپنا خیال کرو شفق! میرے لئے زندہ رہو"

اس کی زبان سے کچھ نہ کہنے کے باوجود عارف فیضی بہت کچھ سمجھ گئے

چند سیکنڈ تک وہ اس کی طرف دیکھتے رہے پھر بولے

"ایک بات کہوں۔ آپ مائنڈ تو نہیں کریں گی؟"

شفق نے دل ہی دل میں کہا

"کہیے، اب کچھ کہہ بھی دیجئے...."

لیکن زبان خاموش رہی

عارف فیضی نے کہا

"اچھا میں نہیں کہتا، میرا خیال ہے مجھے کچھ نہیں کہنا چاہیئے"

شفق نے کہا

"نہیں! آپ کہیے میں مائنڈ نہیں کروں گی"

عارف فیضی نے کھلی ہوئی کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے کہا

"کبھی کبھی میں سوچتا ہوں"

انہوں نے بات ادھوری چھوڑ کر ایک لمحے کے لیے اس کی طرف دیکھا اور بولے۔

"میرا مطلب ہے کہ، کبھی کبھی میرے دل میں خیال آتا ہے کہ اب سے کئی برس پہلے آپ میری زندگی میں آئی ہوتیں تو کتنا اچھا ہوتا"

اپنی بات کہہ کر عارف فیضی نے شفق کی طرف نہیں دیکھا، جھک کر سگریٹ سلگانے لگے....

اگر ان کی نگاہیں اس کے چہرے پر ہوتیں تو وہ دیکھتے کہ۔ شفق کی بجھتی ہوئی نگاہوں میں ایک جوت سی جل اٹھی تھی

اس کا گلاب سا چہرہ۔ جواب سے چند لمحوں پہلے تک مرجھایا ہوا تھا، ایک دم کھل اٹھا

اس کے چہرے پر خوشیوں کے چراغ سے جھلملا اٹھے تھے

شفق کو ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے اسے نئی خوش آئند زندگی کی نوید سنا دی ہو

جیسے وہ کسی ڈولتی ڈگمگاتی کشتی پر سوار ہو اور کسی انجانے نے ہاتھ بڑھا کر اسے سہارا دیا ہو

جیسے کسی نے تپتی، جلتی دھوپ سے گھسیٹ کر گھنی چھاؤں میں لا کھڑا کیا ہو

اس کا دل چاہا

کہ وقت کے ان لمحوں کو گزرنے نہ دے

انہیں سمیٹ کر اپنی بانہوں میں جکڑ لے

انہیں قید کرلے

جب کئی لمحے خاموشیوں کی نذر ہوگئے تو عارف فیضی نے قدرے گھبرا کر شفق کی ا
دیکھا۔ یہ سوچ کر کہ کہیں اس نے برا تو نہیں مانا

شفق گہری سوچوں میں ڈوبی بیٹھی تھی

عارف فیضی کو اندازہ ہوگیا تھا کہ اسے ان کی بات ناگوار نہیں گزری لیکن پھر بھی ا
نے کہا

"آپ شاید برا مان گئی ہیں"

"میرا مطلب ہے کہ چاہے آپ بھی یہ تمنا کریں اور میری بھی یہ خواہش ہو کہ ہم
ملے ہوتے لیکن اب یہ سب کچھ سوچنا کس قدر بے سود ہے"

عارف فیضی نے کہا

"ہم بہت سی باتیں کرسکتے ہیں اور بہت سی باتیں کہہ بھی سکتے ہیں لیکن آنے والے ل
اپنے دامن میں کتنا بڑا تغیر چھپائے ہوئے ہوں گے۔ یہ کوئی نہیں جانتا۔ نہ آپ نہ میں"

اور اس روز عارف فیضی کے لئے شفق کے جذبات پہلے سے کہیں زیادہ سوا تھا
کمرے کی ویرانیوں میں تنہا لیٹے ہوئے اسے عارف فیضی کا خیال آئے جارہا تھا

اس نے سوچا

آج کتنی اچھی اور کتنی خوبصورت بات کہی تھی انہوں نے

"آنے والے لمحات اپنے دامن میں کتنا بڑا تغیر چھپائے ہوئے ہوں گے۔ یہ کوئی
جانتا' نہ میں' نہ آپ...."

شفق کا دل چاہا.... وہ لمحات اس کی زندگی میں بہت جلد آجائیں

کوئی تغیر کوئی انقلاب آئے تو سہی اس زندگی میں

زندگی کے اس سپاٹ پن سے تو نجات ملے گی

کس قدر اکتا گئی ہوں میں اس خاموش ویران راہ گزر پہ چلتے چلتے

یہ بھی کوئی انداز ہے جینے کا....؟

کچھ دن اور خاموشی سے گزر گئے۔ عارف فیضی سے ایک' دو ملاقاتیں ہوئیں تو
۔باتیں بھی بہت سی ہوئیں لیکن اب تو شفق' عارف فیضی سے کوئی بہت بڑی بات سننے
منتظر تھی

اس کا دل چاہتا تھا کہ.... عارف فیضی اب اس سے صاف صاف کہہ دیں

میں تمہارا ہاتھ تھامنا چاہتا ہوں

میں تمہارا سہارا بننا چاہتا ہوں

کیا ہوا جو کوئی بھی تمہارا ساتھ دینے کو تیار نہیں

میں جو ہوں

میں تمہیں زندگی کے اس سپاٹ پن سے نجات دلاؤں گا

میں تمہارے ساتھ زندگی کے ایک نئے سفر کا آغاز کروں گا

شفق کے صبر کا پیمانہ اب لبریز ہوچکا تھا

عارف فیضی کی خاموشی سے اب اسے الجھن ہونے لگی تھی

اور پھر.... ایک ملاقات میں جب عارف فیضی نے شفق سے پوچھا

"خیریت تو ہے؟ بہت دنوں بعد آئی ہیں آپ؟"

شفق کچھ الجھ کر بولی

"میں تو سوچتی ہوں اب آپ کے پاس بالکل نہ آیا کروں"

عارف فیضی نے چونک کر پوچھا

"کیوں؟ یہ خیال کیوں آیا آپ کے ذہن میں""

"آپ کے پاس چلے آنا میرے مسئلے کا حل تو نہیں ہے"

"ہاں آپ کہتی تو ٹھیک ہیں لیکن جو میں کچھ کہتا ہوں آپ اس پر عمل بھی تو نہیں کرتی ہیں"

"آپ کی بات پر عمل...."

شفق کی نگاہیں سوچوں میں ڈوب گئیں

"میں نے تو آپ کو بارہا سمجھایا ہے کہ آپ اپنے حالات سے سمجھوتا کرنے کی کوشش کیجئے"

شفق ان کی اس بات سے چڑ گئی

"میں بھی آپ سے بہت دفعہ کہہ چکی ہوں کہ اب اپنے حالات سے سمجھوتا کرنا میرے
لئے ناممکن ہے آپ کے پاس میرے لئے نصیحتوں کے سوا اور کچھ نہیں ہے؟"

عارف فیضی نے کہا

"آپ تو برہم ہو رہی ہیں' اب میں آپ کو کیا بتاؤں' کیسے بتاؤں' میرے دل میں آپ کے
لئے کیا جذبات ہیں"

شفق سر جھکائے بیٹھی رہی

"میری بے بسی کا بھی کچھ خیال کیجئے' بہت کچھ چاہنے کے باوجود میں کچھ نہیں کرسکتا'
میرے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں...."

شفق نے انجان بن کر کہا

"مجھے بھی تو معلوم ہو' آپ میرے لئے کیا کرنا چاہتے ہیں؟"

عارف فیضی نے نگاہیں چراتے ہوئے کہا

"میں آگے بڑھ کر آپ کا ہاتھ تھام لوں' آپ کی زندگی پہ چھائی ہوئی ویرانی کو دور تو کردوں
لیکن یہ دنیا' یہ لوگ' میرا مطلب ہے.... بیشتر الزام مجھ پر ہی آئے گا کہ شاید میں نے ہی

آپ کو ورغلایا"

"بہت ڈرتے ہیں دنیا والوں سے ...."

"ڈرنا ہی پڑتا ہے"

"مگر میں نہ کسی سے ڈرتی ہوں' نہ کسی کی پروا کرتی ہوں"

عارف فیضی خاموش بیٹھے اس کی طرف دیکھتے رہے

شفق نے کہا

"میں تو بس یہ چاہتی ہوں کہ غزنوی مجھے چھوڑ دیں مجھے آزاد کر دیں۔"

"یہ آزادی اگر آپ کو مل گئی تو پھر...."

"کچھ بھی کروں گی۔"

پھر وہ جذباتی ہو کر بولی۔

"ہو سکا تو یہ دنیا ہی چھوڑ دوں گی"

یہ کہتے ہوئے شفق کی آنکھوں میں آنسو آگئے

عارف فیضی نے کہا

"ارے آپ تو رو رہی ہیں! مت روئیے بخدا! مجھے تکلیف ہوتی ہے بہت تکلیف
آپ کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر...."

عارف فیضی کا یہ کہنا غضب ہو گیا۔ اس کے آنسوؤں نے سیلاب کی شکل اختیار کر
وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپائے سسک سسک کر روتی رہی

عارف فیضی گھبرا کر کھڑے ہو گئے ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا.... وہ کیا کریں؟ کس
شفق کو چپ کرائیں دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں پھنسائے وہ پریشان نگ
سے اس کی طرف دیکھتے رہے

پھر وہ قدرے نزدیک آکر بولے

"خدارا.... ! چپ ہو جائیے' میرے صبر کا امتحان نہ لیجئے"

شفق نے دونوں آنکھوں کو رگڑتے ہوئے پرنم نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا

عارف فیضی نے کہا

"میں اتنا بزدل نہیں' آپ زندگی سے بیزار ہو کر اتنا بڑا قدم اٹھائیں گی اور میں خا
تماشائی بنا رہوں گا"

شفق خاموش رہی

عارف فیضی نے کہا

"میرے الفاظ کی سچائی پر اعتماد کر لیجئے' اگر غزنوی نے آپ کو چھوڑ دیا تو میں آپ
تھاموں گا' میں آپ کو بھٹکنے نہیں دوں گا' مزید دکھوں کا سامنا کرنے کے لئے میں آپ

چھوڑوں گا...."

"بہت بڑی بات کہہ رہے ہیں آپ عارف فیضی! سوچ لیجئے' کہیں اپنے فیصلے پر پچھتاوا نہ
ہو آپ کو"

"نہیں مجھے یقین ہے' اپنے فیصلے پر کوئی پچھتاوا نہیں ہوگا مجھے"

"اور آپ کے گھر والے؟ وہ آپ کو یہ قدم اٹھانے دیں گے؟"

"ہاں مجھے اس بات کا بھی بھروسہ ہے کہ میرے گھر والے میری بات کی مخالفت نہیں
کریں گے"

"میرے بارے میں سب کچھ جانتے ہوئے بھی؟"

"ہاں آپ کے ساتھ کوئی نئی بات تو نہیں ہو رہی' دنیا میں بہت سی عورتیں ان حالات سے
گزرتی ہیں"

شفق نے اپنی پلکوں سے آنسوؤں کو صاف کرتے ہوئے کہا

"میں تو یہی کہوں گی کہ آپ ایک بار پھر سوچ لیجئے میں جانتی ہوں۔ پچھتاوا بہت بری چیز
ہوتی ہے"

"نہیں' شاید میری زندگی میں وہ لمحات کبھی نہ آئیں ---- جب مجھے اپنے فیصلے پر پچھتاوا ہو"

"اچھا"

شفق نے ایک گہری سانس لی

پھر انہوں نے شفق کی نگاہوں میں ڈولتے ہوئے وسوسوں کو دیکھ کر کہا

"اس کا تو مجھے یقین ہے۔ انہیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ لیکن پھر بھی میں پہلے سے آگاہ
کر دینا چاہتا ہوں"

شفق سوچوں میں ڈوبی ہوئی بیٹھی رہی

"اب آپ میری طرف سے مطمئن ہو کر گھر جائیں۔ غزنوی صاحب سے بات کیجئے' خدا
کرے وہ آپ کی بات مان لیں"

شفق کچھ مطمئن سی ہو کر گھر آگئی۔ اس نے سوچ لیا
وہ آج ہی غزنوی سے فیصلہ کن بات کرے گی
غزنوی کو اسے چھوڑنا ہی پڑے گا

شفق اور غزنوی کے درمیان عرصے سے گفت و شنید نہیں تھی۔ اب اسی پرانے مسئلے پر
نئے سرے سے بات کرنا شفق کو کچھ دشوار سا معلوم ہو رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں
آرہا تھا کہ ابتدا کس طرح کرے۔ ایک دو دن اس نے سوچنے میں گزار دیئے۔ لیکن اسی
دوران اس کی مشکل خود بخود آسان ہو گئی

یاسر نے بڑی ہمت کر کے غزنوی سے شفق اور عارف فیضی کے میل جول کا تذکرہ کر دیا

غزنوی کے دل و دماغ پر قیامت ہی تو گزر گئی
انہیں ایسا محسوس ہوا جیسے ان کے جسم کی رہی سہی جان بھی نکل گئی ہو
ان کے دماغ میں آندھیاں سی چلنے لگیں
انہوں نے سوچا
امی کی پیشین گوئی سچ ثابت ہوئی
شہر میں میری رسوائیوں کے اس قدر چرچے ہیں اور میں
میں انجان ہوں' بے خبر ہوں
یا سر کہتے ہیں۔ اس طوفان کو روکو'
مگر طوفان تو سر پر آپہنچا ہے
میں اس طوفان کو کیسے روک سکتا ہوں
شفق تو سمجھنے اور سمجھانے کی منزلوں کو بہت پیچھے چھوڑ آئی ہے
اس سے کچھ کہنا بے سود ہی ثابت ہو گا
لیکن میں اپنی عزت کو اس طرح سر عام نیلام ہوتے ہوئے بھی تو نہیں دیکھ سکتا
انہوں نے فیصلہ کر لیا
وہ شفق کو مزید اپنی من مانی نہیں کرنے دیں گے
انہوں نے سوچا
وہ بہت برداشت کر چکے تھے
بہت نظر انداز کر چکے تھے
اب ان کی برداشت کی انتہا ہو چکی تھی
شفق ان سے بات نہیں کرتی تھی
بچوں سے اور خود ان سے لاتعلق ہو کر بالکل اجنبیوں کی طرح زندگی گزار رہی تھی
تمام زندگی وہ اسی طرح گزار دیتی
غزنوی صبر کر لیتے
وہ اس سے کچھ نہ کہتے
وہ شفق کو مجبور بھی نہ کرتے کہ وہ ان سے ضرور بات کرے
ان سے کوئی تعلق قائم کرے
شفق بھی اُس روز یونیورسٹی سے واپس آئی تو دل میں تہیہ کر چکی تھی کہ آج وہ ہر حال
میں غزنوی سے بات کرے گی
غزنوی تو خود اس کے منتظر تھے وہ آفس سے بھی جلدی آ گئے تھے۔ شفق کھانا کھانے
بعد اپنے کمرے میں بیٹھی گرم گرم چائے پیتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ چائے ختم ہو تو

غزنوی سے بات کرے اس دوران غزنوی خود ہی کمرے میں چلے آئے
دروازے پر ہلکی سی دستک دے کر پردہ سرکا کر وہ اندر داخل ہوئے تو شفق انہیں دیکھ کر
ہکا بکا رہ گئی۔ یہ اس کے لئے بہت غیر متوقع بات تھی
غزنوی۔ اور اس کے کمرے میں!
عرصہ ہوا' انہوں نے اس کمرے کا رخ کرنا چھوڑ دیا تھا
اور اس میں غزنوی کی اپنی مرضی کا کوئی دخل نہیں تھا
اپنے کمرے میں ان کے آنے جانے کی پابندی شفق ہی نے لگائی تھی
وہ ایک سیکنڈ تک تو شفق کو اپنی بصارت پر یقین نہیں آیا
وہ پلکیں جھپکائے بغیر ان کی طرف دیکھتی رہی
غزنوی گہری نگاہوں سے شفق کی طرف دیکھتے ہوئے قریب چلے آئے۔ اور اس کے کہنے
انتظار کئے بغیر ہی قریبی صوفے پر بیٹھ گئے
شفق دل میں تو اس بات پر خوش تھی کہ اسے خود غزنوی کے پاس نہیں جانا پڑا لیکن بظاہر
بڑے تیکھے انداز سے ان کی طرف دیکھتے ہوئے بولی
"کہیے' کیسے زحمت کی ہے آپ نے؟"
غزنوی نے خاصے خشک لہجے میں کہا
"زحمت کس بات کی؟"
"میرا مطلب ہے آپ میرے کمرے میں کیسے چلے آئے؟"
"مجبور کر دیا گیا ہوں یہاں چلے آنے پر' ورنہ شاید اب بھی نہ آتا"
"کس نے مجبور کر دیا؟"
"تم نے۔"
"میں نے! وہ کس طرح؟۔"
شفق نے حیرت زدہ نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔ غزنوی نے مزید کسی تمہید کا سہارا
لئے بغیر پوچھا۔
"یہ عارف فیضی کون ہے؟۔" عارف فیضی کے نام پر شفق نے پہلے چونک کر غزنوی کی
طرف دیکھا پھر چائے کا کپ بیڈ سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر بڑے مطمئن انداز میں کہا۔
"ایک شاعر ہیں' ایک ادیب ہیں۔"
"اور۔۔۔؟۔"
غزنوی نے چبھتی ہوئی نگاہوں سے شفق کی طرف دیکھا
"اور کیا جاننا چاہتے ہیں آپ ان کے بارے میں؟۔"
شفق کے انداز میں لاپرواہی تھی۔

"بہت کچھ جان گیا ہوں ان کے بارے میں' تصدیق کروانا چاہتا ہوں تم سے۔"
شفق نے تکیہ گھسیٹ کر اپنی گود میں رکھتے ہوئے بے حد سپاٹ لہجے میں کہا۔
"مثلاً" کیا کچھ جان گئے ہیں آپ ان کے بارے میں؟"
"وہی سب کچھ جس کے چرچے لوگوں میں ہو رہے ہیں۔"
غزنوی کا لہجہ کچھ تلخ ہو گیا۔
شفق نے ان کی باتوں کا کوئی جواب نہیں دیا۔ سر جھکائے سوچوں میں ڈوبی بیٹھی رہی۔
غزنوی نے کہا۔
"بولو' کب سے جانتی ہو تم عارف فیضی کو؟۔"
شفق نے خشک لہجے میں کہا۔
"دو چار دن پرانی ملاقات نہیں ہے ہماری' میں انہیں کافی عرصے سے جانتی ہوں۔"
غزنوی اپنے غصے کو برداشت کرتے ہوئے بولے۔
"اور اب یہ واقفیت کس اسٹیج تک پہنچ چکی ہے۔"
شفق کچھ چڑ کر بولی۔
"لفظوں کے الٹ پھیر میں پڑنے کے بجائے سیدھی اور صاف بات کیجئے۔"
غزنوی قدرے غصے سے بولے۔
"سیدھی اور صاف بات کر رہا ہوں۔"
شفق کو خاموش پا کر غزنوی نے کہا۔
"تمہیں اس بات کا احساس ہے کہ تم کسی کی بیوی ہو' کسی کی ماں ہو' کسی غیر اور اجنبی مر
سے اس حد تک تعلقات بڑھانا کہ لوگوں میں اس کے چرچے ہوں تمہیں زیب دیتا ہے؟۔"
غزنوی کی آواز غصے میں خاصی بلند ہو گئی۔
شفق پھر بھی نہ بولی۔
طنزیہ نگاہوں سے غزنوی کی طرف دیکھتی رہی۔
"ہماری عزت سے کھیلنے کا حق آخر تمہیں کس نے دیا ہے؟۔" غزنوی نے صوفے
اٹھتے ہوئے ایک قہر آلود نگاہ شفق پر ڈالی اور ایک سرے سے دوسرے سرے تک چکر لگا
ہوئے بولے۔
"میں آج تک تمہیں سمجھ نہیں سکا کہ تم کس قسم کی عورت ہو۔ تمہیں نہ اپنے ماں باپ
کی عزت کا خیال ہے نہ خاندان کی پروا ہے۔ میں تو ہمیشہ تمہاری نگاہوں میں بے عزت ر
لیکن تم نے تو اپنی اولاد کو نظرانداز کرنے کی بھی انتہا کر دی۔"
شفق نے تلخ لہجے میں کہا۔
"میں نے اولاد کو نظرانداز کیا یا اولاد نے اپنے باپ کے سامنے میری کوئی وقعت نہ

بھی؟"
غزنوی نے کھڑکی کے قریب رک کر شفق کی طرف دیکھا اور بولے۔
"شفق بیگم! اولاد زیادہ تر اپنی ماں کی ہی حمایت کرتی ہے' لیکن تمہاری اولاد نے ہوش
سنبھالتے ہی جس روپ میں تمہیں دیکھا ہے اس کے بعد بھی تم اس بات کی توقع رکھتی ہو کہ
اولاد تمہیں مظلوم سمجھے گی؟"۔
شفق نے طنزیہ انداز میں کہا۔
"نہیں' میں اس کی توقع رکھ بھی نہیں سکتی تھی۔ مظلوم بن کر تو آپ پیش ہو گئے تھے۔
اپنی اولاد کے سامنے۔"
"میرے ساتھ اپنے سلوک کا ذکر تو تم جانے ہی دو لیکن ایک ماں کو اپنی اولاد کے بھلے
برے کی پروا تو ہوتی ہے تم نے تو اس کا بھی لحاظ نہیں رکھا۔"
شفق نے تنک کر کہا۔
"آپ یہ الزام مجھ پر نہیں لگا سکتے۔ اولاد کو اپنا بنانے کی میں نے ہر ممکن کوشش کی' یہ
میری بدقسمتی ہے کہ اولاد میری نہیں ہو سکی۔"
"اولاد کو اپنا بنانے کے لئے صرف اولاد کے ساتھ ہی بہتر سلوک کافی نہیں ہوتا' ہمارے
بچے اس بات سے بے خبر نہیں تھے کہ ان کے اردگرد رہنے والوں کے ساتھ تمہارا سلوک
کیا ہے؟۔"
شفق نے ان کی بات کے جواب میں کچھ نہیں کہا۔
غزنوی چند سیکنڈ تک خاموش رہے۔ پھر فیصلہ کن انداز میں بولے۔
"بہرحال تمہاری اور عارف فیضی کی دوستی اب تک جس اسٹیج پر پہنچ چکی ہے اب اس کا
اختتام سمجھو۔"
"کیا مطلب ہے آپ کا.....؟۔"
شفق نے تیز لہجے میں کہا۔
"اب تم عارف فیضی سے نہیں ملو گی۔ میں تمہیں اس کی اجازت نہیں دے سکتا۔"
"مجھے آپ کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔"
شفق نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔
غزنوی نے غصیلی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
"تم میری بیوی ہو' میری مرضی کے بغیر آئندہ تم اس گھر سے باہر قدم نہیں نکالو گی۔"
شفق نے حقارت سے کہا۔
"ہنہ! بیوی! عرصہ ہوا میں آپ سے علیحدگی کی زندگی گزار رہی ہوں کوئی واسطہ' کوئی
ناتا رکھا ہوا ہے میں نے آپ سے؟۔"

"تم کچھ بھی کہو لیکن قانونی اور شرعی طور پر تم میری بیوی ہو۔"
شفق نے پیچ و تاب کھاتے ہوئے کہا۔
"آپ جیسے مرد جب کچھ نہیں کر سکتے تو قانون اور شرع کا حوالہ دینے بیٹھ جاتے ہیں۔"
"شفق تم نے اب تک میری نرمی دیکھی ہے' مجھے اس قدر عاجز اور مجبور مت کرو کہ میں......" غزنوی نے بات ادھوری چھوڑ کر اپنے جذبات پر قابو پانے کی کوشش کی۔
"کیوں....؟ کیا کر بیٹھنے کا ارادہ ہے۔؟"
شفق کا لہجہ طنز سے بھرپور تھا۔
غزنوی نے نرم اور دھیمے لہجے میں کہا۔
"دیکھو شفق! تم ساری زندگی مجھ سے لاتعلق ہو کر اس گھر میں زندگی گزار دو۔ میں تم سے کوئی شکوہ نہیں کروں گا۔ تمہاری بے اعتنائیوں کو اب تک بھی برداشت کرتا رہا ہوں۔ باقی زندگی بھی یہ سب کچھ سہہ لوں گا۔ برداشت کر لوں گا۔ لیکن خدا کے لئے باقی دنیا کو تماشا نہ دکھاؤ۔ اس گھر کو بے عزت نہ کرو"
شفق نے کہا
"آپ نے مجھے جیتے جی مار رکھا ہے' غزنوی صاحب! لیکن اب ایسی زندگی گزارنا میری برداشت سے باہر ہو چکا ہے۔"
غزنوی نے ایک طویل سانس لے کر شفق کی طرف دیکھا اور صوفے پر بیٹھ گئے۔
شفق نے تکیے کو سرہانے کی طرف پھینکتے ہوئے کہا۔
"میں بھی انسان ہوں' زندہ لوگوں کی طرح جینے کا حق مجھے بھی حاصل ہے۔ اس قید خانے میں بند رکھنے کا اور کب تک ارادہ ہے آپ کا؟۔"
غزنوی نے انجان بن کر کہا۔
"میں جاننا چاہتا ہوں کہ آخر اب تم کیا چاہتی ہو؟۔"
"میں چاہتی ہوں کہ آپ مجھے طلاق دے دیں۔"
"اچھا! پھر؟ اس کے بعد.....؟۔"
"اس کے بعد سوچوں گی کہ کون سا راستہ اختیار کروں گی۔"
"پھر بھی پتہ تو چلے کہ مستقبل کے بارے میں تمہارے ذہن میں کیا منصوبہ ہے؟۔"
غزنوی نے طنزیہ انداز میں کہا۔
شفق چڑ کر بولی۔
"صاف صاف سننا چاہتے ہیں تو سن لیجئے' میں عارف فیضی سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔"
غزنوی کا دماغ جیسے تیز سنسناتے ہوئے تیروں کی زد میں آ گیا۔
ان کے دل میں برچھیاں سی چبھ گئیں۔

شفق سے انہیں اس قدر صاف جواب کی توقع نہیں تھی۔
نہ ہی بتانے والے نے انہیں اس حد تک بتایا تھا' بلکہ شاید خود اس کی معلومات بھی اتنی نہیں تھیں۔
غزنوی کو بھی اس بات کا گمان نہیں تھا کہ شفق اس حد تک آگے بڑھ چکی ہے کہ اپنے مستقبل کے سارے لمحات عارف فیضی سے وابستہ کر دینے کا تہیہ کئے بیٹھی ہے۔
غزنوی چند لمحے گم صم رہے پھر صوفے سے اٹھ کھڑے ہوئے۔
بوجھل قدموں سے کمرے میں دو' تین چکر لگا کر کھڑکی میں کھڑے ہو گئے
شفق نے کہا
"کیوں....؟ سن لیا آپ نے میرے مستقبل کا منصوبہ۔"
غزنوی نے مدھم آواز میں کہا۔
"ہاں سن لیا لیکن......"
"لیکن یہ کہ آپ مجھے اس قید خانے سے آزاد نہیں کریں گے۔"
شفق کا لہجہ طنز سے بھرپور تھا۔
غزنوی نے بے چینی سے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔
"بہتر ہو گا اس موضوع پر ہم پھر کسی وقت بات کر لیں۔"
غزنوی گہری سوچوں میں ڈوبے ہوئے کمرے سے باہر چلے گئے۔
شفق کے لئے اب مزید انتظار ناقابل برداشت ہو گیا تھا۔
وہ چاہتی تھی کہ غزنوی جلد از جلد اس کی قسمت کا فیصلہ کر دیں۔
دو روز گزر گئے۔
غزنوی کا دماغ سوچ سوچ کر ماؤف ہو گیا۔
نہ ان کا دماغ اس بات پر آمادہ ہوتا تھا نہ ان کا دل کہ شفق کو چھوڑ دیں
وہ شفق کو کسی اور کا ہوتے کیسے دیکھ سکتے تھے
وہ ان کی چاہت تھی' ان کی عزت تھی' ان کی بیوی تھی
وہ ان کے بچوں کی ماں تھی
اچھے انداز میں نہ سہی' برے انداز میں سہی' اس نے برسوں اس گھر میں گزارے ہیں
وہ حیران تھے۔ شفق اس برسوں پرانے بندھن کو توڑنے پر کس طرح آمادہ ہے
اسے اپنی اولاد کو چھوڑتے ہوئے ذرا بھی دکھ نہیں ہو گا
ان دو دنوں کا ہر لمحہ غزنوی کے دل پر۔ ایک قیامت بن کر گزرا تھا
کہیں کسی جگہ بھی ان کا دل نہیں لگتا تھا' نہ گھر میں نہ آفس میں
وہ آفس گئے ضرور لیکن ان سے کوئی کام نہیں ہو سکا

نفیسہ بیگم' احسان صاحب' سب ہی سمجھ رہے تھے کہ بات کچھ پریشانی کی ہے غزنوی کو
اتنا الجھا ہوا تو کبھی نہیں دیکھا تھا

غزنوی نے اپنی امی ابو سے کچھ نہیں کہا۔ہاں یاسر کے سامنے ضرور اپنے دل کا بوجھ ہلکا کیا
۔یاسر بھی پریشان تھے

انہیں خود اندازہ ہوگیا تھا کہ شفق اتنا بڑا فیصلہ کرچکی ہے۔وہ اس پوزیشن میں بھی نہیں
تھے کہ شفق کو سمجھا سکتے۔ان کی تو خیر کیا حیثیت تھی شفق کو تو اس کے ماں باپ بھی نہیں
سمجھا سکتے تھے۔غزنوی کی خاموشی سے اسے الجھن ہو رہی تھی۔پھر اس سے مزید انتظار نہیں
ہوسکا وہ خود ہی غزنوی کے کمرے میں جا پہنچی

شام ڈھل چکی تھی۔کمرے میں مدھم سی تاریکی پھیلی ہوئی تھی غزنوی نے لائٹ بھی
نہیں جلائی تھی۔دونوں بازو آنکھوں پر رکھے سوچے جارہے تھے

اب پریشان سوچوں کے سوا ان کے پاس رہ بھی کیا گیا تھا

قدموں کی آہٹ پر وہ چونک گئے

اپنے کمرے میں ایک طویل عرصے بعد انہیں مانوس سی چاپ سنائی دی تھی

آنکھوں سے بازو ہٹا کر انہوں نے نیم تاریک اجالوں میں دروازے کی طرف دیکھا اور
اٹھ کر کمرے کی لائٹ جلادی شفق نے ایک لمحے ان کی طرف دیکھا اور سامنے بیٹھ گئی

غزنوی نے سرہانے رکھا ہوا سگریٹ کا پیکٹ اٹھا کر سگریٹ نکالا اور لائٹر جلا کر چند سیکنڈ
تک کچھ سوچتے رہے پھر سگریٹ سلگا کر لائٹر سرہانے رکھ دیا

شفق نے کہا

"میں معلوم کرنے آئی ہوں کہ ان دو دنوں میں آپ نے کیا فیصلہ کیا؟"

غزنوی نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ایک گہری سانس لے کر سگریٹ کا کش
لگایا اور سوچوں میں ڈوبے بیٹھے رہے

شفق نے پھر کہا

"میں نے کچھ پوچھا ہے آپ سے؟"

غزنوی نے کہا

"ہاں 'لیکن میں نے تو تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ میں دو دن بعد اپنا فیصلہ تمہیں سناؤں گا"

"پھر آخر کتنا وقت چاہئے آپ کو فیصلہ کرنے کے لئے؟"

"اگر تم کو یاد ہو تو میں نے یہ کہا تھا کہ اس موضوع پر میں پھر کسی وقت بات کروں گا"

"چلئے یوں ہی سہی 'اب اس موضوع پر بات کرلیجئے آپ"

غزنوی نے کہا

"میں تم سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں شفق"

"پوچھئے"

"عارف فیضی میں ایسی کون سی خوبی ہے جس کی وجہ سے تم اپنا سب کچھ چھوڑ کر ان سے
ادی کرنے پر آمادہ ہو؟"

"ہم دونوں ہم خیال ہیں' ہم نے ایک دوسرے کو سمجھ لیا ہے اور ہم ایک دوسرے کے
اتھ سمجھوتا کرسکتے ہیں"

شفق نے غزنوی کی بات کا جواب کچھ اس انداز سے دیا جیسے وہ ان کی بات کا جواب دینا نہ
ہتی ہو

غزنوی نے سوچا

"سمجھوتا تو تم آج تک میرے ساتھ نہیں کرسکیں پھر کسی اور کے ساتھ سمجھوتا کرنے کا کیا
ال ہے؟

انہوں نے سائیڈ ٹیبل سے میگزین اٹھا کر اس کے اوراق الٹتے ہوئے کہا

"تم سوچ لو'ایسا نہ ہو کہ اس گھر کو چھوڑنے کے بعد تمہیں کوئی پچھتاوا ہو۔"

"اگر آپ یہ سمجھ رہے ہیں کہ میں نے محض چند دنوں تک سوچنے کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے
آپ اپنی غلط فہمی کو دور کرلیں"

غزنوی خاموش رہے

شفق نے کہا

"میں نے بہت اچھی طرح سوچنے کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے"

غزنوی نے کہا

"کسی شخص کی پرکھ بڑا مشکل کام ہے 'بیشتر اوقات ہم لوگ دھوکہ کھا جاتے ہیں۔بہت
ے لوگ دیکھنے میں جو کچھ نظر آتے ہیں۔حقیقت میں وہ نہیں ہوتے"

شفق نے بڑے اطمینان سے کہا

"ہاں لیکن مجھے یقین ہے کہ عارف فیضی جو کچھ نظر آتے ہیں حقیقت میں بھی وہی کچھ ہیں
میرا مطلب ہے ان کا ظاہر و باطن ایک ہی ہے"

غزنوی نے اس کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا

"اچھا اس یقین کی وجہ؟" غزنوی نے ایک ڈوبی ہوئی سانس لے کر کہا

"دل کی آواز" شفق نے جواب دیا

"دل کی آوازوں پر تو انسانوں کو کان ہی نہیں دھرنا چاہیے۔ان کی آوازوں کے تعاقب
میں تو انسان راہ سے بے راہ ہوجاتا ہے" پھر غزنوی نے ناصحانہ انداز میں کہا

"دیکھو شفق!تم ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچو'تمہارا گھر ہے' تمہارے بچے ہیں کیا ان
ب کو چھوڑ کر ایک نئی دنیا بسانا تمہیں زیب دے گا تمہارا دل گوارا کرے گا اس بات کو"

شفق نے بڑی بیزاری سے کہا

"غزنوی صاحب میں آپ کی نصیحتیں سننے کے لئے یہاں نہیں آئی ہوں گھر، بچے ان سب سے میرا جتنا واسطہ اور تعلق ہے وہ آپ اچھی طرح جانتے ہیں ایسے تعلق سے تو ترک تعلق ہی اچھا ہے"

"تمہارا خاندان اور اسکی عزت' اس کا بھی خیال نہیں ہے تمہیں؟"

غزنوی نے چبھتی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا

شفق نے چڑ کر کہا

"خاندان نے کتنا ساتھ دیا ہے میرا جو اس خاندان کے پیچھے اپنی رہی سہی زندگی کو بھی گھن لگا دوں"

غزنوی نے اس کے لہجے کو نظرانداز کرتے ہوئے کہا

"میں نے نہ کبھی تمہارا برا چاہا ہے۔ نہ چاہوں گا' میں تمہیں یہی مشورہ دوں گا کہ اب تک جو کچھ ہوا اسے بھول جاؤ ہم دونوں ایک دوسرے کی خاطر نہ سہی اپنے بچوں کی خاطر اور اپنے خاندانوں کی خاطر نئے سرے سے زندگی کا آغاز کریں"

شفق نے زہریلے لہجے میں کہا

"آپ میرے کتنے خیر خواہ ہیں اس کا ذکر تو جانے ہی دیں میں آپ سے کوئی مشورہ لینے نہیں آئی ہوں۔ میں نے جو آپ سے درخواست کی ہے صرف اس پر عمل کریں آپ کی بڑی مہربانی ہوگی"

غزنوی نے بے چارگی سے کہا

"میں کیسے مان لو تمہاری بات؟ شفق' میں کس طرح مان لو؟ میرا دماغ اس بات پر کبھی آمادہ ہی نہیں ہوگا"

"آپ کا دل' آپ کا دماغ اس بات پر آخر کیوں آمادہ نہیں ہوں گے؟ بقول سارے خاندان کے کون سا سکھ پہنچا رہی ہوں میں' آپ کی زندگی کو اجاڑ اور ویران تو کر رکھا ہے میں نے"

شفق کا لہجہ طنز اور بیزاری سے بھرپور تھا

غزنوی نے جذباتی ہو کر کہا

"اپنے جیتے جی تو شاید میں یہ کام نہیں کر سکوں گا' تم میرا ریوالور نکال کر مجھے گولی مار دو' میں اس دنیا میں نہ رہو گا پھر تم جس سے چاہنا شادی کر لینا"

غزنوی کا یہ جذباتی انداز بھی شفق کے پتھر دل کو موم نہیں بنا سکا اس نے لاپرواہی سے کہا

"ان جذباتی باتوں کا کوئی فائدہ نہیں' آپ کے اور میرے لئے اب یہی بہتر ہے کہ ہم ایک دوسرے کی زندگی سے ہمیشہ کے لئے نکل جائیں"

غزنوی کا ضبط و تحمل اب جواب دے چکا تھا۔ وہ بلند آواز میں بولے

"میرے لئے کیا بہتر ہے اور کیا نہیں' اس کا فیصلہ کرنے والی تم کون ہوتی ہو؟ جب مجھے تم نے اتنا بھی حق نہیں دیا کہ میں تمہاری بھلائی کے لئے کوئی مشورہ دے سکوں تو تم.... آخر تم"

غزنوی غصے کی زیادتی سے آگے نہ بول سکے اپنی بات ادھوری چھوڑ کر انہوں نے ایک لمبی سانس لی اور اٹھ کر دریچے میں کھڑے ہو گئے

شفق نے پھر کہنا چاہا تو غزنوی چیخ پڑے

"خدا کے لئے شفق میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتا ہوں' خاموش رہو' چپ رہو' میرے پاس سے چلی جاؤ' مجھے تنہا چھوڑ دو"

شفق نے پیشانی پر شکنیں ڈال کر تیکھی نظروں سے ان کی طرف دیکھا اور پھر کچھ کہنے کی کوشش کی

غزنوی نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام کر کہا

"تم نے سنا نہیں؟ میں اس وقت کوئی بات برداشت نہیں کر سکتا۔ مجھ پر رحم کرو' کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے دماغ کی رگیں پھٹ جائیں"

شفق نے قہر آلود نگاہوں سے غزنوی کی طرف دیکھا اور غزنوی بے جان سے ہو کر بستر پر گر پڑے

ان کا نفس تیز ہو گیا تھا

دماغ سنسنا رہا تھا۔ آنکھیں جل رہی تھیں

وہ دل ہی دل میں کہہ رہے تھے

خداوندا! یہ کن ناکردہ گناہوں کی سزا تو مجھے دے رہا ہے

اب اور کتنا برداشت کروں؟

اب اور کس قدر ضبط کروں؟

یہ قطرہ قطرہ زہر حلق سے اتارنے کی سکت اب مجھ میں باقی نہیں رہی

میرے معبود! تو اس عورت کو عقل دے

اس کی آنکھوں پر پڑے پردے کو ہٹا دے

اس کے دل پر پڑی ہوئی نفرتوں کی گرد کو اڑا دے

اپنی بے بسی اور بے چارگی پر غزنوی کی آنکھیں نم ہو گئیں

وہ تکیوں میں منہ چھپائے بستر پر آڑے ترچھے لیٹے سوچتے رہے

نہ غزنوی کو معلوم ہوا نہ شفق کو پتہ چل سکا کہ ان دونوں کے درمیان ہونے والی ساری گفتگو افق نے سن لی تھی۔ وہ کسی کام سے اپنے ابو کے پاس آئی تھی۔ لیکن اونچے لب و لہجے میں ہونے والی باتیں سن کر وہ کمرے کے باہر ٹھہر گئی شفق غصے میں بھری ہوئی اپنے کمرے میں

گئی تو افق نے آہستہ سے پردہ سرکا کر اندر جھانکا ' غزنوی کو بستر پر آڑے ترچھے لیٹے دیکھ کر وہ گھبرا گئی

اس نے فکر مند ہو کر پکارا

"ابو! کیسی طبیعت ہے آپ کی؟"

غزنوی نے کوئی جواب نہیں دیا

"ابو کیا ہو گیا ہے آپ کو؟"

افق نے دوبارہ پوچھا

وہ رو دینے کے قریب تھی

غزنوی نے کہا

"بیٹے! میرے سر میں درد ہے! مجھے آرام کرنے دو"

افق نے اگر اپنی امی اور ابو کی باتیں نہ سنی ہوتیں تو اسے فکر نہ ہوتی وہ پریشان ہو کر اپنی دادی امی (نفیسہ بیگم) کے پاس چلی گئی

"دادی اماں! جلدی چل کر دیکھئے 'ابو کو کیا ہو گیا ہے؟"

افق نے کہا

نفیسہ بیگم کا دل بڑے زور سے دھڑکا۔ ادھر چند دنوں سے غزنوی کو بہت پریشان دیکھ رہی تھیں۔ انہیں اندازہ تو تھا کہ طویل عرصے کی خاموشی کے بعد پھر کوئی نیا جھگڑا ہوا ہے

افق نے پھر کہا

"دادی اماں! آپ کیا سوچ رہی ہیں؟ جلدی چل کر ابو کو دیکھیں"

نفیسہ بیگم نہیں چاہتی تھی کہ افق کے دل و دماغ پر کوئی ناخوشگوار اثر پڑے۔ اپنی کیفیت پر قابو پاتے ہوئے انہوں نے بڑے اطمینان سے کہا

"کیوں بٹی؟ کیا ہوا تمہارے ابو کو؟ کچھ طبیعت خراب ہے؟"

افق نے کہا

"ابو کہتے تو یہی ہیں کہ سر میں درد ہے لیکن"

بات ادھوری چھوڑ کر وہ سوچ میں پڑ گئی۔ دادی اماں سے کہے یا نہ کہے کہ اس نے امی ابو سے جھگڑا کرتے ہوئے سنا ہے کہیں دادی اماں اس بات پر ناراض نہیں ہوں کہ تم نے چھپ کر بڑوں کی باتیں کیوں سنیں

"لیکن؟"

نفیسہ بیگم نے پوچھا

"امی نے ابو سے جھگڑا کیا ہے دادی اماں"

افق کی آنکھوں میں آنسو آ گئے

"نہیں تمہیں غلط فہمی ہو گئی ہو گی 'جاؤ تم جا کر اپنا کام کرو 'میں دیکھتی ہوں تمہارے ابو کو"

انہوں نے افق کو پریشان دیکھ کر کہا

"تم تھوڑی دیر کے لئے پڑوس میں اپنی سہیلی روبینہ کے پاس ہو آؤ۔ میں خود جا کر تمہیں لے آؤں گی"

افق کو پڑوس میں بھیج کر وہ خود غزنوی کے کمرے میں چلی آئیں۔ غزنوی اب تک اسی طرح لیٹے ہوئے تھے

نفیسہ بیگم نے آہستہ سے ان کا کندھا چھو کر کہا

"غزنوی بیٹے!"

غزنوی نفیسہ بیگم کی آواز سن کر چونک پڑے۔ آنکھوں سے ہاتھ ہٹا کر انہوں نے ان کی طرف دیکھا

"کیسی طبیعت ہے بیٹے؟ بے وقت کیسے لیٹے ہو؟"

"سر میں درد ہے"

غزنوی اٹھ کر بیٹھ گئے

"یہ اچانک تمہارے سر میں کیسے درد ہو گیا؟"

نفیسہ بیگم نے گہری نگاہوں سے ان کے چہرے کا جائزہ لیا

"صبح سے ہی تھا"

غزنوی نے جھوٹ کا سہارا لیا

نفیسہ بیگم نے کہا

"معلوم ہوتا ہے کہ آج پھر شفق سے تمہارا جھگڑا ہوا ہے"

غزنوی سے کوئی جواب نہ بن سکا

نفیسہ بیگم نے رسانیت سے کہا

"اور تمہیں شاید علم نہیں کہ تم دونوں کی آج کی گفتگو افق نے سن لی ہے 'اسی نے آکر مجھے اطلاع دی ہے"

"اچھا!!"

غزنوی نے فکر مند ہو کر انکی طرف دیکھا

نفیسہ بیگم نے ان کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا

"دیکھو غزنوی اب پانی سر سے اونچا ہو چکا ہے 'سمجھوتے کی کوئی صورت نہیں ہے لہٰذا تم اس قصے کو ختم کر دو"

نفیسہ بیگم نے پھر کہا۔

یقیناً "اس نے وہی پرانا مطالبہ دہرایا ہو گا"

غزنوی نے ایک طویل سانس لے کے ان کی طرف دیکھا مگر زبان سے کچھ نہیں کہا
نفیسہ بیگم نے پوچھا
"کیوں؟ یہی بات ہے نا؟"
"جی امی!.....وہ شادی کرنا چاہتی ہے"
غزنوی نے یہ کہہ کر بڑی بے چارگی سے ان کی طرف دیکھا
"مجھے پہلے ہی اس بات کا یقین تھا' میں پہلے ہی تم سے یہ بات کہہ چکی ہوں"
غزنوی نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھامتے ہوئے کہا
"میں کیا کروں امی؟ کوئی راستہ نظر نہیں آتا مجھے"
"راستہ تو تمہارے سامنے ہے' تم خود اس راستے پر چلنا نہیں چاہتے"
"مجھے خوف آتا ہے جگ ہنسائی کے خیال سے"
"جگ ہنسائی تو اب بھی ہو رہی ہے' تم سمجھتے ہو' خاندان والے حالات سے بے خبر ہیں"
"میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گا"
"منہ دکھانے کے قابل تو وہ نہیں رہے گی' سب کو اندازہ ہو چکا ہے کہ وہ کس مزاج کی ہے"
"بات تو ایک ہی ہے امی! اس کی رسوائی میری رسوائی ہے"
"ایک تو مشکل یہ ہے غزنوی کہ تمہارے سر سے اس کا جادو اترتا ہی نہیں۔ سب کچھ تو کر چکی ہے' اب اور کیا باقی رہ گیا ہے؟"
غزنوی اپنی کہے گئے
" امی ایک شخص بھی ایسا نہیں ہے جو اسے سمجھا سکے' اسے یہ قدم اٹھانے سے روک سکے؟"
نفیسہ بیگم نے تلملا کر کہا
"جس عورت کی عقل پر پتھر پڑے ہوں' جس کے دل و دماغ پر پردے پڑے ہوئے ہوں دنیا کے کسی شخص کی بات اس کی سمجھ میں نہیں آسکتی"
غزنوی نے فرط کرب سے اپنی پیشانی رگڑتے ہوئے کہا
"میں اسے کیسے چھوڑ دوں امی؟ نہ میرا دل اس پر آمادہ ہوتا ہے نہ دماغ"
"تمہارا دل و دماغ چاہے اس بات پر آمادہ ہو یا نہ ہو' اب ہر صورت میں تمہیں اسے چھوڑنا ہوگا' ان آئے دن کے جھگڑوں سے تمہارے بچوں کے ذہن پر بھی برا اثر پڑ رہا ہے"
"برا اثر تو دوسری صورت میں بھی پڑے گا"
"وہ محض ایک دفعہ کی بات ہوگی' دھچکہ ضرور پہنچے گا ان کے دلوں کو اس کے بعد سنبھل جائیں گے' اس روز روز کی ذہنی اذیت سے تو نجات ملے گی انہیں"

غزنوی گہری سوچوں میں ڈوب گئے
نفیسہ بیگم نے کہا
"میں آج ہی احتشام اور عارفہ کو اس صورتحال سے آگاہ کرتی ہوں"
غزنوی نے کہا
"نہیں امی! خدا کے لئے ابھی کسی سے کچھ مت کہیے۔ مجھے ایک کوشش اور کر لینے دیجئے میں اس سے پھر بات کروں گا"
"مجھ سے اب یہ سب کچھ نہیں دیکھا جاتا غزنوی' تم اپنی ماں کی دلی کیفیت سے بے خبر ہو"
نفیسہ بیگم کی آنکھیں پرنم ہو گئیں وہ اٹھ کر باہر چلی گئیں لیکن وہ دل ہی دل میں سوچ چکی تھیں کہ اب..... غزنوی چاہے کچھ بھی کہتے رہیں وہ ان کی ایک نہیں سنیں گی
نفیسہ بیگم نے دوسرے ہی روز احتشام چچا اور عارفہ بیگم کو فون پر ساری صورتحال بتا کر انہیں گھر آنے کے لئے کہا
احتشام چچا اور عارفہ چچی جس وقت غزنوی کے گھر آئے تو غزنوی گھر میں نہیں تھے وہ آفس سے اٹھ کر یاسر کے پاس چلے گئے تھے۔ نفیسہ بیگم اور احسان صاحب سے مل کر عارفہ بیگم تو شفق کے کمرے کی طرف چل دیں لیکن احتشام چچا نے ان کے ساتھ جانے سے صاف انکار کر دیا۔
انہوں نے بے حد غصے سے کہا۔
"وہ میرے لئے مر چکی ہے' میری صرف ایک بیٹی ہے۔ ٹینا! مرے ہوئے لوگوں سے نہ کچھ کہا جاتا ہے نہ سنا جاتا ہے"۔
خشمگیں چہرہ لئے ہوئے جب عارفہ بیگم شفق کے کمرے میں گئیں تو شفق چونک پڑی پھر سمجھ گئی کہ غزنوی نے اپنی مدد کے لئے ان لوگوں کو ساری صورتحال بتا دی ہے۔
شفق نے سوچا۔
"چلو اچھا ہی ہوا' مجھے کسی سے کچھ کہنا نہیں پڑا۔"
عارفہ بیگم نے پہلے تو جی بھر کے شفق کو ڈانٹا' پھر اسے سمجھانے کی کوشش کی' پیار سے سمجھائے' ہر طریقہ۔ انہوں نے آزما کر دیکھ لیا۔
مگر شفق کے اوپر اب کسی بات کا اثر ہونا ناممکن ہو گیا تھا۔
اس کے اوپر بیک وقت دو متضاد قسم کے جذبات کا غلبہ تھا۔
ایک طرف وہ اپنے شوہر' بچوں' ماں' باپ غرض یہ کہ پورے خاندان کے لئے پتھر ہو گئی تھی
تو دوسری طرف عارف فیضی کی محبت کی آنچ نے اسے موم کی طرح پگھلا کر رکھ دیا تھا۔
عارف فیضی کی محبت اس کے لئے ایک سمندر تھی۔

چاہت کے اس سمندر میں وہ سر تاپا غرق ہو چکی تھی۔
اس سمندر کی گہرائی سے وہ خود اپنے آپ کو آزاد نہیں کرنا چاہتی تھی۔
اس سمندر کی گہرائی میں ڈوب کر ابھرنے کا اسے خیال ہی نہیں آتا تھا۔
جب شفق کے اوپر عارفہ بیگم کی کس بات کا کوئی اثر نہیں ہوا تو انہوں نے جل کر عارف فیضی کو کوس ڈالا۔
"آخر وہ کون منحوس شخص ہے جس کے پیچھے تم غزنوی جیسے ہیرے کو ٹھکرا رہی ہو۔"
شفق نے نفرت سے کہا۔
"آپ سب کی نظروں میں بے شک غزنوی ہیرا ہو لیکن میں تو اتنا جانتی ہوں کہ اس شخص نے مجھے زندہ درگور کردیا ہے۔"
"اپنی زندگی کو جہنم تم نے خود بنایا ہے اس میں غزنوی کا کوئی قصور نہیں"
"میری سب سے بڑی بدنصیبی تو یہی ہے کہ آپ لوگوں کو غزنوی کا کوئی قصور نظر نہیں آتا۔"
"غزنوی کا کوئی قصور ہو گا تو نظر آئے گا"
شفق نے بے حد چڑ کر کہا۔
"ٹھیک ہے پھر اتنا اچھا انسان مجھ جیسی بری عورت کا پیچھا چھوڑ کیوں نہیں دیتا۔ کیوں نہیں چھٹکارا حاصل کرلیتا مجھ سے؟"
"محض اس لئے کہ تمہارے ماتھے پر رسوائی کا داغ نہ لگے۔"
"ان سے کہہ دیں کہ مجھے اس بات کی بالکل پروا نہیں، مجھے رسوا ہو جانے دیں۔"
عارفہ بیگم نے بے حد غصے میں کہا۔
"دیکھو شفق! اپنے باپ کے لئے تو تم مرہی چکی ہو، میری ایک بات کان کھول کر سن لو اگر غزنوی نے تمہیں طلاق دیدی اور تم نے عارف فیضی سے شادی کرلی تو تمہارے لئے میرے گھر کے دروازے ہمیشہ کے لئے بند ہو جائیں گے۔"
شفق نے لاپرواہی سے کہا۔
"تو آپ لوگوں نے اب کون سے کھول رکھے ہیں میرے لئے اپنے گھر کے دروازے"
"بس تو ٹھیک ہے، ہماری طرف سے تم جہنم میں جاؤ۔"
عارفہ بیگم شکستہ پا اس کے کمرے سے نکل گئیں۔
اس بات کو دو تین دن گزر گئے تھے کہ شفق ایک بار پھر غصے میں بھری ہوئی غزنوی کے کمرے میں داخل ہوئی۔ غزنوی گہری سوچوں میں ڈوبے ہوئے صوفے کی پشت سے ٹکائے بیٹھے تھے۔
شفق نے بغیر کسی تمہید کے کہا۔

"آپ آخر کب فیصلہ کریں گے غزنوی صاحب؟"
غزنوی نے انگلیوں میں سلگتے ہوئے سگریٹ کی راکھ کو ایش ٹرے میں جھاڑتے ہوئے کہا۔
"تم سمجھتی ہو فیصلہ کرنا اس قدر آسان ہے؟"
"آخر دشواری کیا ہے؟"
"دشواری اس بات کی ہے کہ میرا دل اور دماغ تمہیں چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔"
"اچھا! اس قدر چاہتے ہیں آپ مجھے؟ اتنی محبت ہے آپ کو مجھ سے؟" شفق کا انداز طنزیہ تھا۔
"معلوم نہیں، محبت ہے یا نہیں ہے۔"
غزنوی نے ایک گہری سانس لی۔
شفق نے کہا۔
"اچھا میں تھوڑی دیر کے لئے مان لیتی ہوں کہ آپ کو مجھ سے بہت محبت ہے میں اسی بت کا واسطہ دے کر کہتی ہوں، آپ کے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں۔ اب اس قید میں نہ رکھیئے مجھے۔"
شفق نے یہ کہتے ہوئے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔
غزنوی نے کہا۔
"اتنی شدید خواہش ہے تمہیں اس گھر سے چلے جانے کی"
"یہی سمجھ لیجئے"
"تم اس گھر سے چلی جاؤ گی تو ان بچوں کا کیا ہو گا؟ یہ تمہیں یاد نہیں کریں گے؟"
"نہیں، وہ مجھے بالکل یاد نہیں کریں گے۔ انہیں میرے علاوہ اس دنیا میں ہر شخص سے بت ہے۔"
"اور تم؟ تم بھی انہیں یاد نہیں کرو گی؟"
شفق نے بیزار ہو کر کہا۔
"غزنوی صاحب! ان سب باتوں کا کوئی فائدہ نہیں۔ ساری دنیا آپ کی قصیدہ خوانی کرتی ہے آپ بہت اچھے انسان ہیں سب کی نگاہوں میں، میری سمجھ میں نہیں آتا، آپ مجھ جیسی رت سے نجات حاصل کیوں نہیں کرلیتے۔"
غزنوی نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ خاموش بیٹھے اس کی طرف دیکھتے رہے۔
شفق ان کی بات پر چڑ کر بولی۔
"میں آپ کی صورت دیکھنے کے لئے نہیں آئی ہوں، مجھے اپنی بات کا جواب چاہئے، مجھے پ کے فیصلے کا انتظار ہے۔"
"میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ میرے لئے یہ دشوار ترین مسئلہ ہے"

"اچھا! تو پھر میں آپ کو ایک بات بتا دینا چاہتی ہوں۔ میں آپ کو صرف تین دن کی مہلت اور دے رہی ہوں، اگر اس دوران آپ نے مجھے طلاق نہیں دی تو پھر نتائج کے ذمہ دار آپ خود ہوں گے۔"

شفق کے لہجے کی سختی پر غزنوی گھبرا گئے۔

انہوں نے پوچھا "کیوں؟ کیا کرو گی تم؟"۔

"آپ یقیناً یہ نہیں چاہیں گے کہ میں کوئی غلط قدم اٹھاؤں۔"

غزنوی کچھ نہیں بول سکے۔

شفق نے بڑے سنگین لہجے میں کہا۔

غزنوی صاحب! میں یہ زندگی گزارتے گزارتے عاجز آ چکی ہوں۔ میں ہر صورت میں اب اس گھر سے چلی جانا چاہتی ہوں چاہے اس کے لئے مجھے کتنی ہی بڑی قیمت کیوں نہ دینی پڑے۔

غزنوی حیران و پریشان بیٹھے رہ گئے۔ اور شفق اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

شفق نے غزنوی کو تین دن کی مہلت دے کر جیسے انہیں سولی پر لٹکا دیا تھا۔

سوچتے سوچتے غزنوی کے دماغ کی رگیں کھنچنے لگی تھیں۔

دل کی یہ کیفیت تھی کہ ہر لمحے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اب یہ دھڑکنیں ہمیشہ کے لئے رک جائیں گی۔

ہر لمحہ قیامت بن کر گزر رہا تھا۔

غزنوی کے سامنے کوئی راستہ نہیں تھا۔

کوئی چارہ کار نہیں تھا سوائے اس کے کہ وہ شفق کو طلاق دے دیں۔

لیکن یہ ان کے لئے دشوار ترین مرحلہ تھا۔

غزنوی کے لئے یہ مشکل ترین کام تھا۔

ان کا دل چاہتا تھا کہ وہ اپنے آپ کو ختم کر لیں۔

فرط غم اور پریشانی سے کئی بار ان کا ہاتھ اپنے ریوالور تک گیا۔

لیکن پھر خیالات کا ہجوم انہیں شفق کی ذات سے ہٹا کر دور لے گیا۔

ان کی نگاہوں کے سامنے بہت سے چہرے گھوم گئے وہ چہرے۔ جن کا ان کی ذات سے گہرا تعلق تھا۔ ماں باپ، بھائی بہنیں اور ان کی اولاد۔

ہر چہرہ ایک فریاد، ایک التجا بن کر ان کی نگاہوں کے سامنے آ گیا۔

ہر آنکھ پرنم ہو کر ان سے کچھ کہہ رہی تھی، کچھ پوچھ رہی تھی۔

تم کس لئے اتنا بڑا غم دے کر جانا چاہتے ہو۔

اس عورت کی خاطر زندگی سے ناتہ توڑ رہے ہو جس نے سوائے دکھوں کے تمہیں اور کچھ نہیں دیا؟

دو دن گزر گئے تیسرے روز غزنوی ایک بار پھر بڑی ہمت کر کے شفق کے کمرے میں گئے انہوں نے اسے سمجھانے کی ہر ممکن کوشش کی انہوں نے اس سے التجا تک کر ڈالی کہ وہ انہیں اور اپنے بچوں کو چھوڑ کر نہ جائے لیکن شفق پر تو اب جنون سوار ہو گیا تھا۔

اس نے پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے کہا۔

"غزنوی صاحب خدا کے لئے آپ میرا پیچھا چھوڑ دیجئے آپ اتنے خود غرض کیوں بن رہے ہیں؟"

غزنوی نے بڑی بے چارگی سے کہا۔

"شفق! یہ میرے بس میں نہیں ہے، کاش! تم میرے دل کی کیفیت کو سمجھ سکتیں۔"

"نہیں، نہیں، اب مجھے کچھ نہیں سمجھنا، بس اب میرے سامنے ایک ہی راستہ ہے۔"

غزنوی نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھامتے ہوئے کہا۔

"خداوندا! میں کیا کروں؟ مجھے ہمت دے پروردگار، حوصلہ دے مجھے۔"

شفق پر غزنوی کے دل و دماغ کی کیفیت کا کوئی اثر نہیں تھا اس نے غزنوی کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"میری اب تک کی زندگی تو جیسی گزری گزر گئی۔ گزرے ہوئے لمحوں کا کوئی حساب نہیں مانگتی کسی سے، لیکن اب جبکہ زندگی کے اچھے انداز سے گزارنے کا ایک موقع مجھے مل رہا ہے تو آپ مجھے کیوں اس سے محروم رکھنا چاہتے ہیں؟"

غزنوی نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

"... بہتر جانتا ہے کہ تمہاری آئندہ زندگی کس انداز سے گزرے گی۔"

شفق نے قہر آلود نگاہوں سے غزنوی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اگر دعا نہیں دے سکتے تو بد دعا بھی مت دیجئے"

غزنوی نے افسردگی سے کہا۔

"میری دعائیں تو اب بے اثر ہو چکی ہیں اور بد دعا میں نے زندگی میں کبھی کسی کو نہیں دی"

شفق نے اپنے رخساروں پر بہتے ہوئے آنسو خشک کرتے ہوئے کہا۔

"بہرحال! غزنوی صاحب کل کا دن اور ہے، کل شام تک اگر مجھے اس قید سے رہائی نہ ملی تو پھر میں اس بات پر مجبور ہو جاؤں گی کہ اس دنیا سے ہی رہائی حاصل کر لوں۔"

غزنوی نے پریشان ہو کر اس کی طرف دیکھا اور بولے۔

"تمہارے اس فیصلے میں ترمیم کی کوئی گنجائش نہیں؟"

"نہیں، نہیں، نہیں...."

شفق ایک دم چیخ پڑی اور اپنی آنکھوں میں امنڈتے ہوئے آنسوؤں کو خشک کرتے ہوئے

"اور اب اس سلسلے میں آپ مجھ سے کوئی بات نہیں کریں گے۔"
غزنوی شکستہ قدموں سے اپنے کمرے میں لوٹ آئے۔ اور پھر غزنوی ہار گئے۔
ان کے حوصلے نے جواب دے دیا۔
انہوں نے سوچا۔
اب کوئی راستہ نہیں۔
اس سے کوئی فائدہ نہیں، کسی کو بھی کچھ حاصل نہیں ہوگا اگر وہ اپنی جان سے گزر گئی۔
اگلے روز شام ہونے سے پہلے ہی غزنوی نے طلاق کے کاغذات پر دستخط کرکے امی نفیسہ بیگم کے سپرد کر دیئے۔

شفق اس گھر سے چلی گئی۔
ایک کہانی تھی جو اپنے المناک انجام پر پہنچ گئی۔
ایک داستان تھی جو تمام ہوئی مگر
روح زخموں کے انبار تلے دب کر رہ گئی۔
دل رنج و غم کے بھاری بوجھ تلے دب کر رہ گیا۔
غزنوی کی کیفیت اس مسافر کی سی تھی جو زندگی کے سفر پر چلتے چلتے اپنا سب کچھ لٹا بیٹھا ہو، اپنا سب کچھ کھو بیٹھا ہو۔
اور پھر تھک ہار کر، آبلہ پا ہو کر شکستہ دل ہو کر بیٹھ گیا ہو۔
شفق کے جانے کے بعد غزنوی اپنی امی نفیسہ بیگم کی گود میں منہ چھپا کر لیٹ گئے نفیسہ بیگم کی آنکھوں میں آنسو تھے اپنے بیٹے کی بے چارگی پر ان کا دل فرط غم سے پھٹا جا رہا تھا لیکن وہ ضبط کئے بیٹھی تھیں انہوں نے اپنی کپکپاتی انگلیوں سے غزنوی کے بالوں میں کنگھا کیا اور افسردگی سے بولیں۔
"صبر کرو غزنوی"
غزنوی جواب تک اندر ہی اندر کڑھ رہے تھے ضبط کئے بیٹھے تھے نفیسہ بیگم کے اس جملے نے ان کے جذبات کے آگے بندھا ہوا صبر و ضبط کا بندھن توڑ دیا۔

"میں لٹ گیا ہوں امی' میں برباد ہو گیا ہوں۔"
غزنوی کی آنکھوں کے گوشے نم ہو گئے۔
ان کے لہجے کی شکستگی پر نفیسہ بیگم کا دل تڑپ اٹھا۔
ان کا دل چاہتا تھا۔ اپنے بیٹے کے اس غم پر وہ چیخیں مار مار کر رو یں
انہوں نے ضبط کرتے ہوئے کہا۔
"ہمت سے کام لو بیٹے! قسمت میں یہی لکھا تھا۔ تم نے اپنے حالات کو سنوارنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی" ۔
غزنوی نے احساس ندامت کے بوجھ تلے دب کر کہا۔
"میں اپنے بچوں کو کیا منہ دکھاؤں گا" ۔
نفیسہ بیگم نے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا۔
"تم کیوں شرمسار ہو؟ تمہارا اس میں کیا قصور ہے؟"
"قصور میرا نہیں امی! لیکن یہ خیال میرے دل و دماغ پر کچوکے لگا رہا ہے کہ ماں کے زندہ ہوتے ہوئے بھی میرے بچے اس کی ممتا سے محروم رہیں گے' وہ کیا سوچیں گے میں اسے روک بھی نہ سکا" ۔
"دیکھو غزنوی! تم اپنے دل و دماغ پر مزید کسی بات کا بوجھ مت ڈالو' مجھے اندیشہ ہے کہیں تمہیں کچھ نہ ہو جائے" ۔
وہ عجیب طنزیہ انداز سے مسکرا کر بولے۔
"مجھے کچھ نہیں ہو گا میں! بہت سخت جان ہوں میں' اپنی موت کے پروانے پر دستخط کر کے بھی زندہ بیٹھا ہوا ہوں" ۔
نفیسہ بیگم نے ان کے منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔
"کیسی باتیں کر رہے ہو بیٹے! کچھ سمجھ سے کام لو۔"
نفیسہ بیگم نے سہم کر کہا۔
"خدا نہ کرے جو تمہیں کچھ ہو' انسان کی زندگی میں صرف بیوی ہی تو سب کچھ نہیں ہوتی کسی شخص کے اوپر اس کی اولاد کا بھی بڑا حق ہوتا ہے کتنے ہی لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کی بیویاں شادی کے چند سال بعد ہی مرجاتی ہیں لیکن اپنی بیویوں کے ساتھ وہ لوگ خود بھی مر تو نہیں جاتے اپنی اولاد کی خاطر جیتے ہیں۔"
غزنوی نے فرط کرب سے آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا۔
"وہ مر جاتی امی! وہ مر گئی ہوتی تو شاید مجھے صبر آجاتا مگر وہ تو جیتے جی مجھے چھوڑ کر چلی گئی ہے۔ سچ امی ذرا بھی دل نہیں چاہتا زندہ رہنے کو۔"
نفیسہ بیگم اپنی آنکھوں میں امڈتے ہوتے آنسوؤں کو خشک کرتے ہوئے بولیں۔

"تم تو بالکل ہی ہمت ہارے دے رہے ہو غزنوی' اچھا اور برا وقت ہر انسان پر آتا ہے' دکھ' سکھ' رنج و غم سب کے ساتھ لگے ہوتے ہیں۔ خدا اپنے بندوں کو آزمائش میں بھی ڈالتا ہے۔"
"اتنی کڑی آزمائش؟ ایسی آزمائش میں ڈالنا تھا تو حوصلہ بھی دیا ہوتا خدا نے مجھے۔"
غزنوی نے کہا پھر جیسے وہ اپنے آپ سے بولے۔
"میرے بچے۔ میری افق' میرا مہروز' کیا اثر قبول کیا ہوگا ان کے ذہنوں نے؟ مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ مجھ سے کوئی سوال نہ کر بیٹھیں۔ میں کیا جواب دوں گا انہیں؟"
نفیسہ بیگم نے ایک دبی ہوئی سانس لے کر کہا۔
"تمہاری ازدواجی زندگی کی تلخیوں نے تمہارے بچوں کو وقت سے پہلے ہی سمجھدار کر دیا ہے۔ میں سمجھتی ہوں ان کے ذہنوں نے اپنے آپ کو آنے والے حالات کے لئے پہلے ہی تیار کر لیا تھا مجھے یقین ہے کہ وہ تم سے کچھ نہیں پوچھیں گے کوئی سوال نہیں کر [illegible] گے تم سے۔"
غزنوی چند منٹ تک گہری سوچوں میں ڈوبے ہوئے چپ چاپ لیٹے رہے پھر اٹھ کر کھڑکی میں کھڑے ہو گئے نفیسہ بیگم بھی اٹھ کر ان کے قریب آگئیں اور ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر پیار سے بولیں۔
"بیٹے تم ایک نیند کی گولی کھالو' تھوڑی دیر کے لئے سو جاؤ' خدا جانے کتنی راتوں سے جاگے ہوئے ہو"
غزنوی دریچے میں جھکے خاموش کھڑے رہے۔
نفیسہ بیگم نے پھر اپنی بات دہرائی تو وہ شکستہ لہجے میں بولے۔
"یہ گولیاں بھی بے اثر ہو گئی ہیں اب' لیکن خیر! آپ جائیے میں کوشش کرتا ہوں سونے کی۔"
نفیسہ بیگم کے کہنے پر غزنوی نے [illegible] ں سے شیشی اٹھا کر دو گولیاں کھالیں اور تکیوں میں منہ چھپا کر لیٹ گئے۔ وہ انہیں تنہا چھوڑ کر چلی گئیں۔
مگر..... غزنوی سچ کہتے تھے۔
نیند کی گولیاں ان کے لئے بے اثر ہو گئی تھیں۔
وہ دو دو' تین تین گولیاں کھا لیتے تھے لیکن ان کی آنکھیں بے خواب ہی رہتی تھیں۔
وہ چاہتے تھے کہ پلک جھپک جائے شاید دماغ کو سکون مل جائے لیکن سکون تو اب ان کی زندگی سے رخصت ہو چکا تھا۔
اس وقت بھی وہ آنکھیں بند کئے لیٹے رہے لیکن نیند کا دور دور تک پتہ نہیں تھا۔
یادوں کے جھروکوں سے جھانکتے ہوئے بیتے لمحے' گزری گھڑیاں سب مجسم سوال بنی

کھڑی تھیں۔

ہمیں بھلا دو گے، ہمیں بھول جاؤ گے، بھول پاؤ گے ہمیں؟

گمشدہ لمحوں کی بکھری ہوئی خوشبو کا احساس انہیں چین نہیں لینے دے رہا تھا۔

بند آنکھوں کے پیچھے ایک میلہ سا لگا ہوا تھا۔

رنگ و نور اور خوشبوؤں میں ڈوبی ہوئی وہ شام۔

ماموں جان کی بیٹی نیرہ کی مہندی کی وہ شام جب انہوں نے پہلی بار شفق کو دیکھا تھا۔

مہندی رنگ کے سادہ شلوار سوٹ پر ستاروں کے کام سے بھرا ہوا دوپٹہ، دھیرے دھیرے ہلکورے لیتے ہوئے کانوں کے آویزے۔

وہ ملکوتی سا تبسم۔

وہ شہزادیوں کی سی آن بان۔

سب سے الگ سب منفرد، سب سے نمایاں۔

وہ خود ان کی نگاہ شوق اور وہ ان کا انداز تجسس۔

یاسر کے چبھتے ہوئے جملے اور وہ ان کا آخری لمحوں تک اقرار نہ کرنا۔

ایک فلم تھی، زندگی کی فلم جو ذہن کے اسکرین پر متحرک تھی۔

پھر اس کے بعد آس اور نراس کے رنگوں میں ڈوب ڈوب کر ابھرتے لمحوں کا ایک قافلہ تھا جو گزرتا چلا گیا۔

یادوں کا ایک طویل کارواں تھا جو گزرتا چلا گیا۔

انہوں نے جسے دیکھا، جسے چاہا، اسے اپنا بنا لیا۔

خوشیوں کے اتنے پھول، مسرتوں کی اتنی کلیاں۔

کہ انہیں سمیٹنے کے لئے غزنوی کو اپنا دامن تنگ محسوس ہونے لگا۔

انہوں نے سوچا تھا۔

خدا مجھ پر کس قدر مہربان ہے۔

وہ سمجھے۔ ان کی زندگی کی تکمیل ہو گئی ہے۔

مگر خدایا! وہ گردش شام وسحر

وہ آزمائشوں کا ایک طویل اور لامتناہی سلسلہ۔

شفق کی وہ بدگمانیاں، وہ ناراضگیاں کہ قربتیں فاصلوں میں بدل گئیں۔

غزنوی بگڑے ہوئے حالات کو سنوارتے، سنوارتے تھک گئے۔

اس کی غلطیوں کو نظر انداز کرتے کرتے عاجز آ گئے۔

اس کے دل میں دھیرے دھیرے جڑ پکڑتی ہوئی کدورتوں کو دور کرنے کی کوشش میں نیم جاں ہو گئے۔

اپنے اور شفق کے درمیان خود اسی کے ہاتھوں کھڑی کی ہوئی دیوار کو مسمار کرتے کرتے ان کے ہاتھ شل ہو گئے۔

اپنے اور اس کے درمیان پھیلتے ہوئے فاصلوں کو مٹا دینے کی کوشش میں ان کے قدم شل ہو گئے۔ مگر وقت ان کے زخموں کو ... دینے پر آمادہ تھا۔

تقدیر انہیں زندگی کی کڑی دھوپ میں تنہا جلنے کی سزا دینے کا تہیہ کئے ہوئے تھی۔

ان کی زندگی کو وقت کی آندھیاں اپنی زد میں لئے ہوئے تھیں۔

وقت کے ساگر کی ٹھہری ہوئی پر سکون موجوں کے نیچے ایک طوفان چھپا ہوا تھا۔

ان کی ازدواجی زندگی تو ہوا کے دوش پر رکھا ہوا چراغ تھی جو کسی بھی لمحے بھڑک کر بجھ سکتی تھی۔

اس آندھی، اس طوفان پر ان کا کوئی زور نہ چل سکا۔

آندھی، طوفان زندگی میں سوائے تباہی و بربادی کے اور کچھ دے کر نہیں جاتے۔

غزنوی کی زندگی میں بھی طوفان آیا اور سب کچھ بہا کر لے گیا۔

آندھی آئی اور سب کچھ اڑا کر لے گئی۔

اور اس کے بعد باقی کیا بچا تھا؟

بچی کچی یادوں کے سائے۔

غزنوی پیچھے پلٹ کر دیکھتے تو انہیں محسوس ہوتا تھا کہ جیسے ایک خواب تھا جو بکھر گیا۔

زندگی کے اتنے سارے برس بادل بن کر اڑ گئے تھے۔

گزرے ہوئے لمحوں کے ملبے سے یادوں کا خزانہ سمیٹتے سمیٹتے جانے کتنا وقت گزر گیا۔

غزنوی تکیوں میں منہ چھپائے لیٹے رہے مگر انہیں نیند نہ آئی۔

انہوں نے سونے کی کوشش بہت کی تھی لیکن گزری گھڑیاں، بیتے لمحے یادوں کے جھروکے سے جھانک جھانک کر انہیں ستاتے رہے انہیں رلاتے رہے۔

تقدیر نے کس قدر کاری ضرب لگائی تھی اُن کا وجود ریزہ ریزہ ہو کر بکھر گیا تھا۔

اپنی ہی ذات کے بکھرے ہوئے ریزوں سے وہ لہولہان ہو گئے تھے۔

اپنے ہی شیشہ دل کی کرچیوں سے وہ زخمی ہو گئے تھے۔

انہیں ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے اب زندگی بھر وہ سنبھل نہیں پائیں گے۔

جیسے اب ساری زندگی ان کے زخم بھر نہیں پائیں گے۔

لہو رستا رہے گا ان کے زخموں سے اور وہ ناسور بن جائیں گے۔

غزنوی نے ایک گہری سانس لے کر کروٹ بدلی اور ان کے دل سے ایک صدا ابھر کر دل کے نہاں خانوں ہی میں گم ہو گئی۔

شفق! شفق! یہ کیا کیا تم نے؟

جیتے جی مار دیا تم نے مجھے۔

کمرے کے منجمد سناٹے میں کسی کے قدموں کی آہٹ گونجی غزنوی اسی طرح لیٹے رہے انہوں نے آنکھیں کھول کر نہیں دیکھا۔

افق نے دھیرے دھیرے ان کا سر دباتے ہوئے کہا۔

"آپ کو نیند نہیں آئی ابو"

"میں نے سونے کی کوشش ہی نہیں کی"

غزنوی آہستہ سے اس کا ہاتھ ہٹا کر اٹھ کر بیٹھ گئے۔

"آپ تھوڑی دیر سو جاتے تو اچھا تھا دماغ کو سکون ملتا ہے سونے سے"

افق نے کچھ جھجکتے ہوئے کہا۔

غزنوی نے اس کا سر اپنے شانے سے لگالیا۔ افق کی پلکیں بھیگ گئیں اس نے آنسوؤں کو ضبط کرتے ہوئے کہا۔

"آپ' آپ۔ زیادہ سوچا مت کیجئے ابو! مجھے ڈر لگتا ہے"۔

"کس بات سے ڈر لگتا ہے؟"

غزنوی چونکے۔ "اگر خدانخواستہ آپ بیمار پڑ گئے' خدا نہ کرے آپ کو کچھ ہو گیا تو میں کیا کروں گی"۔

اپنی بیٹی کی اس محبت' اس پریشانی پر غزنوی کے دل پر گہری چوٹ پڑی۔ انہوں نے اس کا سر تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

"نہیں' نہیں مجھے کچھ نہیں ہوگا تم پریشان مت ہو"

پھر وہ ایک طویل سانس لے کر بولے۔

"مجھے اپنے بچوں کی خاطر زندہ رہنا ہے۔ میں....."

غزنوی نے بات ادھوری چھوڑ دی اور گہری سوچ میں ڈوب گئے۔

افق ... انتظار کرتی رہی کہ وہ آگے کچھ بولیں مگر جب وہ خاموش رہے تو اس نے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا اور بولی۔

"آپ کچھ کہہ رہے تھے ابو!"

"ہوں!"

غزنوی ایک دم چونک گئے اور بولے۔

"میں یہ کہہ رہا تھا میرا مطلب ہے تمہیں معلوم ہے نا! تمہاری امی تمہیں چھوڑ کر چلی گئی ہیں؟"

غزنوی نے رکتے' رکتے اپنی بات پوری کی۔

"جی' جی ہاں"

افق نے سر جھکا کر کہا۔

"تم اداس تو نہیں ہونا۔"

غزنوی نے پوچھا۔

"میں پریشان ہوں آپ کے لئے پریشان ہوں۔"

غزنوی خاموش رہے۔

افق چند سیکنڈ تک ان کے چہرے کی طرف دیکھتی رہی پھر بولی۔

"میں چاہتی ہوں کہ آپ اپنے دماغ پر بالکل بھی بوجھ نہ ڈالیں۔ دنیا میں بہت سے لوگوں کے ساتھ ایسا ہوتا ہے"

افق نے یہ کہتے ہوئے چہرے کا رخ دوسری طرف کرلیا۔ غزنوی اس کی بات سن کر چونکے ان کے خیالات کا تسلسل ٹوٹ گیا۔

افق اپنی کہے گئی۔

"بلکہ کئی لوگوں کے ساتھ ایسا ہوا ہے۔ میری کلاس فیلو ربیعہ ہے نا! اس کی امی بھی اسے چھوڑ کر چلی گئی ہیں اور مہروز کہہ رہا تھا کہ وہ جن لڑکوں کے ساتھ کرکٹ کھیلتا ہے ان میں سے ایک لڑکے کی امی بھی۔ میرا مطلب ہے انہوں نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔"

غزنوی نے سوچا۔

میرے بچوں نے صبر کرلیا ہے انہوں نے حالات سے سمجھوتہ کرلیا ہے۔

انہوں نے افق سے کہا۔

"تم نے بھی اپنی امی کو نہیں روکا افق؟"

"میں نے امی سے کہا تھا' بہت ہمت کر کے میں نے امی سے بات کی تھی"

افق کا چہرہ تصویر غم بن گیا۔

اس نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔

"میں نے کہا تھا۔ امی! آپ ہم لوگوں کو چھوڑ کر نہ جائیں"

غزنوی نے متجسس ہو کر پوچھا۔

"اچھا پھر انہوں نے کیا کہا"

"انہوں نے کہا۔ میں تم سب لوگوں کے لئے مر چکی ہوں"

"وہ کہتی تھیں اپنے باپ کے پیچھے تم دونوں نے میری کبھی عزت نہیں کی۔ نہ مجھ سے کبھی محبت کی تم دونوں کو اپنا باپ اور اپنے دادی' دادا عزیز ہیں"

افق نے غزنوی کی طرف دیکھے بغیر یہ سب باتیں کہیں۔ اپنی ماں کے ہاتھوں لگائے ہوئے زخموں کی یاد سے اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

چند منٹ بعد اپنی آواز پر قابو پا کر اس نے کہا۔

"حالانکہ۔ حقیقت یہ نہیں ہے ابو! سچ مچ ایسا نہیں ہے میں اور مہروز امی سے ڈرتے ضرور تھے لیکن ہمارے دلوں میں ان کی بڑی عزت تھی۔ بہت محبت تھی انہوں نے تو خود کبھی ہمیں اپنے قریب ہی نہیں آنے دیا"

افق کی آنکھوں میں امنڈتے ہوئے آنسو رخساروں پر پھسل پڑے۔

غزنوی نے کہا۔

"تم لوگ۔ میرا مطلب ہے تم اور مہروز یہ سمجھتے ہو کہ یہ جو سب کچھ ہو گیا تو اس میں قصور میرا ہے؟"

غزنوی کی اس بات پر افق نے جھلملاتی آنکھوں سے ان کی طرف دیکھا اور بولی۔

"نہیں ابو جی! بالکل نہیں، ہمارے دلوں میں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ آپ تو بہت عظیم ہیں، بہت بلند ہیں۔ امی نے ہی آپ کی قدر نہیں کی"

یہ کہتے ہوئے وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

غزنوی نے کہا۔

"روتے نہیں بیٹی! صبر کرتے ہیں تم تو خود ابھی مجھے سمجھا رہی تھیں۔ کہ دنیا میں بہت سے لوگوں کے ساتھ ایسا ہوتا ہے"

غزنوی اس کا سر تھپتھپاتے ہوئے کہہ رہے تھے لیکن افق روئے جا رہی تھی۔ ہچکیوں اور سسکیوں سے اس کا وجود کانپ رہا تھا۔ غزنوی پریشان ہو گئے۔ کچھ دیر کے لئے وہ اپنا غم بھول گئے۔ صرف یہ یاد رہ گیا کہ ان کی بیٹی رو رہی ہے سسک رہی ہے۔ انہوں نے سائیڈ ٹیبل سے پانی کا گلاس اٹھا کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا

"لو، پانی پیو۔"

افق روتی رہی۔

غزنوی نے کہا۔

"شاباش! میری اچھی بیٹی! دو گھونٹ پانی پی لو۔"

افق نے پانی پی کر آنسو خشک کئے تو غزنوی نے کہا۔

"بہت اداس ہو گئی ہے میری گڑیا؟"

افق نے متورم آنکھوں سے غزنوی کی طرف دیکھا اور بولی۔

"مجھے صرف آپ کی فکر ہے بس آپ کا دکھ ہے آپ خوش رہیں گے تو میں بھی خوش رہوں گی۔" غزنوی نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔

"دیکھو بیٹی! میں جانتا ہوں تم اپنی عمر سے زیادہ سمجھدار ہو۔ تم اس بات کو بھی سمجھتی ہو گی کہ کوئی بھی دکھ، تکلیف، یا غم کسی انسان کو ملے تو اس کا اثر آہستہ آہستہ ہی زائل ہوتا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میں خود بخود نارمل ہو جاؤں گا۔"

ایک لمحے کے لئے وہ رک کر بولے۔

"اور مجھے۔ مجھے تو ویسے بھی تمہاری اور مہروز کی خاطر زندہ رہنا ہے اپنے آپ کو سنبھالنا ہے"

افق سر جھکائے ان کی بات سنتی رہی اس کے چہرے پر کچھ اطمینان جھلکنے لگا تھا۔

غزنوی نے ماحول کو خوشگوار بنانے کی خاطر زبردستی مسکرا کر کہا۔

"بس اسی بات پر اپنے ابو کے لئے اچھی سی چائے بنا کر لاؤ۔"

"اچھا۔"

افق نے اٹھتے ہوئے ایک لمحے کے لئے غزنوی کی طرف دیکھا۔

غزنوی مسکرا کر بولے۔

"بیٹے! میں اب بالکل ٹھیک ہوں، تم میری طرف سے فکر مند مت ہو۔"

افق جھینپ کر مسکرا دی اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

غزنوی نے افق سے کہہ تو دیا تھا کہ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ لیکن یہ کیسے ممکن تھا کہ دل پر گہرا گھاؤ لگنے کے بعد وہ ایک دم سے ٹھیک ہو جاتے۔

پھر سب کو خبر ہو گئی کہ شفق چلی گئی۔ بہنیں، بہنوئی، شفق کی امی، ابو، بھائی، بھابھی۔ دوسرے بہت سے قریبی عزیز، رشتے دار.... سب ہی غزنوی کی دلجوئی کی خاطر آ رہے تھے۔ انہیں تسلیاں دے رہے تھے۔ انہیں سمجھا رہے تھے۔

وہ سمجھتے تھے.... ایک غمزدہ انسان کے سامنے اپنے تسلی بھرے الفاظ کا خزانہ نچھاور کر کے ان کے غموں کا بوجھ ہلکا کر رہے ہیں۔

ان کا خیال تھا... ایک شکستہ دل انسان کے لئے ان کے ہمدردی بھرے بول بہت بڑا مرہم ثابت ہوں گے۔ وہ تو اپنا فرض سمجھ کر یہ سب کچھ کر رہے تھے۔

مگر کوئی غزنوی کے دل سے پوچھتا۔

یہ تسلیاں، یہ ہمدردیاں ان کے لئے کس قدر تکلیف دہ تھیں۔

ان کا دل چاہتا تھا۔

ان کے پاس کوئی نہ آئے، انہیں کوئی نہ سمجھائے، ان سے کوئی کچھ نہ کہے۔

بہنیں، اپنے بھائی کی زندگی کے المیے پر چپکے چپکے روتی تھیں، ان کا سامنا کرتے ہوئے گھبراتی تھیں۔ کہیں ایسا نہ ہو بھائی کے افسردہ چہرے پر نگاہ پڑتے ہی جذبات و احساسات کے بندھا ہوا بند ٹوٹ جائے۔

کہیں ایسا نہ ہو کہ بھائی کے دل کو تسلی دینے کی خاطر الفاظ زبان پر آنے سے پہلے ہی خود ان کے دل کا غبار آنسوؤں کی راہ بہہ نکلے۔

وہ سہمے سہمے انداز سے افق اور مہروز کو دیکھتی تھیں۔ کہ ان کے چہروں پر افسردگی کی

چھاپ کتنی گہری ہے؟

ان کی آنکھوں میں غم کے سائے کتنے طویل ہیں۔

غزنوی کے نام تیمور بھائی اور رعنا بھابھی کے خطوط آئے... کتنی ہمدردی، کتنی تسلیاں اور کس قدر محبت بھرے الفاظ تھے ان کے خطوط میں۔

غزنوی کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ تیمور بھائی نے کچھ روز بعد بچوں اور رعنا بھابھی کے ساتھ آنے کا لکھا تھا، واپسی پر وہ غزنوی، مہروز اور افق کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتے تھے ان کا خیال تھا کہ کچھ عرصے وہ لوگ اس گھر سے، اس ماحول سے، اس شہر سے دور رہیں گے تو ان کے دل و دماغ پر اس کے بہتر اثرات پڑیں گے۔ ان کا دل بہلے گا، ان کی توجہ بٹے گی لیکن...

غزنوی نے سوچا....

تیمور بھائی! رعنا بھابھی! آپ دونوں کی تسلیاں، آپ کی ہمدردیاں اور آپ کی محبتیں اپنی جگہ قابل قدر سہی، مگر آپ کیا جانیں مہروز اور افق کے نصیب میں لکھی ہوئی محرومی کا ازالہ اب کہیں، کسی جگہ نہیں ہو سکتا۔

وہ اس شہر کو تو کیا، اس ملک کو بھی چھوڑ دیں تب بھی یہ احساس ان کے دلوں سے نہیں نکل سکتا کہ ان کی ماں نے عمر کے کیسے دور میں انہیں اور ان کے باپ کو چھوڑ دیا۔

ان کی شادیاں ہو جائیں گی، بچے ہو جائیں گے، وہ بوڑھے ہو جائیں گے مگر یہ خلش ان کے دلوں میں پھانس بن کر چبھتی رہے گی کہ ان کی ماں جیتے جی انہیں اپنی ممتا سے محروم کر گئی۔

گزرتے ہوئے وقت کے لمحے انسان کے دامن میں زخم تو بہت ڈال جاتے ہیں لیکن کچھ زخم مندمل ہو جاتے ہیں۔

اور کچھ زخم ایسے بھی ہوتے ہیں جو کبھی نہیں بھرتے۔

کوئی مرہم ان زخموں کو نہیں بھرتا۔

وہ زندگی بھر رستے رہتے ہیں، ناسور بن جاتے ہیں وہ زخم۔

احتشام چچا اور عارفہ چچی کے کانوں تک بھی یہ خبر پہنچی کہ شفق نے آخر کار اپنی بات منوا کر ہی دم لیا۔ احتشام چچا پر دل کا پہلا دورہ پڑا۔

شفق نے انہیں کہیں منہ دکھانے کا قابل نہیں چھوڑا تھا۔ خصوصاً غزنوی اور ان کے گھر والوں کے سامنے تو ان کی نگاہیں نہیں اٹھتی تھیں۔

لوگ آتے تھے، غزنوی کو تسلیاں دیتے تھے، دلاسے دیتے تھے۔ لیکن غزنوی خاموش رہتے تھے۔ کسی کے سامنے کچھ نہیں کہتے تھے۔ انہوں نے اگر کسی کے سامنے اپنے درد دل کا اظہار کیا تھا تو وہ ان کی امی نفیسہ بیگم تھیں یا پھر یاسر تھے۔

یاسر تو ان کے دوست بھی تھے اور ہمراز بھی۔ یاسر آئے تو بہت دیر تک دونوں ایک دوسرے سے کچھ نہیں بولے۔ یاسر سر جھکائے بیٹھے رہے اور غزنوی سگریٹ کے کش لگاتے گہری سوچوں میں ڈوبے رہے۔ بڑی دیر تک کمرے کا ماحول منجمد سی خاموشی میں ڈوبا رہا پھر یاسر نے کہا۔

"میں جانتا ہوں غزنوی! یہ حادثہ کوئی معمولی حادثہ نہیں لیکن پھر بھی تمہیں اپنے آپ کو سنبھالنا چاہئے"

"کیسے سنبھالوں یاسر؟ گزرے ہوئے وقت کا ہر لمحہ قدم قدم پر میری راہ روک کر کھڑا ہو جاتا ہے۔"

غزنوی نے بڑی بے چارگی سے کہا۔

یاسر نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"مجھے معلوم ہے ان لمحوں، ان یادوں سے دامن چھڑا لینا آسان نہیں لیکن تم یہ بھی دیکھو کہ تمہاری صحت کتنی متاثر ہو رہی ہے ان ہر وقت کی سوچوں سے۔"

غزنوی نے سگریٹ کی راکھ ایش ٹرے میں جھاڑتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہو جائے گا، سب ٹھیک ہو جائے گا، کچھ وقت تو لگے گا ہی۔"

انہوں نے کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے کہا۔

"اس گھر کے گوشے گوشے سے اس کی یادیں لپٹی کھڑی ہیں، کسی کسی وقت تو یقین ہی نہیں آتا کہ وہ اس گھر سے ہمیشہ کے لئے چلی گئی ہے۔"

یاسر نے کہا۔

"اسے جانا تھا، وہ چلی گئی، اب اس کے ذکر سے تمہیں کیا حاصل ہو گا؟"

غزنوی اپنی کہے گئے۔

"کسی کسی وقت میں سوچتا ہوں... اسے کیا ہو گیا تھا؟ وہ اتنی سنگدل کیوں بن گئی تھی؟"

یاسر نے انہیں پھر سمجھایا۔

"میں نے کہا نا، اس کا ذکر مت کرو، مت سوچا کرو اس کے بارے میں۔ اپنے زخموں کو تم کریدتے رہتے ہو۔"

"مجھے نہیں معلوم، ابھی زندگی کے اور کتنے سال باقی ہیں، لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے یہ وقت گزر ہی نہیں پائے گا۔"

غزنوی نے طویل سانس لے کر کہا۔

یاسر نے کہا۔

"یہ تو کوئی بھی نہیں جانتا کہ کس کی زندگی کے ابھی اور کتنے سال باقی ہیں، رہ گئی تمہارے دل کی بات، تو یہ تو ہو گا ہی۔"

وہ ایک لمحے کے لئے رک کر بولے۔

"میرا مطلب ہے کہ تم اگر اپنے آپ کو اس طرح قید کر کے بیٹھے رہو گے تو تمہیں یہی

محسوس ہوگا کہ وقت گزر ہی نہیں رہا ہے۔"

"میرا دل ہی نہیں چاہتا، کہیں جانے کو، کسی سے ملنے کو کسی سے بات کرنے کو۔"

غزنوی نے کہا۔

یاسر ان کی بات کی تائید کرتے ہوئے بولے۔

"تم ٹھیک کہتے ہو، بے شک تمہارا دل نہیں چاہتا ہوگا، اکثر اوقات دل کی مرضی کے خلاف ہمیں بہت کچھ کرنا پڑتا ہے۔"

"میں تو پہلے ہی دل کی مرضی کے خلاف بہت کچھ کر چکا ہوں، اب تو مجھ میں کسی بات کی سکت نہیں رہی"۔

"اس طرح ہمت نہیں ہارتے غزنوی! ذرا حوصلے سے کام لو، چلو اٹھو، کپڑے بدلو، میرے ساتھ باہر چلو۔"

"کیا کروں گا باہر جا کر؟"۔

"پہلے کیا کرتے تھے؟ وہی اب بھی کرو، آؤ کلفٹن ہو کر آتے ہیں"

"میرا دل نہیں چاہتا"

"میں نے کہا نا! دل چاہے نہ چاہے ہر کام اسی طرح کرو جس طرح پہلے کرتے تھے"۔

یاسر فوراً کھڑے ہوگئے اور غزنوی کا بازو پکڑ کر انہیں اٹھانے لگے۔

غزنوی نے کہا۔

"ضد نہ کرو یاسر!"

"ضد تم کر رہے ہو، تم نے تو بچوں کو بھی مات کر دیا، ضد کرنے میں، مرد بنو، ہمت سے کام لو"

یاسر کچھ اس بری طرح غزنوی کے پیچھے پڑے کہ غزنوی کی ایک نہ چلی، انہیں مجبوراً

یاسر کے ساتھ باہر جانا پڑا۔

شفق اپنی گزشتہ زندگی کی کتاب بند کر کے چلی گئی۔

اس کے لئے اب تمام دروازے بند ہو چکے تھے۔

سسرال سے اس نے خود ناتہ توڑ لیا تھا اور میکے والوں نے اس کے ساتھ کوئی رابطہ، کوئی واسطہ نہیں رکھا۔ انہوں نے اپنے دروازے اس کے لئے بند کر دیئے۔

اب اس کے سامنے صرف ایک راہ تھی، صرف ایک راستہ تھا اور صرف ایک ہی ہستی تھی جو اس کی منتظر تھی۔

اور وہ تھے عارف فیضی... جو زندگی کے اس گھور اندھیرے میں اس کے لئے روشنی اور امید کی کرن بن کر جگمگا رہے تھے۔

شفق کے پاس گذشتہ زندگی کی تلخ یادوں کا سرمایہ تھا اور آنے والے لمحوں کے خوبصورت تصورات، گزری ہوئی زندگی تو اس کے لئے محض ایک پچھتاوا تھی۔

کم از کم وہ خود تو یہی سمجھتی تھی کہ اس نے اپنی زندگی کے بہت سارے بیش قیمت سال دیئے، کھویا بہت کچھ لیکن پایا کچھ بھی نہیں۔ اسے تو اس بات پر بھی افسوس ہوتا تھا کہ پچھلی زندگی کے جس موڑ پر غزنوی سے اس کا ٹکراؤ ہوا تھا، وہاں، اس موڑ پر عارف فیضی کیوں نہیں تھے۔

زندگی کے اب تک کے سفر میں اس کے ساتھ جہاں' جہاں غزنوی تھے' وہاں وہاں عارف فیضی کیوں نہیں تھے؟

اب ان پچھتاؤں کے بارے میں وہ سوچنا بھی نہیں چاہتی تھی۔

اس کے سامنے آئندہ زندگی کے خواب تھے' عارف فیضی کی خوبصورت باتیں تھیں' ان کی چاہت تھی' ان کی محبت تھی۔

محبت... چاہے زندگی کے کسی اسٹیج پر بھی ہو انسان کو اندھا بنا دیتی ہے۔

محبت... انسان کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں کو سلب کر دیتی ہے اس کے دماغ پر پردے ڈال دیتی ہے' اس کی نگاہوں کے سامنے اندھیرا کر دیتی ہے۔

محبت میں وقت' حالات اور عمر کی کوئی قید نہیں ہوتی۔

محبت میں دوسرے سارے رشتے ناتے جھوٹے معلوم ہونے لگتے ہیں اور کچے دھاگے کی مانند کسی بھی لمحے ٹوٹ جاتے ہیں۔

بس صرف ایک احساس باقی رہ جاتا ہے کہ... یہ جو شخص ہمیں چاہ رہا ہے یہی سچا ہے باقی ساری دنیا جھوٹی ہے۔ بکواس کرتی ہے۔

بس صرف ایک خیال باقی رہ جاتا ہے کہ... یہ جو شخص ہم سے محبت کر رہا ہے' یہی ہمارا ہمدرد اور خیر خواہ ہے' باقی تمام کائنات ہماری دشمن ہے' ہماری خوشیوں کی اسے کوئی پروا نہیں۔

یہی سب کچھ شفق کے ساتھ ہوا... نہ اسے اپنے اردگرد کے لوگوں کی کوئی پروا رہی نہ اس بات کا اندیشہ رہا کہ کل جب لوگوں کو اس کی خبر ہوگی تو اس کے بارے میں کس کس انداز میں چہ میگوئیاں ہوں گی۔

ماں' باپ' بہن' بھائی' شوہر حتیٰ کہ اپنی اولاد تک اسے اپنی دشمن نظر آئی اسے کوئی شخص اپنا ہمدرد نظر آیا تو وہ صرف عارف فیضی تھے۔

برسوں پرانے رشتوں' ناتوں کے بندھن کو توڑتے ہوئے اسے ذرا بھی دکھ نہیں ہوا۔ بالکل بھی افسوس نہیں ہوا۔

جب اس نے عارف فیضی کے ساتھ شادی کرنے کا فیصلہ کیا تو کسی کسی لمحے ایسا ضرور ہوا کہ اس کی نگاہوں کے سامنے اپنے دونوں بچوں... افق اور مہروز کی صورتیں آگئیں۔

اس نے خود اپنے آپ سے یہ سوال کیا... "ارے! یہ میرے بچے... میں انہیں چھوڑ دوں گی؟ چھوڑ پاؤں گی انہیں؟"

مگر دوسرے ہی لمحے محبت ایک نشہ بن کر اس کے دل و دماغ پر چھا جاتی' اس کے ذہن پر چھائی ہوئی بدگمانیاں اس سے کہتیں۔

"ان بچوں کو تم سے محبت کب ہے؟ انہیں کب تمہاری پروا ہے؟ انہیں تو اپنے باپ' اپنے دادا' دادی سے' بلکہ تمہارے علاوہ دنیا کے ہر فرد سے محبت ہے"

اپنے گھر والوں سے بے تعلقی کا جو مظاہرہ شفق نے کیا تھا اس کا احساس اس کے بچوں کو ہوش سنبھالتے ہی ہو گیا تھا۔

اپنی ماں سے قریب ہونے کی خواہش دل میں رکھتے ہوئے بھی وہ کبھی اس کے قریب نہ ہو سکے۔ دلوں میں اپنی ماں کے لئے محبت کے جذبات رکھنے کے ساتھ ساتھ اس کی طرف سے ڈر اور خوف کے احساسات بھی دھیرے دھیرے پرورش پاتے رہے۔

ماں اور اولاد کے درمیان غیر محسوس طریقے سے فاصلے بڑھتے رہے' غزنوی کو یہ احساس تھا کہ شفق اپنے بچوں کی طرف توجہ نہیں دے رہی ہے' وہ ان کی طرف سے لاپروا ہے' خود انہوں نے بچوں پر زیادہ سے زیادہ توجہ دینی شروع کر دی۔ بچے تو پیار اور محبت کے بھوکے ہوتے ہیں' جہاں محبت اور پیار دیکھتے ہیں' وہیں کے ہو رہتے ہیں' افق اور مہروز اپنے باپ سے قریب تر ہو گئے اور شفق کے دل کی بدگمانیاں بڑھتی گئیں۔

عارف فیضی کے ساتھ وابستہ ہو جانے کا ارادہ کرتے ہوئے شفق کو جب جب اپنے بچوں کا خیال آیا یہی بدگمانیاں سامنے آگئیں' اس کے اور بچوں کے درمیان ایک دیوار کھڑی ہو گئی۔

زندگی کا وہ پچھلا باب بند ہوا تو شفق کے سامنے ایک نیا باب تھا۔ عارف فیضی نے اس سے شادی کر لی' اسے اپنا بنا لیا' انہوں نے جو کہا تھا وہ کر دکھایا' اسے در در بھٹکنے کے لئے بے سہارا نہیں چھوڑا۔

شفق اور عارف فیضی کی شادی اگرچہ دھوم دھام سے نہیں ہوئی لیکن اس شادی میں عارف فیضی کے گھر کے تقریباً سبھی افراد ان کی امی' ان کی بہن' دو بھائی' بھابیاں' عارف فیضی کے قریبی اور گہرے دوست اور ان کی بیویاں شریک ہوئیں۔ نکاح کی تقریب ہوئی اور شفق کو عارف فیضی کی خواہش پر ایک حد تک دلہنوں کی طرح آراستہ بھی ہونا پڑا۔

عارف فیضی تو بہت خوش تھے' شفق بھی خوش تھی' اتنے لوگ جمع ہوئے تو فضا رنگوں اور خوشبوؤں میں نہا گئی' مسکراہٹیں بھی تھیں' قہقہے بھی تھے اور عارف فیضی کے دوستوں کی چھیڑ چھاڑ بھی تھی لیکن...

لیکن پھر بھی شفق کو ایک عجیب سے سونے پن کا احساس ہو رہا تھا۔

اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے یہ ساری مسکراہٹیں پھیکی اور بے جان ہوں۔

جیسے یہ تمام قہقہے کھوکھلے ہوں' سب بناوٹ ہو' ملمع کاری ہو۔

اتنے سارے لوگوں کی موجودگی میں شفق کو تنہا ہونے کا احساس کچوکے لگا رہا تھا۔

ہر لمحے یہی خیال دامن گیر رہا کہ عارف فیضی کے گھر والے' ان کے دوستوں کی بیویاں اس کی پچھلی زندگی کے بارے میں کچھ پوچھ نہ بیٹھیں' کوئی سوال نہ کر بیٹھیں۔

کہیں... کسی کی زبان سے طنز کا کوئی تیر نکل کر اس کے سینے میں نہ پیوست ہو جائے۔

دل میں چور ہو تو ایسے ہی خیالات ذہن کو پریشان کرتے ہیں۔

شفق کے من میں بھی چور تھا... وہ ڈری رہی، سہمی رہی، مگر کسی نے بھی اس سے کچھ نہیں پوچھا، کچھ نہیں کہا۔

شفق کا تو اب نہ کوئی در تھا نہ گھر تھا۔ عارف فیضی کے دوست اشفاق احمد اور ان کی بیوی سلیمہ نے فوراً اپنی خدمات پیش کر دیں۔ اشفاق احمد عارف فیضی کے بچپن کے دوست تھے۔ عارف فیضی اور شفق کی دوستی کی ابتدا سے لے کر اب تک کے حالات کا انہیں حرف بہ حرف علم تھا۔ وہ ہر طرح عارف فیضی کا ساتھ دینے پر آمادہ تھے۔ شفق انہی کے گھر رہی دلہن بنی، عارف فیضی وہیں بارات لے کر گئے اور شفق ان کی ہو گئی۔

شفق، عارف فیضی کے گھر آ گئی۔ اس گھر میں وہ پہلے بھی کئی بار آئی تھی لیکن آج اس کی حیثیت ہی کچھ اور تھی یہاں... ان کے دوستوں کی بیویاں تو نہیں تھیں لیکن بہرحال عارف فیضی کے گھر والے تو تھے اور وہ جو ایک دھڑکا سا شفق کے دل کو لگا ہوا تھا وہ لگا ہی رہا۔ عارف فیضی کے بیڈ روم میں دلہن بنی بیٹھی تھی اس کے آس پاس اس کی ساس نندیں اور دیورانیاں بھی تھیں وہ سب آپس میں باتیں کر رہی تھیں، شفق خاموش بیٹھی ان کی باتیں سن رہی تھی اور چور نگاہوں سے سب کے چہروں کا جائزہ لے رہی تھی وہ اندازہ لگانا چاہ رہی تھی کہ ان کے دلی جذبات کیا ہیں؟ وہ خوش اور مطمئن ہیں یا پھر انہوں نے صبر کر لیا ہے مگر وہ ان کے چہروں سے کوئی اندازہ نہیں لگا سکی۔

پھر سب اسے تنہا چھوڑ کر چلے گئے... رات گہری ہو گئی تھی۔ جانے سے پہلے اس کی ساس اس سے کھانا کھانے کے لئے اصرار کر گئیں، انہیں معلوم تھا کہ اس نے سوائے چند لقمے چاولوں کے اور کچھ نہیں کھایا تھا۔ اس کی دیورانیاں تھوڑا سا پھل کھا لینے پر ہی اصرار کر رہی تھیں۔ لیکن اس نے بڑی نرمی اور متانت سے انکار کر دیا۔ اسے معلوم تھا کہ اس کے حلق سے کچھ نہیں اتر سکے گا۔

جاتے جاتے اس کی نند شائستہ نے کہا۔

"آپ کچھ دیر کے لئے لیٹ جائیے بھابھی! بھائی جان کے پاس ان کے دو تین دوست بیٹھے ہیں، ممکن ہے انہیں آنے میں کچھ وقت لگ جائے"

شفق نے کہا۔

"نہیں میں آرام سے بیٹھی ہوں، ابھی لیٹنے کو دل نہیں چاہ رہا"

شائستہ نے جھک کر اس کا ٹیکہ درست کرتے ہوئے کچھ مدھم آواز میں کہا۔

"آپ کتنی خوبصورت ہیں بھابی!"

شفق نے نگاہ اوپر اٹھائی تو شائستہ کی آنکھوں میں اسے گہری سوچیں نظر آئیں۔

شفق نے سوچا۔

اب... اس عمر میں خوبصورتی کہاں رہ گئی ہے، جل جل کر اور کڑھ کڑھ کر وہ کیا سے کیا ہو گئی تھی۔

پھر اسے یہ احساس بھی تھا کہ اس کی خوبصورتی کی تعریف کرتے ہوئے شائستہ کے لہجے میں خوشی نہیں تھی۔

وہ... جو ایک انداز ہوتا ہے بھاوجوں کی خوبصورتی کی تعریف کرنے کا... خوشی اور مسرت سے بھرپور... وہ سراسر مفقود تھا۔

شائستہ کی بات اس کے قریب کھڑی ہوئی اس کی دوسری بھاوجوں نے بھی سن لی۔

چھوٹی بھاوج نے کہا۔

"یقیناً پہلے اور بھی زیادہ خوبصورت رہی ہوں گی"

دوسری بھاوج نے بھی ان کی بات کی تائید کی۔

مگر ان کے لہجے بھی سپاٹ تھے۔ وہ جو ایسے موقعوں پر چھیڑ چھاڑ اور شوخی کا سا ایک انداز ہوتا ہے، اس کا کہیں پتہ نہیں تھا۔

وہ تینوں شفق کو تنہا چھوڑ کر چلی گئیں تو شفق کے لئے سوچوں کے دروازے کھل گئے۔

وہ خوش تو تھی... عارف فیضی کو پا کر بہت خوش تھی۔

مگر یہ ماحول اسے بڑا اجنبی سا لگ رہا تھا۔

اس کے دل و دماغ پر ایک نامعلوم سا بوجھ تھا۔

اور وہ جو یہ سمجھتی تھی کہ پچھلی زندگی کی کوئی بات اسے یاد نہیں آئے گی، وہ اپنے دل و دماغ کو ہر بوجھ، ہر خیال اور ہر یاد سے آزاد کر کے عارف فیضی کی زندگی میں آ گئی ہے۔

تو آج اسے احساس ہوا کہ...

عورت کے لئے زندگی میں دوسری بار سیج سجانا کتنا دشوار ہوتا ہے۔

عارف فیضی کے دوستوں نے بڑی دیر تک ان کا پیچھا نہیں چھوڑا۔ وہ جب شفق کے پاس آئے تو بہت رات ہو چکی تھی۔ شفق ان کا انتظار کرتے کرتے تھک گئی تھی بیٹھے بیٹھے جب اس کی کمر میں درد ہونے لگا تو مجبوراً اسے لیٹنا پڑا سچ تو یہ تھا کہ اسے عارف فیضی پر غصہ آنے لگا تھا۔

اس نے جھنجھلا کر سوچا۔

دوست اس قدر عزیز ہیں، ان کی محفل سے اٹھنے کو دل ہی نہیں چاہ رہا ہے عارف فیضی کا۔

ساری عمر دوستوں کی صحبت میں گزاری ہے پھر بھی اس قدر مگن ہیں ان کے پاس بیٹھ کر کس قدر خوش ہیں۔ اور کتنے اونچے قہقہے لگا رہے ہیں۔

آخر ایسی کون سی مسرت بھری باتیں کر رہے ہیں عارف فیضی کے دوست کہ ہر بات پر

ایک قہقہہ بلند ہوتا ہے۔

شفق کے لئے عارف فیضی کا یہ روپ نیا اور اجنبی سا تھا وہ ایک بار نہیں بے شمار بار ان سے ملی تھی۔ اسے ان کے پاس بہت دیر تک بیٹھنے کا موقع بھی ملا تھا۔ اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ وہ عارف فیضی سے ملنے کے لئے گئی تو ان کے انہی قریبی دوستوں میں سے ایک دو دوست ان کے پاس موجود ہوتے تھے مگر اس نے کبھی عارف فیضی کو اتنی زور زور سے ہنستے ہوئے نہیں سنا تھا۔ ان کے لہجے کا دھیما پن' کسی بات پر دھیرے سے مسکرا دینا' ان کی متانت اور سنجیدگی یہی ساری عادتیں تو شفق کو لے ڈوبی تھیں۔

کس قدر سحر آگیں سی کیفیت ہوتی تھی شفق کی جب وہ عارف فیضی کے پاس بیٹھ کر ان سے باتیں کرتی تھی ان کی باتیں سنتی تھی۔

وہ بے شک خوش شکل بھی تھے اور جاذب نظر بھی۔

لیکن شفق نے ان کا خوش شکل اور جاذب نظر ہونے کا اتنا زیادہ اثر قبول نہیں کیا تھا۔

اس پر تو عارف فیضی کے اندازِ گفتگو' ان کی متانت اور ان کی سنجیدگی نے جادو کیا تھا۔

شفق تو ان کے بے پناہ ہمدردانہ انداز پر مرمٹی تھی۔

وہ بہت زیادہ باتیں بھی تو نہیں کرتے تھے۔

لیکن آج شفق حیران تھی اور سوچ رہی تھی۔

اچھا! انہیں اس قدر اونچے قہقہے لگانے بھی آتے ہیں

اور یہ اتنی زیادہ باتیں بھی کر لیتے ہیں۔

میں تو سمجھی تھی کہ بہت کم سخن ہیں یہ۔

لیٹے لیٹے اس کی پلکیں بوجھل ہونے لگیں' آنکھوں میں نیند اترنے لگی تو وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

اس نے سوچا۔

کہیں نیند ہی نہ آجائے ایسا نہ ہو عارف فیضی کے آنے تک میں گہری نیند سو جاؤں۔

اس نے جھک کر اپنی چپلیں تلاش کیں اور بھاری دوپٹے کو سنبھالتے ہوئے کھڑی ہو گئی۔ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے سے گزرتے ہوئے اس کے قدم خود بخود رک گئے۔ اس نے کھڑے ہو کر اپنے سراپے کا جائزہ لیا۔ دلہن کا ایک روپ یہ تھا اور ایک وہ روپ جو کئی برس پہلے اس نے اسی طرح شیشے کے سامنے کھڑے ہو کر دیکھا تھا۔

یہ روپ اس دوسرے روپ سے بہت مختلف تھا۔

گزرے ہوئے برسوں کا ایک طویل فاصلہ تھا جسے طے کرتے کرتے اس پہلی دلہن کے نقش و نگار دھندلا گئے تھے۔ آج جو دلہن اس کے سامنے کھڑی تھی اس کے جذبات اس کی سوچیں اس کے خیالات سب یکسر مختلف تھے۔

وہ پہلے والی دلہن ایک ان چھوئی' منہ بند کلی تھی۔ غزنوی کا تصور کرتے ہی جس کا رواں

رواں شرم سے سمٹا جا رہا تھا۔ وہ جو ایک سرشاری کی سی کیفیت برسوں پہلے دلہن بن کر اس پر طاری ہوئی تھی اس کیفیت کا آج کہیں پتہ نہیں تھا۔

نہ دل کے دھڑکنے کا وہ پچھلا سا انداز تھا نہ وہ ہونٹوں پر پہلے جیسی شرم آگیں مسکراہٹ تھی۔

اس کی نگاہوں کے سامنے جو دلہن تھی اس کے احساسات تو بالکل جدا تھے۔

نہ دل اس انداز سے دھڑک رہا تھا۔

نہ ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

نہ کسی کی قربت کا احساس نشہ بن کر اس پر چھا رہا تھا۔

اس نے سوچا تو سہی کہ آنے والے لمحوں میں جب عارف فیضی اس کے قریب' بالکل قریب ہوں گے تو اس کی کیا کیفیت ہو گی۔

مگر ہوا یوں کہ وہ برسوں پہلے والی دلہن آج کی دلہن کو ہٹا کر اس کی جگہ کھڑی ہو گئی اور اس کے قریب بھی عارف فیضی نہیں غزنوی تھے۔

اس شرمائی' لجائی سی دلہن کو والہانہ انداز میں دیکھنے والی نگاہیں عارف فیضی کی نہیں غزنوی کی تھیں۔

وہ اس کے وجود کو اپنے حصار میں لینے والی بانہیں عارف فیضی کی نہیں' غزنوی کی تھیں۔

اس کے کانوں میں جو آواز آ رہی تھی وہ بھی عارف فیضی کی نہیں' غزنوی کی تھی۔

اسے اپنے آس پاس ہی ایک مخصوص سی مہک کا احساس ہوا۔ وہ مہک' وہ خوشبو غزنوی کی تھی بالکل اسی طرح جس طرح ہر شخص کی ایک الگ خوشبو' ایک الگ مہک ہوتی ہے' غزنوی کی بھی اپنی ایک مہک تھی مگر' شفق کو نہیں معلوم تھا کہ وہ مہک وہ خوشبو اس کے آس پاس کی ہواؤں میں اس طرح رچی بسی رہے گی۔

وہ تو سمجھی تھی کہ وہ گھر چھوٹا' وہ لوگ چھوٹے تو سب کچھ وہیں پیچھے ہی رہ جائے گا۔

اسے کچھ یاد نہیں آئے گا۔ کوئی ایک لمحہ' کوئی ایک گھڑی کوئی ایک پل بھی نہیں۔

زندگی کا ہم سفر بدلا۔

راستہ بدلا تو سب کچھ بدل جائے گا۔

اسے نہیں معلوم تھا کہ قدم قدم پر بکھری ہوئی یادیں اس طرح اس کا دامن تھامیں گی۔

اس نے سوچا کہ ابھی اس نئی زندگی کی ابتدا ہے تو راہ میں یادوں کے کانٹے بکھرے پڑے ہیں۔

انتہائے سفر تک خدا جانے زندگی کا کیا انجام ہو گا؟

وہ سر جھٹک کر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے سے ہٹ گئی۔

اس نے یہ کہہ کر اپنے دل کو تسلی دی کہ ممکن ہے کہ اس کی وجہ یہ ہو کہ عارف فیضی

اب تک اس کے پاس نہیں آئے تھے۔
شاید ان کے قریب آنے پر کسی کی پرچھائیں اس کا تعاقب نہ کرے۔
ان کی مسکراہٹ میں کھو کر شاید اسے کسی کا خیال نہ آئے۔
کوئی یاد اس کے دل پر دستک نہ دے۔
کوئی گزری ہوئی بات اس کے دماغ پر کچوکے نہ لگائے۔
اس کا دل بے اختیار چاہا۔
بس! اب عارف فیضی آ بھی جائیں۔
اب وہ اور دیر نہ لگائیں۔
اس نے بے چین نگاہوں سے دروازے کی طرف دیکھا کہ شاید اب وہ دوستوں کی محفل سے اٹھ کر اس کے پاس آنے کے لئے چل دئے ہوں۔
مگر وہاں۔ دروازے کے آس پاس تو کوئی سایہ، کوئی پرچھائیں بھی نہیں تھی۔
وہ مایوس ہو کر پلٹی اور لان کی طرف کھلنے والی کھڑکی کی طرف چلی آئی۔ پردے ایک طرف سرکا کر اس نے کھڑکی کے پٹ کھولے اور جھک کر باہر دیکھنے لگی۔
رات بڑی دلنواز تھی۔
سیاہی مائل نیلگوں آسمان پر چمکتا ہوا چاند بلند ہو کر بادام کے گھنے، خوبصورت درخت کی شاخوں کے عقب میں چھپ گیا تھا۔
جھلمل کرتے ستارے بڑی حیرت سے نیچے زمین کی طرف تکے جا رہے تھے۔
چاندنی کا برستا ہوا روپہلا غبار ہر شے کو اپنے حصار میں لئے ہوئے تھا۔
درخت، پودے، باؤنڈری وال، ارد گرد کے بنے ہوئے مکانات سب چاندنی کے روپہلے غبار میں ڈوبے کھوئے کھوئے سے کھڑے تھے۔
ہوائیں تھمی ہوئی تھیں اور فضا خاموش، چپ چاپ تھی۔
چمپا کی پھیلی ہوئی شاخیں نیم کی شاخوں میں الجھی ہوئی تھیں۔
باؤنڈری وال پر پڑنے والے پودوں کے سائے بالکل ساکت تھے۔
چمپا اور چاندنی کی شاخوں سے ٹوٹے ہوئے زرد اور سفید پھول نیچے گھاس پر بکھرے پڑے تھے۔
فضا میں چمپا، رات کی رانی، گلاب اور موتیا کی البیلی سی مہک رچی ہوئی تھی، چنبیلی کی بیل سفید منہ بند کلیوں اور کھلے ہوئے پھولوں سے بھری ہوئی تھی۔
خوشگوار سی نمی اور ٹھنڈک خاموش رات کی بانہوں میں سمٹی ہوئی تھی۔
رات کا حسن شفق کے اعصاب پر نشہ بن کر چھانے لگا۔
نیند اسے اپنی آنکھوں سے رخصت ہوتی ہوئی محسوس ہوئی۔

اور بھی کمرے کے باہر قدموں کی آہٹ ہوئی۔ عارف فیضی آ رہے تھے۔ شفق ان کے قدموں کی آہٹ پہچان کر بھی کھڑکی میں اسی طرح سے جھکی ہوئی کھڑی رہی پھر اس نے اپنے پیچھے دروازہ بند ہونے کی آواز سنی اس نے تب بھی پلٹ کر نہیں دیکھا اس کا دل چاہ رہا تھا کہ اس وقت اسے کوئی ڈسٹرب نہ کرے۔ وہ اسی طرح کھڑی دلنواز رات کے حسن سے اپنی آنکھوں کو سینکتی رہے مگر.....
عارف فیضی اس کے قریب آ چکے تھے۔ پھر اس نے اپنے شانوں پر ان کے مضبوط ہاتھوں کا دباؤ محسوس کیا اپنی گردن اور کنپٹی کے قریب سے ان کی گرم گرم سانسیں محسوس ہوئیں شفق کا دل بڑی زور سے دھڑک اٹھا۔
عارف فیضی نے مسکرا کر پوچھا۔
"کیا بات ہے یہاں کیوں کھڑی ہو؟"
"بیٹھے بیٹھے تھک گئی تھی"
شفق نے ان کی طرف دیکھے بغیر کہا۔
عارف فیضی نے کہا۔
"میرا انتظار کر رہی تھیں"
شفق نے ان کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔
"میری طرف دیکھو گی بھی نہیں"
انہوں نے دونوں شانوں سے پکڑ کر اس کا رخ اپنی طرف موڑ لیا۔
شفق نظریں جھکائے خاموش کھڑی رہی۔
"ناراض ہو؟ بات نہیں کرو گی"
انہوں نے اس کی تھوڑی پکڑ کر چہرہ اٹھاتے ہوئے کہا۔
شفق کے جذبات اس وقت بہت عجیب سے ہو رہے تھے۔
معلوم نہیں کیوں اسے اپنے دل پر بوجھ سا محسوس ہو رہا تھا۔
آنکھیں چھلک پڑنے کو بے تاب تھیں۔
معلوم نہیں کیوں ایسا ہو رہا تھا۔
عارف فیضی کی قربت اسے اچھی معلوم ہو رہی تھی۔
لیکن پھر بھی اس کا دل چاہتا تھا۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر روئے، بلک بلک کر روئے۔
اس نے ضبط کرنے کی بہت کوشش کی، آنکھوں کو سختی سے بھینچ لیا، ہونٹوں کو دانتوں تلے دبا لیا۔
مگر آنسو مچل اٹھے، پلکوں کو بھگو گئے۔
ہونٹوں کے گوشے کانپنے لگے۔

اس عالم میں اس کا حسن قیامت خیز تھا۔
عارف فیضی سحرزدہ سے کھڑے تکے جا رہے تھے۔
شفق کا حسن اور بستر پر بکھری ہوئی گلاب اور موتیا کی کلیوں سے اٹھتی ہوئی دھیمی دھیمی خوشبو عارف فیضی کے اعصاب پر نشہ بن کر چھا رہی تھی۔
تب ہی آنکھوں کے کنارے پر ٹھہرے ہوئے، آنسو پھسل کر شفق کے رخساروں پر آگئے
عارف فیضی چونک پڑے۔
ان کا سحر ٹوٹ گیا۔
انہوں نے ایک بازو سے شفق کو سنبھالتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے اس کے آنسو صاف کیئے اور بولے۔
"کیوں رو رہی ہو، کسی نے کچھ کہہ دیا؟"
شفق نے زبان سے کچھ نہیں کہا انکار میں گردن ہلا دی۔
"پھر یہ آنسو کیوں بہائے جا رہے ہیں؟"
عارف فیضی کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لئے انجانی سوچوں کے سائے لہرائے۔
اپنے رونے کا سبب خود شفق کو بھی معلوم نہیں تھا پھر وہ انہیں کیا بتاتی وہ خاموش رہی مگر آنسو تھے کہ تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔
عارف فیضی نے مسکرا کر کہا۔
"میرا انتظار اس قدر صبر آزما تھا کہ میرے آتے ہی آنسو نکل پڑے"
شفق چونک سی گئی۔
اس کی بند پلکوں کو جنبش سی ہوئی۔ اس نے آنکھیں کھول کر ایک سیکنڈ کے لئے عارف فیضی کو دیکھا اور سوچا "واقعی کہیں میرے آنسوؤں کا سبب یہی تو نہیں۔"
لیکن اگلے ہی لمحے عارف فیضی نے جو کچھ کہا اسے سن کر شفق حیران رہ گئی۔ "کہیں ایسا تو نہیں کہ گزرا ہوا وقت یاد کر کے تمہاری آنکھوں میں آنسو آ گئے ہوں"
یہ کہتے ہوئے وہ سنجیدہ تھے۔
شفق کو توقع نہیں تھی کہ ان کی نئی زندگی کے سفر کے اولین لمحات میں ہی عارف فیضی شک و شبہ کا اظہار کر بیٹھیں گے۔
اس نے سوچا۔
اگر یہ سچ ہو کہ گزرے ہوئے لمحوں کی یاد ایک درد بن کر اس کی آنکھوں سے رواں ہو گئی تو تب بھی عارف فیضی کو یہ بات نہیں کہنی چاہیے تھی۔
اسے دل ہی دل میں افسوس تو بہت ہوا لیکن وہ خاموش رہی اس نے سوچا اتنی چھوٹی چھوٹی سی باتوں پر ناراضگی کہیں آئندہ زندگی کو دشوار نہ بنا دے۔

اور وہ جو ابھی چند سیکنڈ پہلے بے اختیار اس کا دل چاہ رہا تھا کہ پھوٹ پھوٹ کر روئے۔ بلک بلک کر روئے۔ عارف فیضی کی بات سن کر اس نے سارے آنسوؤں کو ایک دم ہی حلق میں اتارنا چاہا۔
اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس نے اندر ہی اندر سے اپنے آپ کو گھونٹ لیا ہو۔
مگر خدایا! وہ آنسوؤں کا خزانہ
وہ تو شاید سارے کا سارا آج ہی اسی وقت لٹ جانے کو بے تاب تھا۔
آنسوؤں کو پی لینے کی کوشش کے باوجود ایک سیلاب تھا جو امنڈ آیا ایک طوفان تھا جو بند توڑ کر بہہ نکلا۔
آنسوؤں کی اس روانی کو دیکھ کر عارف فیضی پریشان ہو گئے۔
وہ ایک منٹ تک تو کچھ بول ہی نہ سکے۔ بس چپ چاپ اس کی طرف دیکھتے رہے پھر انہوں نے اسے بستر پر بٹھا کر پانی پلایا۔ پانی پی کر شفق کی حالت کچھ سنبھلی، لیکن ہچکیوں اور سسکیوں سے وہ ہولے ہولے اب بھی کانپ رہی تھی۔
عارف فیضی سگریٹ سلگا کر اس کے قریب بیٹھ گئے چند سیکنڈ تک وہ گہری سوچوں میں ڈوبے رہے پھر انہوں نے کہا۔
"اگر تم نارمل ہو چکی ہو تو ایک بات پوچھوں؟"
"پوچھئے"
شفق نے پلکوں پر اٹکے ہوئے آنسوؤں کو خشک کرتے ہوئے کہا۔
"مجھ سے شادی کر کے خوش نہیں ہو"
شفق نے رخ پھیر کر ان کی طرف دیکھا اور بولی۔
"یہ آپ سے کس نے کہہ دیا ہے"
"تمہارا اس قدر تڑپ تڑپ کر رونا۔ آخر کیوں؟ ایسا کیوں ہوا۔ میں سمجھ نہیں سکا"
"سچ پوچھئے تو میں خود بھی سمجھ نہیں سکی ہوں خوشی کے ان لمحات میں میرے آنسو اس شدت سے کیوں بہہ نکلے ہیں؟"
"کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ تمہارے لاشعور میں کوئی پچھتاوا ہو۔ کوئی ندامت ہو؟"
شفق نے سوچا۔
آپ پچھتاوے اور ندامت کی بات کرتے ہیں آپ کو کیا خبر؟
اسے خاموش پا کر عارف فیضی نے شک بھری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
"کیوں؟ میرا خیال درست ہے نا"
شفق نے ایک دبی ہوئی سانس لے کر کہا۔
"آپ کی اس سوچ پر سوائے افسوس کے اور کیا کر سکتی ہوں۔ آپ تک پہنچنے کے لئے

سارے رشتے، سارے ناتے میں نے خود توڑ دیئے۔ آپ نے تو صرف سہارا دینے کی بات کی تھی سو وہ آپ نے دے دیا۔"
"لیکن پھر یہ اتنے سارے آنسو تم نے کیا سوچ کر بہا دیئے؟"
"آپ نے جو آنے میں دیر کی تو مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میں بالکل تنہا ہوں، بالکل اکیلی ہوں، میرا کوئی سہارا نہیں"
شفق نے کہنے کو تو یہ بات کہہ دی لیکن آنسوؤں کا سبب کیا تھا یہ تو سچ مچ اسے معلوم نہیں تھا۔
عارف فیضی نے اس کا سر اپنے شانے سے لگاتے ہوئے کہا۔
"ارے! میرے ہوتے ہوئے تم نے یہ بات سوچی! تم تو میری متاع عزیز ہو میری متاع حیات ہو"
شفق نے شاکی لہجے میں کہا۔
"اتنی دیر کیوں کی میرے پاس آنے میں؟"
"دوستوں میں دیر سویر تو ہو ہی جاتی ہے"
"کیا ہمیشہ ہی آپ دوستوں کے ساتھ اتنا ہی وقت گزارتے ہیں؟"
"تنہائی بڑی بری چیز ہوتی ہے شفق رانی۔ آخر وقت گزاری کے لئے کوئی تو آسرا ہونا چاہئے"
"لیکن اب تو میں آپ کی تنہائی دور کرنے کے لئے آگئی ہوں۔ کیا اب بھی"
شفق نے ادھوری بات چھوڑ کر مسکراتی ہوئی نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔
عارف فیضی نے والہانہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
"اب ـــ تم سے فرصت ملے گی تو کسی اور کی طرف دیکھیں گے نا"
شفق نے جھینپ کر منہ دوسری طرف کرلیا۔
انہوں نے ایک دم سنجیدہ ہو کر کہا۔
"لیکن آج جس انداز سے تم نے میرا استقبال کیا ہے وہ مجھے زندگی بھر یاد رہے گا"
"آپ ناراض ہوگئے ہیں اس بات پر؟"
عارف فیضی نے سگریٹ کی راکھ ایش ٹرے میں جھاڑتے ہوئے کہا۔
"نہیں۔ ناراض تو نہیں، لیکن مجھے افسوس ہوا"
شفق نے شرمسار ہوتے ہوئے کہا۔
"مجھے بہت افسوس ہے لیکن آپ خود بتایئے، آنسوؤں پر کسی کا اختیار رہتا ہے؟"
"دیکھو نا! آج ہماری نئی زندگی کی پہلی رات ہے اور تم اب تک مجھ پر مسکراہٹ کی ایک کلی بھی نچھاور نہ کرسکیں، اس طرح پھوٹ پھوٹ کر تو شاید وہی دلہنیں روتی ہوں گی جن کی

ان کی پسند اور ان کی مرضی کے خلاف ہو جاتی ہوں گی"
اپنی بات کی تصحیح کرتے ہوئے بولے۔
"نہیں میرا خیال ہے وہ کبھی نہیں رُتی ہوں گی اندر ہی اندر کڑھتی ہوں گی۔ ان کے دل پر جو کچھ بھی گزرتی ہو لیکن بظاہر وہ مسکراتی ہوں گی چاہے جبراً" و قہراً" ہی سہی"
شفق ان کی باتوں سے گھبرا کر بولی۔
"اُف وہ اب بس بھی کیجئے میں اپنی غلطی تسلیم کرتی ہوں"
"بس تو پھر آئندہ اس غلطی کا اعادہ نہیں ہوگا"
شفق خاموش رہی۔
عارف فیضی نے کہا۔
"بس اب بھول جاؤ کہ اب سے پہلے تمہاری شادی ہوئی تھی۔ تم نے کسی شخص کے ساتھ ازدواجی زندگی گزاری تھی"
شفق کے دل پر پھر ایک ضرب سی لگی۔
اندر ہی اندر ایک چھناکہ سا ہوا اور جانے کتنی کرچیاں بکھر گئیں۔
اسے معلوم تھا۔ عارف فیضی اسے سمجھانے کو اور اس کے دل کی تسلی کے لئے ایسی باتیں کہہ رہے ہیں مگر وہ چاہتی تھی کہ وہ کوئی ایک جملہ، کوئی ایک لفظ بھی ایسا نہ کہیں جس کا سرا اس کی گذشتہ زندگی سے جا ملتا ہو۔
عارف فیضی محسوس بھی نہ کرپائے کہ شفق کے دل پر کیا گزری تھی۔ انہوں نے شانوں سے ڈھلکے ہوئے آنچل کو اس کے سر پر ڈالتے ہوئے کہا۔
"کس قدر زیادتی کی ہے تم نے میرے ساتھ؟" "کیسی زیادتی؟"
شفق نے پریشان ہو کر ان کی طرف دیکھا
"میرے دیکھنے سے پہلے ہی تم نے رو رو کر اپنا سارا روپ بگاڑ لیا"
ان کی آنکھوں میں ایک شوخ سی چمک تھی۔
شفق نے مسکرا کر کہا۔
"آپ نے آنے میں اتنی دیر کیوں کی"۔
عارف فیضی چند سیکنڈ تک پیار بھری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے رہے پھر بولے۔
"مگر سچ پوچھو تو روپ بگڑنے کے بجائے اور سنور گیا ہے۔ رونے سے ان آنکھوں کا حسن نکھر آیا ہے۔ دل کا درد سمٹ کر چہرے پر آجائے تو تمہیں پتہ ہے نا! حُسن کتنا پُرسوز ہو جاتا ہے"۔
شفق نے ان کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ تو بادل بن کر آسمان پر اڑ رہی تھی۔
وقت کے ان لمحوں کا سارا حسن وہ اپنی روح کی گہرائیوں میں اتارنا چاہتی تھی۔
باہر خاموشی تھی

اور اندر بھی سناٹا

بنا آہٹ کے گزرتی ہوئی دلنوازرات۔

بستر پر بکھری ہوئی گلاب اور موتیا کی منہ بند کلیوں کی مہک۔

کھڑکی کی راہ سے کمرے میں بکھر جانے والا چاندنی کا روپہلا غبار۔

عارف فیضی کو پالینے اور خود کو ان کی ہو جانے کا سکون بخش احساس۔

اس وقت اس کو کچھ یاد نہیں رہا تھا۔

سب کچھ بھول چکی تھی وہ۔

بس عارف فیضی کی قربت اور ان کے پیار کا احساس ایک نشہ بن کر اس کے رگ و پے میں سرایت کر گیا تھا۔

جب عارف فیضی نے اپنی محبتوں کا پہلا احساس بخشا تو شفق نے سوچا۔

شاید میرا خیال غلط تھا۔

عورت کے لئے دوسری بار سیج سجانے کا تجربہ اتنا تلخ بھی نہیں۔

شادی کے دو روز بعد عارف فیضی کے دونوں بھائی اور بھابیاں واپس چلی گئیں۔ امی اور بہن شائستہ رہ گئی تھی۔ شفق کا دل چاہتا تھا کہ وہ لوگ کچھ روز کے لئے تو ٹھہر جائیں ورنہ ایک دم ہی گھر میں سناٹا ہو جائے گا۔ وہ تو اپنی دیورانیوں اور دیوروں کو بھی روکنا چاہتی تھی مگر وہ لوگ اپنے بچوں کو چھوڑ کر آئی تھیں۔ دوسرے یہ کہ اس کے دونوں دیور آصف اور واثق صرف ایک ہفتے کی چھٹی لے کر آئے تھے۔

شفق کو اپنی نئی ساس شاہدہ بیگم مشفق خاتون معلوم ہوئیں تھیں وہ بہت کم سخن تھیں۔ لیکن شفق سے جتنی بھی بات کرتی تھیں بڑی محبت سے کرتی تھیں۔ اس کی نند شائستہ بھی بڑی پر خلوص اور محبت کرنے والی لڑکی تھی۔ لیکن شفق بڑی حیران ہوتی تھی ان سب کو اس قدر کم گفتگو کرنے کی عادت تھی اور سوچنے کا اگر ان لوگوں کو مرض نہیں تو شوق ضرور معلوم ہوتا تھا۔ وقت بے وقت سوچوں میں ڈوبی ہوئی اور گم صم سی رہتی تھیں۔

شفق عارف فیضی سے یہ بات کہے بغیر نہ رہ سکی۔

"یہ لوگ اتنا کم کیوں بولتی ہیں؟"

"تم سے ڈرتی ہیں نا۔"

شفق نے چونک کر ان کی طرف دیکھا اور حیرانگی سے بولی۔

"کیوں؟ مجھ سے ڈرنے کی کیا وجہ ہے؟"

"ارے بھئی! ابھی ان لوگوں کو تمہارے مزاج اور تمہاری عادت کا اندازہ جو نہیں ہے، سوچتی ہوں گی۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی ایسی بات زبان سے نکل جائے جو تمہیں ناگوار گزرے"

شفق خاموش ہو گئی۔

عارف فیضی نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"بہرحال! تم فکر نہ کرو' میں انہیں سمجھا دوں گا کہ تمہارے اوپر اپنی کم سخنی کا ریشن نہ ڈالیں' شفق برا ماننے والوں میں سے نہیں ہے"۔

پھر خدا جانے عارف فیضی نے شائستہ سے کیا کہا آئندہ چند روز میں وہ شفق سے خوب ل مل گئی۔

ایک روز جب شفق شام کو عارف فیضی کے گھر آنے سے پہلے تیار ہوئی تو شائستہ نے بے یار ہو کر اسے گلے سے لگالیا۔

"آپ کتنی اچھی لگتی ہیں بھابھی! کتنی پیاری"

شفق کچھ نہ کہہ سکی جھینپ کر رہ گئی۔

چند سیکنڈ بعد جو اس نے پلکیں اٹھا کر شائستہ کی طرف دیکھا تو اس کی آنکھوں میں اسے ری سوچیں نظر آئیں۔

شفق نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"کیا بات ہے؟ تم کیا سوچنے لگیں؟"

"کچھ نہیں۔"

شائستہ چونک گئی۔

"نہیں' کوئی نہ کوئی بات تو ہے تمہارے ذہن میں۔"

شفق نے کہا۔

شائستہ نے دھیمی آواز میں کہا۔

"معلوم نہیں کیوں مجھے بڑا افسوس ہوتا ہے آپ کو دیکھ کر"۔

شفق کا دل بڑی زور سے دھڑک اٹھا اس کا کھلا چہرہ ایک دم مرجھا کر رہ گیا۔

اس نے سہمے ہوئے انداز میں کہا۔

"کیوں افسوس ہوتا ہے؟"

"میں سوچتی ہوں آپ ہمارے بھائی جان کی زندگی میں اب کیوں آئیں؟ اب سے بہت پہلے کیوں نہ آگئیں۔"

شفق نے سوچا۔

اچھا! تو ان لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات ہے کہ میری زندگی میں عارف فیضی سے پہلے کوئی دوسرا مرد کیوں آیا۔

شائستہ کی بات سن کر شفق کو ایسا محسوس ہوا جیسے ایک سنسناتا ہوا تیر تھا جو اس کے دل میں پیوست ہو گیا۔

اس نے بڑی مشکل سے اپنے آپ کو سنبھالا اور کہا۔

"میرے ذہن میں بھی یہ خیال آتا ہے کہ تمہارے بھائی جان میری زندگی میں اب بہت پہلے کیوں نہ آگئے لیکن..."

شفق نے رک کر ایک ٹھنڈی سانس لی اور بولی۔

"لیکن یہ سب قسمت کے کھیل ہیں۔ تقدیر کے فیصلے ہیں"

پھر اس نے شائستہ سے کہا۔

"تم لوگ شاید اس بات پر خوش نہیں ہو کہ..."

"کس بات سے؟" شائستہ نے اس کی پوری بات سنے بغیر جلدی سے کہا

"یہی کہ میں نے تمہارے بھائی جان سے شادی کیوں کرلی؟"

"نہیں، ایسی بات تو نہیں ہے بھابھی! آپ تو بہت اچھی ہیں۔"

شائستہ نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"اچھا! تو پھر برا کون ہے"

شفق ایک دم پوچھ بیٹھی۔

شائستہ پہلے تو گھبرا گئی پھر ایک دم ہنس کر بولی۔

"برا؟ برا تو کوئی بھی نہیں ہے۔"

شفق نے مسکرا کر کہا۔

"پھر میرے خیال میں لفظ تو کا استعمال غیر ضروری ہے۔"

"افوہ! آپ تو بات پکڑتی ہیں۔"

شائستہ نے جھینپ کر کہا۔

پھر گاڑی کا ہارن سن کر بولی۔

"اچھا میں جاتی ہوں، بھائی جان آگئے شاید۔"

شفق اسے روکتی رہ گئی لیکن وہ قریبی دروازے سے کچن کی طرف چلی گئی۔

پھر ایک روز شائستہ نے کہا۔

"بھابھی! آپ کو کوئی یاد نہیں آتا؟"

شفق نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور بولی۔

"کون؟ کس کی بات کر رہی ہو تم؟"

اسے معلوم تو تھا کہ شائستہ کے جملے کا کیا مطلب ہے۔ لیکن پھر بھی وہ انجان بن گئی۔

شائستہ نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"میرا مطلب ہے اپنی امی، ابو وغیرہ اور..."

وہ بات ادھوری چھوڑ کر خاموش ہو گئی۔

"اور؟"

شفق نے جان بوجھ کر پوچھا۔

"اپنے بچے، آپ کے بچے بھی تو ہیں نا!"

شفق کے دماغ پر ایک چوٹ سی پڑی، دل کو دھچکہ سا لگا۔

اس کے دل کو دھڑکا تو ہمیشہ ہی لگا رہتا تھا کہ کبھی نہ کبھی اس سے اس قسم کے سوالات ضرور کئے جائیں گے لیکن پھر بھی جانے کیوں شائستہ سے یہ سن کر اس کے دل و دماغ کو تکلیف پہنچی۔

وہ گم صم سی ہو کر بیٹھ گئی۔

شائستہ کو بھی شاید اس بات کا احساس ہوا کہ اسے شفق سے یہ سب کچھ نہیں پوچھنا چاہئے تھا۔

شفق کے چہرے کے بدلے ہوئے رنگ اس بات کے غماز تھے کہ اسے شائستہ کے سوالوں سے تکلیف پہنچی ہے۔

اس نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔

"سوری بھابھی! مجھے خیال نہیں رہا۔"

"کس بات کا؟" شفق نے اس کی طرف دیکھا۔

"مجھے آپ سے اس قسم کے سوالات نہیں کرنے چاہئے تھے۔ بھائی جان نے مجھے منع کیا تھا مگر پھر بھی میں آپ سے پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔"

پھر وہ اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے بولی۔

"بلکہ سچ پوچھئے تو میں چند لمحوں کے لئے بھائی جان کی اس تاکید کو بھول ہی گئی تھی۔"

شفق نے پوچھا۔

"اچھا! منع کیا تھا انہوں نے؟"

"جی"

"کیا کہا تھا؟"

شفق کو تجسس ہوا۔

"بس یہی کہا تھا کہ اپنی بھابھی سے ان کی گذشتہ زندگی کے بارے میں کچھ مت پوچھنا۔"

شفق گہری سوچوں میں ڈوب گئی۔

آپ کس کس کو سمجھاتے پھریں گے عارف صاحب؟

کس کس کو منع کریں گے؟

اور آپ کے منع کرنے سے ہو گا بھی کیا؟

یہ تو وہ سوالات ہیں جو قدرتی طور پر ہر شخص کے ذہن میں آئیں گے۔

مجھ سے ملنے والا ہر شخص یہ جاننا چاہے گا کہ ایسا کیوں ہو گیا؟
معلوم نہیں آپ نے کس سے کیا کہا ہے؟ اور مجھے سوالات کرنے والوں سے کیا کہنا چاہئے۔
انہیں کیا جواب دینا چاہئے؟
شفق کو گہری سوچوں میں ڈوبا دیکھ کر شائستہ نے کہا۔
"اصل میں بات یہ ہے بھابھی! کہ مجھے یہ سب کچھ بڑا عجیب سا لگتا ہے میں سوچتی ہوں ان لوگوں کو چھوڑتے وقت آپ کے جذبات اور احساسات کیسے ہوں گے؟"
پھر اس نے ایک اور سوال کر دیا۔
"آپ کو دکھ تو ہوا ہو گا ان لوگوں کو چھوڑتے وقت؟"
شفق سے کوئی جواب نہ بن پڑا تو شائستہ نے کہا۔
"آپ کے بچے کیسے ہیں بھابھی؟ مجھے تو جس روز سے معلوم ہوا' بے اختیار میرا دل چاہتا ہے ان لوگوں سے ملنے کو' انہیں دیکھنے کو۔"
شفق اس سے نگاہیں چرائے کھڑکی سے باہر دیکھتی رہی۔
شائستہ نے کہا۔
"مگر اب تو شاید آپ کبھی ان کو نہیں دیکھ پائیں گی' ان سے نہیں مل پائیں گی۔"
شفق نے پھر بھی اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔
شائستہ نے کہا۔
"میرا خیال ہے بھائی جان نے آپ کو منع کر دیا ہو گا بچوں سے ملنے کو۔"
شفق نے کہا۔
"نہیں ہم دونوں کے درمیان ایسی بات نہیں ہوئی ہے۔"
شائستہ نے تو اپنے ذہن کی الجھنوں کو سوالات کا روپ دے دیا اور ایک میگزین اٹھا کر پڑھنے لگی۔ لیکن شفق کا ذہنی سکون ختم ہو گیا۔
شائستہ کی باتوں سے اس کے دل و دماغ پر کیسی قیامت سی گزر گئی تھی۔
سینے پر جیسے ایک بھاری پتھر سا آگرا تھا۔
اس کا دل چاہا
وہ چیخ کر شائستہ سے کہے۔
خدا کے لئے میرے سامنے ایسی باتیں مت کرو۔
آخر تم مجھے کیا احساس دلانا چاہتی ہو؟
یہی نا! کہ میں بہت بری عورت ہوں۔
سارے رشتے ناتے توڑ کر دوسری بار گھر بسا کر بیٹھ گئی۔

کسی کا خیال نہیں آیا مجھے۔
حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ یہ شفق کے اپنے من کا چور تھا۔
اس کے ضمیر کی آواز تھی۔
ورنہ شائستہ نے تو ایسا کوئی الزام نہیں لگایا تھا اس پر۔
اس نے تو اظہار ہمدردی ہی کیا تھا اس کے ساتھ۔
شائستہ کچھ دیر بعد اس کے کمرے سے چلی گئی۔
شفق تکیوں میں منہ چھپا کر لیٹ گئی۔ عارف فیضی کے آنے کا وقت ہو رہا تھا لیکن اس کا جی نہیں چاہ رہا تھا کہ وہ بستر سے اٹھے' منہ ہاتھ دھو کر کپڑے بدلے' اسے اندر ہی اندر گھٹن محسوس ہو رہی تھی۔ دل چاہتا تھا ڈھیر سارے آنسو بہا کر اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرے۔ شائستہ کی باتیں سن کر اس کے دل پر جو بوجھ آگرا ہے' وہ کسی طرح تو کم ہو۔ ان باتوں کا ذکر کسی سے کر بھی نہیں سکتی تھی۔ عارف فیضی سے بھی نہیں۔
عارف فیضی گھر آئے تو شفق بازوؤں میں منہ چھپائے اسی طرح لیٹی ہوئی تھی۔ ان کے لئے یہ بات خلاف توقع تھی۔ وہ تو ہر روز ان کی واپسی سے پہلے ہی کپڑے بدل کر بالکل فریش ہو جاتی تھی۔ ہمیشہ مسکراہٹ سے ان کا استقبال کرتی تھی۔
عارف فیضی نے قریب آکر آہستہ سے اس کا کندھا ہلایا اور بولے۔
"کیوں میڈم؟ یہ کون سا وقت ہے سونے کا؟"
شفق نے آنکھوں سے بازو ہٹا کر ان کی طرف دیکھا اور بولی۔
"سو نہیں رہی ہوں' ویسے ہی لیٹ گئی تھی۔"
"لیکن یہ وقت تو لیٹنے کا نہیں ہے۔"
شفق خاموش رہی تو انہوں نے متفکر ہو کر پوچھا۔
"طبیعت ٹھیک ہے تمہاری؟"
"جی"
شفق اٹھ کر بیٹھ گئی۔
"چلو پھر تیار ہو جاؤ' کہیں چلتے ہیں۔"
"کہاں چلیں گے؟"
شفق نے چپل پہنتے ہوئے کہا۔
"ارشد کی طرف چلتے ہیں کئی روز ہو گئے ہیں۔"
"اچھا پہلے چائے پی لیں' امی جان اور شائستہ انتظار کر رہی ہوں گی۔"
عارف فیضی غسل خانے کی طرف چلے گئے تو شفق اٹھ کر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آگئی۔ شانے اٹھا کر بڑی بددلی سے بالوں میں پھیرا اور ڈائنگ روم کی طرف چلی گئی۔

ارشد کے یہاں پہنچے تو یونہی بیٹھے بٹھائے فلم کا پروگرام بن گیا۔ رات کو جب وہ لوگ
ارشد اور سلیمہ بھابھی کو گھر چھوڑ کر واپس آ رہے تھے تو عارف فیضی نے بڑی سنجیدگی سے کہا
"بہت دیر سے سوچ رہا ہوں لیکن سمجھ میں نہیں آیا کہ تمہارا موڈ کیوں خراب ہے؟"
شفق ان کے لہجے کی سنجیدگی پر چونک کر بولی۔
"نہیں' میرا موڈ خراب تو نہیں۔"
"تو پھر مجھے دھوکہ ہوا ہوگا' غلط فہمی ہوئی ہوگی۔"
شفق خاموش رہی۔
عارف فیضی نے کہا۔
"لیکن مجھے یقین ہے کہ میں جو کچھ سمجھ رہا ہوں وہ بالکل ٹھیک ہے۔"
"کیا سمجھ رہے ہیں آپ؟"
"یہی کہ تمہارا موڈ خراب ہے' شام سے تم نے اپنے اوپر سوگواری سی کیفیت طاری کر رکھی ہے۔ سوچوں میں ڈوبی ہوئی ہو' ارشد کے گھر بھی تم گم صم سی رہیں' فلم میں بھی تم نے کوئی دلچسپی نہیں لی۔"
شفق نے زبردستی مسکرا کر کہا۔
"اُفوہ! آپ نے تو اس وقت اچھی خاصی تقریر کر ڈالی۔"
"لیکن ایک بات بتا دینا چاہتا ہوں میں تمہیں۔"
شفق ان کے سپاٹ لہجے پر ایک بار پھر چونکی۔
"مجھے نہ بگڑے ہوئے موڈ پسند ہیں نہ بنے ہوئے چہرے۔"
"ارے آپ تو ناراض معلوم ہوتے ہیں۔"
شفق نے مسکرا کر کہا۔
"ناراض ہوں تو نہیں لیکن اس قسم کی باتوں پر ناراض ہو سکتا ہوں۔"
پھر باقی راستے عارف فیضی خاموش ہی رہے۔ شفق بھی چپ رہی فیضی کی باتوں سے اس کے دل کا بوجھ اور بڑھ گیا تھا رات کو وہ تو گہری نیند سوتے رہے لیکن شفق کو بڑی دیر تک نیند نہیں آئی۔ خاموشی سے لیٹے ہوئے گرم گرم آنسوؤں سے اس کا تکیہ بھیگتا رہا۔
ایک ہفتے بعد اس کی ساس شاہدہ بیگم' اور شائستہ واپس چلی گئیں شفق کو امید تھی کہ جاتے وقت وہ لوگ اسے اپنے ساتھ پنجاب لے جانے کے لئے عارف فیضی سے اصرار کریں گی یا پھر بعد میں کبھی آنے کے لئے تو یقیناً کہیں گی۔
لیکن۔ کس قدر مایوسی ہوئی اسے جب ان دونوں میں سے کسی نے بھی نہ تو اسے لے جانے کے لئے اصرار کیا نہ ہی جھوٹے منہ بعد میں کبھی آنے کے لئے کہا۔
ان دونوں کے جانے سے گھر میں جو سناٹا ہوا وہ تو اپنی جگہ پر تکلیف دہ تھا ہی لیکن

احساس شفق کے دل کو دکھ پہنچا گیا کہ وہ لوگ اسے اپنے گھرانے سے دور رکھنا چاہتی ہیں۔
اس نے سوچا۔
میں چاہے کتنی ہی شریفانہ زندگی گزار دوں۔
ان سب کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دوں۔
اپنی بے پناہ محبت ان لوگوں پر نچھاور کر دوں۔
لیکن پھر بھی یہ خیال ان لوگوں کے دماغوں سے کبھی نہیں نکل سکے گا کہ میں ایک مطلقہ ہوں۔
یہ احساس ان کے دلوں میں ہر وقت رہے گا کہ میں اپنے پہلے شوہر اور بچوں کو چھوڑ چکی ہوں۔
اپنے رشتے داروں اپنے عزیزوں سے مجھے ملانے میں وہ لوگ اپنی سبکی محسوس کریں گے۔
وہ اگر میری گذشتہ زندگی کے بارے میں کسی کو کچھ نہ بتائیں تب بھی یہ باتیں لوگوں سے کب تک چھپی رہ سکیں گی۔
ایسی باتیں زیادہ عرصے تک چھپی بھی نہیں رہ سکتیں۔
اس روز پہلی بار شفق نے اپنے آپ سے سوال کیا۔
کیا میں نے عارف فیضی سے شادی کر کے غلطی کی ہے۔
ان کے خاندان میں مجھے بہو کا مقام کبھی حاصل نہیں ہو سکے گا؟
شاید یہ لوگ کبھی دل سے نہ میری عزت کر سکیں گے اور نہ مجھے سچی محبت دے سکیں گے۔
اس نے قصداً تو ان لوگوں کے بارے میں نہیں سوچنا چاہا۔
اس نے جان بوجھ کر انہیں یاد نہیں کرنا چاہا۔
لیکن پھر بھی گذرے ہوئے لمحوں کے جھروکوں سے کچھ چہرے جھانک رہے تھے۔
اس کی ساس نفیسہ بیگم' اس کی نندیں نائلہ' سیما' یاسمین اور اس کے سسر' احسان صاحب۔
وہ حیران تھی۔ آخر وہ لوگ اسے کیوں یاد آ رہے تھے۔
وہ تو خود اپنی مرضی' اپنی ضد اور اپنی خوشی سے ان سب کو پیچھے چھوڑ آئی تھی اور ان میں سے کسی بھی شخص کے بارے میں سوچنا نہیں چاہتی تھی۔
پھر ایسا کیوں ہو رہا تھا؟
وہ سر جھٹک کر کھڑی ہو گئی اور کیسٹ پلیئر پر انتہائی فضول' اچھلتے کودتے گانوں کا کیسٹ لگا کر سننے لگی۔
شائستہ اور شاہدہ بیگم کو گئے ہوئے ایک ہفتہ بھی نہیں گزرا تھا کہ عارف فیضی اسے پہاڑی مقامات کی سیر کرانے گئے۔

ایبٹ آباد، مری، کاغان، سوات، ان سب جگہوں پر پہلے بھی غزنوی کے ساتھ آچکی تھی۔
وہی راستے تھے وہی منزلیں۔
لیکن ہمسفر وہ نہیں تھا۔
ریسٹ ہاؤس کا خاموش، پرسکون ماحول
چیڑ کے درختوں کی قطاریں
وادیوں میں کھلے ہوئے زرد، کاسنی اور نارنجی شگوفے
پہاڑی راستوں کے پیچ و خم
پہاڑوں کی چوٹیوں پر چمکتی ہوئی سنہری دھوپ
دامن میں بنے ہوئے کچے مکانوں سے اٹھتا ہوا سرمئی دھواں
آسمان کی وسعتوں پر دوڑتے بھاگتے ہوئے سرمئی بادل
ڈوبتے سورج کی کرنوں میں نہائی ہوئی وادیاں
اور پہاڑوں پر اگے ہوئے درختوں کے درمیان سے گزرتی ہوئی تیز ہوائیں۔
مگر یہ سب اس کے دل کو مسرت اور سکون بخشنے کے بجائے اداس کئے جا رہا تھا۔ یادیں تھیں کہ پیچھا نہیں چھوڑتی تھیں۔

ایبٹ آباد کے جس گھر میں وہ لوگ ٹھہرے ہوئے تھے وہ عارف فیضی کے کسی دوست کا گھر تھا۔ لیکن وہ خود اپنے گھر میں نہیں تھے۔ بیوی، بچوں کے ساتھ بیرون ملک گئے ہوئے تھے۔ گھر کی حفاظت اور نگرانی کے لئے اپنے ایک ملازم کو چھوڑ گئے تھے۔ جو اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ رہتا تھا۔ اشرف ملازم کی عمر کافی تھی۔ لیکن اس کی بیوی اس کے مقابلے میں بہت کم عمر تھی۔ عمروں کے اس فرق کے ساتھ ساتھ دونوں کی شکل و صورت کا آپس میں کوئی موازنہ نہیں تھا۔ شرفو خاصا بدصورت تھا جبکہ صغریٰ بے حد خوبصورت تھی اس کا بدن چنبیلی کی کلی کی طرح نازک تھا۔ چلتے ہوئے سو سو بل کھاتا تھا۔ بچے دونوں ہی باپ پر گئے تھے۔ انہوں نے کوئی ایک چیز بھی اپنی ماں کی نہیں لی تھی۔

شرفو نے عارف فیضی کو دیکھ کر جس خوشی اور مستعدی کا اظہار کیا اس سے شفق کو یہ اندازہ ہوا کہ وہ پہلے بھی یہاں آچکے ہیں۔

عارف فیضی کو دیکھ کر شرفو نے اپنے ٹیڑھے میڑھے پیلے اور بڑے بڑے دانتوں کی نمائش کرتے ہوئے کہا۔
"صاحب بڑے دن لگا دیئے ہیں آپ نے آنے میں؟"
عارف فیضی نے کہا۔
"ہاں راستے میں کئی جگہ ٹھہرتے ہوئے آئے ہیں نا! اس لئے یہاں پہنچنے میں زیادہ دیر

ہوگئی"
شرفو نے ان کا بیگ تھامتے ہوئے کہا۔
"میں تو روز آپ کا انتظار کرتا تھا کہ شاید آج صاحب آجائیں۔ شاید آج آجائیں"
پھر اس نے اپنی بیوی کو آواز دیتے ہوئے کہا۔
"صغریٰ ہاتھ کا کام چھوڑ کر ذرا جلدی سے آجا! بیگم صاحبہ بھی آئی ہیں"
عارف فیضی نے چونک کر پوچھا۔
"یہ صغریٰ کون ہے؟ تمہاری بیوی کا نام تو سکینہ ہے"
شرفو نے یا تو سچ مچ اداس ہوتے ہوئے یا پھر اداس ہونے کی ایکٹنگ کرتے کہا۔
"سکینہ تو مر گئی صاحب جی"
"ارے! سچ مچ کیسے؟ کیا ہوا تھا اسے؟"
"بس جی! پیر پھسل گیا تھا کھائی میں گر کر ختم ہوگئی"
شرفو کے چہرے پر گہرا دکھ تھا اور عارف فیضی کی آنکھیں سوچوں میں ڈوبی ہوئی تھیں۔
اس دوران دوپٹے کی اوٹ سے اپنا چہرہ چھپائے ہوئے صغریٰ آگئی۔
شرفو نے اسے گھونگھٹ کاڑھے دیکھ کر کہا۔
"ارے نیک بخت ان سے کیا پردہ؟ یہ تو صاحب جی ہیں؟ میں نے تو سکینہ کا بھی ان سے پردہ نہیں کرایا تھا"
صغریٰ اسی طرح گھونگھٹ کاڑھے جھکی جھکائی کھڑی رہی۔
شرفو نے تنبیہی انداز میں کہا۔
"سلام کر صاحب اور بیگم صاحبہ کو"
صغریٰ نے اپنی کھنکتی ہوئی آواز میں سلام کیا۔ لیکن چہرہ بھی چھپا رہا۔
کچھ دیر بعد عارف فیضی کمرے میں آئے تو صغریٰ ان لوگوں کا سامان ۔۔۔ رکھ کر جا چکی تھی

شفق کھڑکی میں کھڑی باہر کا منظر دیکھ رہی تھی
رات دھیرے دھیرے پہاڑوں پر اتر رہی تھی۔
بیشتر مکانوں کی کھڑکیاں روشن ہوگئی تھیں۔
آسمان نیلا اور شفاف تھا۔
سرشام پہاڑوں کی چوٹیوں کو چھو کر اڑنے والے بادل جانے کس سمت جا کر برسے تھے۔
اب تو بس کہیں کہیں روئی کے گالے اڑتے ہوئے نظر آرہے تھے۔
سامنے والے پہاڑ کی چوٹی پر اگے ہوئے درختوں کے درمیان اوائل تاریخوں کا چاند اپنی زرد پھیکی روشنی کا غبار برسا رہا تھا۔

چاند کے قریب ہی شام کا ستارہ جھلملا رہا تھا۔
فضا میں درختوں کے گیلے تنوں بھیگے پتوں اور سیب کے شگوفوں کی خوشبو رچی ہوئی تھی۔
ہواؤں میں نرمی اور دھیما پن تھا۔
نیچے گھاٹی میں بنے ہوئے کچے مکانوں سے اٹھتا ہوا سرمئی دھواں آسمان کی وسعتوں میں تحلیل ہو رہا تھا۔ اور پودوں میں کھلے ہوئے زرد کاسنی اور گلابی شگوفے ہواؤں میں جھومتے ہوئے سرگوشیاں کر رہے تھے۔
شفق کو یہ سب کچھ اچھا لگ رہا تھا اس کا دل چاہتا تھا۔ وہ وقت کے ان خوبصورت لمحوں میں کھو کر رہ جائے۔
کچھ نہ سوچے، کچھ نہ یاد کرے۔
لیکن سوچوں پر اس کا بس نہیں تھا۔ اور یادوں پر بھی کوئی اختیار نہ تھا۔
اس کے دل و دماغ میں اس وقت اگر کسی کا خیال تھا تو وہ غزنوی تھا
یادوں کی اس راہ گزر پر اس وقت عارف فیضی کا کہیں کوئی وجود نہیں تھا۔
برسوں پہلے بھی یہی ایبٹ آباد تھا۔
یہی گھاٹیاں، یہی وادیاں تھیں۔
پہاڑوں کے یہی نشیب و فراز تھے۔
غزنوی کی سنگت میں پہاڑوں کی چڑھائیاں چڑھتے ہوئے وہ تھکتی نہیں تھی۔
گیلری میں بیٹھ کر غزنوی کے ہمراہ نیچے وادی کا نظارہ کرتے اس کا دل نہیں بھرتا تھا۔
اسے تو یہ تک یاد تھا کہ کب؟ کس دن؟ اس نے غزنوی کی فرمائش پر کون سا لباس پہنا تھا۔
اور اس کے بعد غزنوی کا سراہنے کا انداز ان کے لفظوں کی بازگشت اسے آج بھی سنائی دے رہی تھی۔
خداوندا! یہ یادیں میرا پیچھا کیوں نہیں چھوڑ دیتیں۔
مجھے تو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ان یادوں سے اپنا دامن چھڑاتے چھڑاتے میں پاگل ہو جاؤں گی۔
عارف فیضی کے ساتھ ساتھ وہ جہاں بھی گئی تھی غزنوی کا خیال ایک سائے کی طرح اس کا تعاقب کرتا یہاں تک آ پہنچا تھا۔
ہر جگہ دو مرد اسے اپنے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے محسوس ہوتے تھے ایک عارف فیضی اور دوسرے غزنوی۔
وہ سر جھٹک کر بستر پر دراز ہو گئی۔ وہ تو غنیمت تھا کہ عارف فیضی کمرے میں آتے ہی کپڑے نکال کر غسل کرنے باتھ روم چلے گئے تھے۔ ورنہ شفق کی اس کیفیت پر اب وہ بری

جاتے۔
تمام راستے وہ گہری نظر سے اس کا جائزہ لیتے آئے تھے۔
ہر جگہ ہر مقام پر شفق کا کھو کر رہ جانا گہری سوچوں میں ڈوب جانا اور پھر سوچتے سوچتے چونک پڑنا۔
عارف فیضی بچہ اور نا سمجھ تو نہیں تھے جو اس کے دل و دماغ کی کیفیت کا اندازہ نہ لگا سکتے۔
انہوں نے کئی دفعہ شفق کو ٹوکا بلکہ ایک دفعہ تو چڑ کر یہ بھی کہہ دیا تھا۔
"اگر مجھے معلوم ہوتا کہ پرانی یادیں تمہارے دل و دماغ پر اس حد تک اثر انداز ہوں گی تو نہیں یہاں لانے کی غلطی کبھی نہ کرتا۔"
شفق نے ہر موقع پر جھوٹ کا سہارا لے کر عارف فیضی کو مطمئن کرنے کی کوشش کی لیکن غلطی پر تھی۔
عارف فیضی اس کے چہرے پر ایک نگاہ ڈالی کر اس کے ذہن و دل کی گہرائیوں تک پہنچ ے تھے۔
شفق نے اپنے آپ کو میگزین کے صفحات میں گم کرنا چاہا لیکن چند سطروں سے زیادہ نہیں ہ سکی۔ میگزین سینے پر ڈال کر اس نے آنکھیں بند کرلیں۔ عارف فیضی نہا کر آئے تو اسے دیکھ کر بولے۔
"کیا بات ہے تھک گئیں؟"
"نہیں۔ نہیں تو۔"
"تو پھر نیند آ رہی ہے۔"
"نہیں، نیند بھی نہیں آ رہی ہے۔"
"پھر یقیناً بھولی بسری یادیں ستا رہی ہوں گی۔"
عارف فیضی کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ تھی۔
اور شفق کو اس وقت جانے کیا ہوا۔ عارف فیضی کی بات کی تردید کرنے کے بجائے پہلے تو خاموش رہی پھر میگزین سرہانے ڈال کر اٹھ بیٹھی اور بولی۔
"چلئے، آپ کی بات درست سہی! لیکن میں آپ سے ایک سوال کرتی ہوں! یادوں اور سوچوں پر انسان کا کوئی بس، کوئی اختیار ہوتا ہے؟"
عارف فیضی نے چونک کر اس کی طرف دیکھا مگر بولے کچھ نہیں۔
شفق نے کہا۔
"اپنے آپ کو میری جگہ رکھ کر سوچئے، جو کچھ میرے ساتھ ہو چکا ہے، یہی سب کچھ آپ کے ساتھ ہوا ہوتا تو کیا آپ کے دل و دماغ کی کیفیت اس سے مختلف ہوتی۔ جو میر

عارف فیضی نے کچھ چڑ کر کہا۔

"میں یہ سب کچھ نہیں جانتا' میں تو بس تم سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔ کہ جب تمہیں غزنوی کو یاد کر کے اسی طرح آہیں بھرنی تھیں تو تمہیں کس حکیم نے مشورہ دیا تھا کہ تم مجھ سے شادی کر لو؟"

شفق کو توقع نہیں تھی کہ عارف فیضی اس سے اس لب و لہجے میں بھی بات کر سکتے ہیں۔

اس کے دماغ پر شدید ضرب پڑی۔

اور دل جیسے پاش پاش ہو کر رہ گیا۔

کس قدر حیرانی تھی اس کی نگاہوں میں۔

اور چہرے پر کتنے تاریک سے سائے لہرا کر رہ گئے تھے۔

عارف فیضی کے جملوں کی کاٹ کتنی شدید تھی۔

اور پھر وہ اس انداز گفتگو کی عادی بھی کب تھی۔

سوچوں کی رہگذر پھر اسی سمت مڑ جاتی تھی جہاں غزنوی کھڑے تھے۔

انہوں نے شفق سے اتنی دل آزار باتیں کبھی نہیں کی تھیں۔

اس وقت شفق کو پہلی بار احساس ہوا کہ غزنوی نے تو اس کی سرکشیوں اور گستاخیوں کے باوجود بھی اپنے لہجے کی نرمی کو ہمیشہ برقرار رکھا۔

عارف فیضی کی باتوں سے اس کا دل ویسے ہی زخمی تھا۔

اس پر سے ا[illegible] ' یہ احساس ندامت شفق کے دل کو اور بھی کرچی کرچی کر گیا کہ غزنوی کو تو وہ کبھی خاطر میں ہی نہیں لائی تھی۔

اس کا دل بے اختیار رونے کو چاہتا تھا لیکن وہ عارف فیضی کے سامنے آنسو بہانا نہیں چاہتی تھی اس نے اٹھ کر اپنا سوٹ کیس کھولا اور کپڑے نکال کر نہانے چلی گئی۔

باتھ روم میں وہ جی بھر کر روئی۔

اس کے دل کا غبار آنسوؤں کی راہ بہتا رہا۔

لیکن کپڑے تبدیل کر کے جب اس کی نگاہ آئینے پر پڑی تو اپنے چہرے پر نگاہ پڑتے ہی فکر مند ہو گئی۔

رونے سے اس کے دل کا غبار تو کم ہو گیا تھا۔

لیکن وہ شدت گریہ سے سرخ آنکھیں۔

وہ سوجے ہوئے متورم پپوٹے۔ آنسو بہانے کی داستان سنا رہے تھے۔

اس نے سوچا۔

"عارف فیضی سے کوئی نیا طنز سننے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔"

وہ ڈری سہمی سی باتھ روم سے نکلی تو عارف فیضی کھڑکی کے سامنے کرسی پر بیٹھے کچھ لکھ رہے تھے۔ آہٹ سن کر انہوں نے لکھتے لکھتے سر اٹھایا اور پلٹ کر گہری نگاہوں سے شفق کی طرف دیکھا۔

آنے والے لمحوں کا احساس شفق کے دل کو خوفزدہ کر گیا۔

"کیوں بھئی؟ غزنوی کی یاد میں آنسو بہا آئیں۔"

عارف فیضی کے لہجے میں گہرا طنز تھا۔

شفق خاموش کھڑی تولیہ سے اپنے بال خشک کرتی رہی۔

عارف فیضی نے پھر کہا۔

"میری بات کی تردید تو تم نہیں کر سکتیں کیونکہ آنکھیں تمہارا راز افشا کئے دے رہی ہیں۔"

شفق نے سوچا۔

بات کو بڑھانے سے کچھ حاصل نہیں ہو گا۔

بہتر یہی ہے کہ ایسی باتوں کے جواب میں یا تو خاموشی اختیار کر لوں یا پھر نظرانداز کر دوں۔

اب تو بہرحال مجھے اس لب و لہجے اور اس انداز گفتگو کا عادی ہونا ہی پڑے گا۔

اس نے بالوں کو جھٹک کر پشت پر پھیلاتے ہوئے کہا۔

"کیا ہم لوگ اچھی باتیں نہیں کر سکتے؟ صرف اپنے متعلق میرا مطلب ہے اس میں کسی دوسرے شخص کا کوئی ذکر نہ ہو۔"

"یہ تو تم پر منحصر ہے۔ تم اپنا موڈ اور اپنی سوچوں کا انداز درست رکھو تو کسی دوسرے شخص کا ذکر درمیان میں آنے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے؟"

عارف فیضی کا لہجہ سپاٹ تھا۔

"آپ سمجھتے ہیں' میں قصداً "ایسا کرتی ہوں؟"

"تم قصداً" ایسا نہیں بھی کرتیں تب بھی تمہیں کوشش تو کرنی چاہئے کہ تمہاری سوچوں اور تمہارے خیالوں میں غزنوی کا گزر کہیں نہ ہو"

"آپ کو کیا خبر؟ میں ان یادوں ان سوچوں سے اپنا پیچھا چھڑانے کی کتنی کوشش کرتی ہوں۔"

"اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ تمہارے لاشعور میں چھپے ہوئے پچھتاوے دھیرے دھیرے سر ابھار رہے ہیں۔"

عارف فیضی کس طرح بال کی کھال نکال رہے تھے۔

شفق نے بڑی مشکل سے ضبط کیا اور ڈریسنگ ٹیبل سے ہیئر برش اٹھا کر بولی۔

"معلوم نہیں' پچھتاوا مجھے ہے یا آپ کو؟"

"اگر تمہارے انداز یہی رہے تو یقیناً مجھے پچھتانا پڑے گا۔"

شفق ایک بار پھر چونکی۔

تو گویا ان کے پچھتاوے کا وقت قریب آگیا ہے۔
شفق بال سلجھاتے ہوئے کھڑکی کے قریب آگئی۔
وہ سر جھکائے ہوئے سوچوں میں گم' دھیرے دھیرے بال سلجھا رہی تھی۔ اسے احساس بھی نہیں تھا کہ اس عالم میں وہ کتنی قیامت خیز لگ رہی تھی۔
رائل بلیو کپڑوں میں اس کا گلابی رنگ کچھ اور چمک اٹھا تھا۔
بھیگے بالوں سے ٹپکتے ہوئے پانی کے قطرے۔
غلافی آنکھوں کے متورم پپوٹے۔
رخساروں پر کانپتے ہوئے خمدار پلکوں کے سائے۔
بھیگے ہوئے لبوں کے کپکپاتے ہوئے گوشے۔
ایک طرف جھک کر کھڑے ہونے سے صراحی مائل گردن کی خوبصورتی کچھ اور نمایاں ہو گئی تھی۔
گردن پر نظر آنے والی نیلی رگ کچھ اور گہری ہو گئی تھی۔
عارف فیضی کی باتوں نے اس کے دل کو جو تکلیف پہنچائی تھی اس کا سوز اس کے حسن کو اور بھی قیامت خیز بنا گیا تھا۔
عارف فیضی کی نگاہیں اس کے چہرے پر جمی رہ گئیں۔
ابھی تھوڑی دیر پہلے ان کے دل میں جو غصہ تھا وہ خود بخود دور ہو گیا۔
ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ کے بجائے پیار بھری مسکراہٹ بکھر گئی۔
وہ چند سیکنڈ تک والہانہ انداز سے س کی طرف دیکھتے رہے پھر اٹھ کر اس کے قریب آگئے۔
شفق نے چونک کر سہمی ہوئی نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔
مگر وہاں تو کیفیت ہی کچھ اور تھی۔
اس نے پلکیں جھپکائے بغیر حیرانی سے ان کی طرف دیکھا۔
عارف فیضی نے اس کے شانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس کے بھیگے بالوں سے اٹھتی ہوئی شیمپو کی خوشبو کو اپنی سانسوں میں جذب کرتے ہوئے کہا۔
"مت رویا کرو شفق! مت یاد کیا کرو اس آدمی کو' اس نے تمہیں سوائے دکھوں کے اور کیا دیا ہے"
"میں آپ کو کیسے یقین دلاؤں میں قصداً "ایسا نہیں کرتی۔ کاش! آپ سمجھ سکتے! میں اس معاملے میں اپنے آپ کو کتنا بے بس محسوس کرتی ہوں۔"
"تم میرے ساتھ خوش نہیں ہو جو تمہیں بار بار غزنوی کا خیال آتا ہے؟"
"نہیں' نہیں' یہ بات نہیں ہے' آپ کیوں بدگمان ہوتے ہیں؟"
"میں تو خدا سے دعا کرتی ہوں کہ مجھے پچھلی زندگی کی کوئی بات کوئی لمحہ یاد نہ آئے مگر شاید

کوئی حادثہ ہی میرے دماغ سے گذشتہ یادوں کو فراموش کر سکتا ہے۔"
"خدا نہ کرے جو تمہیں کوئی حادثہ پیش آئے۔"
عارف فیضی نے بے اختیار ہو کر کہا۔
ایبٹ آباد میں وہ لوگ تقریباً ایک ہفتے تک ٹھہرے پھر ان دونوں میں کوئی بدمزگی نہیں ہوئی۔
ان کی روانگی سے ایک روز پہلے گہرے کالے بادل امنڈ امنڈ کر آتے رہے سارا دن گھٹا اور گھنا گھری رہی۔ وقفے وقفے سے ہلکی ہلکی بوندا باندی ہوتی رہی۔ شام ہوتے ہی ہر طرف گہرا اندھیرا چھا گیا۔ مکانوں کی بتیاں روشن ہو گئیں۔ کھڑکیوں اور روشن دانوں کے شیشوں سے زرد و بیمار روشنی چھن چھن کر باہر آنے لگی۔ دیکھتے ہی دیکھتے آسمان میں جیسے سوراخ ہو گئے۔ موٹی موٹی بوندیں گرنے لگیں۔ چرواہے اپنے ریوڑوں کو لے کر تیز قدموں سے اپنے ٹھکانوں کی طرف بڑھنے لگے۔
نیچے وادی میں بارش میں بھیگتی ہوئی بھیڑ بکریوں کے منمنانے سے ایک شور برپا تھا۔
فضا میں رچی ہوئی درختوں کے گیلے تنوں' بھیگے ہوئے پتوں اور مٹی کی خوشبو کچھ اور تیز ہو گئی تھی۔
پھر چھاجوں مینہ برسا۔ پانی کی موٹی چادر کے اس پار کچھ نظر ہی نہیں آتا تھا۔ شفق اور عارف فیضی کھڑکی کے قریب کرسیاں ڈالے پہاڑوں پر برستی ہوئی بارش کو دیکھ رہے تھے۔
عارف فیضی بڑے مطمئن اور مسرور سے تھے۔ ان پر ایک سرشاری کا سا عالم طاری تھا۔
ہونٹ خود بخود مسکرائے جا رہے تھے۔ جبکہ شفق کا چہرہ فکر مند تھا۔
وہ سوچ رہی تھی اگر بارش کا یہی انداز رہا تو کل ان لوگوں کی روانگی کس طرح ممکن ہو گی اس کی چھٹیاں ختم ہونے والی تھیں وہ چاہتی تھی چھٹیاں ختم ہونے سے ایک ہفتہ پہلے ہی وہ کراچی واپس پہنچ جائیں۔ سفر کی تھکن اتارنے کے لئے بھی تو ایک دو روز چاہئے تھے۔
اس نے عارف فیضی سے اپنے خدشے کا اظہار بھی کیا لیکن وہ تو جیسے اس برستی بارش سے جی بھر کے لطف اندوز ہونا چاہتے تھے۔
اندر کچن میں شرفو کی بیوی صغریٰ عارف فیضی کی فرمائش پر پکوڑے تل رہی تھی۔
پکوڑوں کی اشتہا انگیز خوشبو سارے گھر میں بسی ہوئی تھی۔
اس ایک ہفتے کے دوران عارف فیضی سے صغریٰ کا پردہ ٹوٹ چکا تھا۔ عارف فیضی بڑی حد تک اس سے بے تکلف ہو چکے تھے۔ صغریٰ کھانا بہت مزیدار [illegible]ں۔ اور وہ وقت بے وقت فرمائش کر کے اس سے کوئی بھی چیز پکوا لیتے تھے۔ اور جب وہ صغریٰ کے ہاتھوں پکے ہوئے کھانے تعریفیں کر کے [illegible]تے تو شرفو کی گردن فخر سے اکڑ جاتی۔ سیاہی مائل ——— مرغی کی تمازت سے کچھ اور سیاہ پڑ جاتا۔ اور کچھ نہیں تو رات کے ایک ڈیڑھ بجے

عارف فیضی کو کافی کی خواہش محسوس ہوتی اور وہ صغریٰ سے کافی بنوا لیتے شروع سے تو اسے حکم دے ہی رکھا تھا کہ صاحب اگر آدھی رات کو بھی کسی چیز کی فرمائش کریں تو بستر سے اٹھ کھڑی ہونا۔ یہ صاحب جی اپنے بڑے صاحب کے بہت چہیتے دلارے دوست ہیں کوئی شکایت دل میں نہ لے کر جائیں۔ پھر صغریٰ بے چاری کی کہاں مجال تھی کہ وہ کسی بھی وقت کسی کام سے انکار کرتی۔

پہاڑوں پر طلوع ہونے والی صبحیں جس قدر خوبصورت اور شامیں حسین ہوتی ہیں راتیں اتنی ہی بھیانک اور خوفناک ہوتی ہیں۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر اگے ہوئے درختوں کی وہی قطار جو صبح و شام ایک خوبصورت اور دلنواز منظر پیش کرتی ہیں رات میں انہیں دیکھ کر ایک دہشت سی طاری ہوجاتی ہے کھڑکی میں کھڑے ہو کر وادی کے حسن کا نظارہ دل کو ایک ناقابل بیان کیفیت سے دوچار کرتا ہے لیکن رات کی تاریکی میں اگر اسی وادی پر نگاہ پڑے تو خوف سے بدن میں جھرجھری سی طاری ہوجاتی ہے۔

رات میں بڑی دیر تک بارش کے برسنے کی آواز سنائی دیتی رہی۔ کھڑکیوں کے شیشوں پر جلترنگ بجتا رہا۔ عارف فیضی کچھ لکھنے میں مصروف تھے۔ شفق بہت دیر تک میگزین پڑھتی رہی پھر اس کی کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہونے لگیں تو وہ میگزین سائڈ ٹیبل پر رکھ کر سوگئی

وہ بہت بے خبر ہو کر سوئی تھی۔

بڑی گہری اور پرسکون نیند تھی اس کی۔

پھر اچانک اس کی آنکھ کھل گئی۔

اس نے نیند میں برابر والے بستر کی طرف دیکھا۔ بستر خالی پڑا تھا۔ عارف فیضی اپنے بستر پر نہیں تھے۔

شفق نے بڑبڑا کر کہا اوہنہ! آج پھر ان پر لکھنے کا دورہ پڑا ہے لکھتے لکھتے صبح ہی کردیں گے۔

اسے سخت نیند آرہی تھی بستر سے اٹھنے کو اس کا دل نہیں چاہ رہا تھا۔ جی چاہتا تھا کہ کروٹ لے کر پھر سو جائے۔

لیکن اسے معلوم تھا کہ اگر اس نے اٹھ کر عارف فیضی سے سونے کے لئے نہیں کہا تو وہ ابھی بھی نہیں سوئیں گے اور کل اگر ان کی روانگی ہو گئی تو سارا دن سفر کی تھکن الگ ہوگی۔

گیسٹ روم کے ساتھ ہی ڈرائننگ روم تھا۔

عارف فیضی کو جب بھی دیر تک جاگ کر لکھنے پڑھنے کا کوئی کام کرنا ہوتا تو وہ ڈرائننگ روم چلے جاتے تھے۔

شفق چند سکینڈ تک بستر پر بیٹھی بڑی کسلمندی سے ٹانگیں ہلاتی رہی اور اپنی نیند سے بوجھل آنکھوں کو انگلیوں سے مل مل کر پوری طرح کھولنے کی کوشش کرتی رہی۔ پھر ہمت کرکے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے ڈ... روم کے دروازے کو دھکا دیا تو وہ اندر سے بند تھا۔

”اُفوہ ایسی بھی کیا تنہائی۔ دروازے اندر سے بند کرکے بیٹھ گئے“

شفق منہ ہی منہ میں بڑبڑائی اور دروازے پر دستک دی۔ دو تین منٹ کے بعد دروازہ کھلا

شفق پوری طرح بیدار ہوچکی تھی۔

فیضی دروازے کی دونوں چوکھٹوں پر ہاتھ رکھ کر حیران نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

”ارے تم خلاف معمول..... کیسے اٹھ گئیں؟“

”معلوم نہیں میری آنکھ خود ہی کھل گئی“

پھر اس نے عارف فیضی سے پوچھا۔

”آپ کا ارادہ نہیں ہے سونے کا؟“

”میں بھی بس سونے کے لئے ہی آنے والا تھا“

”تم لیٹو چل کر میں آرہا ہوں“

عارف فیضی پھر بھی اس کا راستہ روکے کھڑے تھے۔

”نہیں مجھے معلوم ہے، آپ پھر اپنا کام لے کر بیٹھ جائیں گے“

شفق نے کہا۔

عارف فیضی مسکرا کر بولے۔

”کہہ جو دیا! اب کوئی کام نہیں کروں گا۔ تم اپنی نیند کیوں خراب کرتی ہو؟ میں ابھی آتا ہوں“

لیکن شفق انہیں ایک طرف ہٹا کر اندر آگئی۔

ڈرائننگ روم میں داخل ہوتے ہی اسے ایسا محسوس ہوا جیسے ابھی ابھی کوئی دوسرے دروازے سے نکل کر باہر گیا ہو۔ دروازے پر پڑا ہوا پردہ ہل رہا تھا۔ میز پر کافی کا پیالہ پڑا ہوا تھا جس میں سے شاید عارف فیضی نے ایک گھونٹ بھی نہیں لیا تھا۔ کہیں قریب سے ہی چوڑیوں کی آواز آرہی تھی۔ اسے معلوم تھا باورچی خانے کے برابر والا چھوٹا کمرہ غفور اور صغریٰ کا تھا۔

شفق نے عارف فیضی کا رائٹنگ پیڈ اور قلم سنبھالا اور میز پر رکھتے ہوئے غیرارادی طور پر کافی کے پیالے کو چھوا تو اسے احساس ہوا کہ کافی کچھ اتنی ٹھنڈی بھی نہیں تھی۔

شفق نے کہا۔

”یہ کافی تو بہت زیادہ دیر پہلے کی نہیں ہے“

”ہاں ہاں“

عارف فیضی اپنی رسٹ واچ پر نگاہیں جما کر ٹائم دیکھنے لگے۔

”یہ تو بڑی زیادتی ہے آپ کی، آپ اتنی رات گئے ان میاں بیوی کو پریشان کرتے ہیں“

"میں نے خود کافی بنائی تھی"
"خود بنائی تھی"
شفق نے حیران ہو کر ان کی طرف دیکھا
"ہاں میں نے سوچا ان لوگوں کو کیا پریشان کروں"
"آپ بنا لیتے ہیں کافی"
"کافی بنانا کوئی مشکل کام ہے"
"مشکل کام تو نہیں لیکن بعض مرد تو اسے بھی بڑا دشوار سمجھتے ہیں"
"میں ان مردوں میں سے نہیں ہوں"

پھر وہ دونوں اپنے کمرے میں آ گئے۔
شفق نے کھڑکی میں کھڑے ہو کر دیکھا۔
بارش رک چکی تھی۔
بادل جگہ جگہ سے پھٹ چکے تھے۔
کہیں کہیں سے جھانکتے ہوئے شفاف نیلے آسمان پر ستارے جھلملا رہے تھے۔
ہوائیں بالکل ساکت تھیں۔
ہر طرف اندھیرا تھا۔
اور وادی میں ہیبت ناک سناٹا چھایا ہوا تھا۔

شفق کا خیال تھا کہ اپنے اس تفریحی ٹور پر جاتے ہوئے عارف فیضی اسے اپنے گھر والوں سے ملانے کے لئے لاہور ضرور لے جائیں گے۔ لیکن اسے بڑی حیرت ہوئی جب انہوں نے پروگرام بناتے ہوئے وہاں جانے کا کوئی تذکرہ ہی نہیں کیا۔
شفق کے کہنے پر انہوں نے چونکتے ہوئے کہا۔
"ارے! میں تو بھول ہی گیا۔"
شفق نے حیران ہو کر ان کی طرف دیکھا۔
"یہ بھی کوئی بھولنے والی بات تھی۔"

لیکن جب وہ لوگ اپنے سفر پر روانہ ہوئے تھے تو عارف فیضی نے یہ کہہ کر گھر جانے کا پروگرام ملتوی کر دیا کہ واپسی پر وہاں ٹھہریں گے۔
شفق کو تو اپنے سسرال جانے اور سسرال والوں سے ملنے سے غرض تھی۔ چاہے وہ لوگ میں وہاں ٹھہرتے یا جاتے ہوئے قیام کرتے لیکن عارف فیضی نے واپسی میں اپنا قیام طویل کر دیا اور پھر یہ عذر پیش کر دیا کہ اب ان کی چھٹی ختم ہو رہی ہے اور وہ مزید ایک بھی کہیں نہیں ٹھہر سکتے۔
شفق کو مایوسی کے ساتھ ساتھ عارف فیضی پر سخت غصہ بھی آیا۔

اس کا موڈ ایک دم خراب ہو گیا۔ اس نے بے حد چڑ کر کہا۔
"اگر آپ مجھے اس قابل نہیں سمجھتے کہ اپنے گھر والوں سے ملائیں تو صاف صاف کہہ دیجئے۔ بلاوجہ کی عذر تراشی سے کیوں کام لیتے ہیں۔"
"میں نے اپنی مجبوری تمہیں بتا دی ہے' اب تم جو چاہو مطلب نکالو۔"
"ہم ایبٹ آباد یا کسی دوسری جگہ پر اپنا قیام مختصر بھی کر سکتے تھے اور پھر آپ کو معلوم بھی تھا کہ آپ کی کتنے روز کی چھٹی ہے۔ اور مزید چھٹی ملنے کا امکان بھی نہیں ہے۔ پھر غلطی کس کی ہوئی"۔
"بے کار باتوں پر بحث کر کے وقت ضائع کرنا مجھے پسند نہیں۔"
عارف فیضی پیشانی پر بل ڈال کر بولے۔
شفق نے دل ہی دل میں تلملا کر سوچا۔
واہ! یہ خوب رہی الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔
بجائے اس کے کہ اپنی غلطی تسلیم کریں مجھ پر رعب جما کر مجھے دبانے کی کوشش کر رہے ہیں۔
شفق اپنی سخت انسلٹ محسوس کر رہی تھی۔
یہ احساس اس کے لئے بہت تکلیف دہ تھا کہ اس کی ساس اور نند نے جھوٹے منہ بھی اس سے لاہور آنے کے لئے نہیں کہا تھا۔
اسے توقع تھی کہ عارف فیضی اسے ان لوگوں سے ملانے کے لئے کہیں گے وہ اسے خود ساتھ لے جائیں گے۔ لیکن وہ بھی اس بات پر آمادہ نظر نہیں آتے تھے ان حالات میں شفق اپنی توہین محسوس نہ کرتی تو کیا کرتی۔
اسے غصہ نہ آتا تو کیا ہوتا۔
اس نے عارف فیضی کی پیشانی پر پڑی ہوئی سلوٹوں کی کوئی پروا نہیں کی اور بے حد رنج اور غصے سے بولی۔
"آپ اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں سے مجھے ملانے میں سبکی محسوس کرتے ہیں۔ آپ کو ہر وقت یہ خیال پشیمان کئے رہتا ہو گا کہ آپ کی بیوی مطلقہ ہے اپنے شوہر اور بچوں کو چھوڑ کر آئی ہے۔ اسے جتنے پردوں میں رکھا جائے کم ہے۔ میں تو آپ کی صاف ستھری اور بے داغ زندگی پر ایک دھبہ بن گئی ہوں نا!۔"
عارف فیضی نے اونچی آواز میں کہا۔
"میں نے کہا نا! مجھے فضول باتیں پسند نہیں۔"
"کیوں.....؟ سچی بات کہہ دی تو کڑوی لگی۔"
شفق کے دل کو دھچکا سا لگا۔

اس نے سوچا۔

خداوندا! ابھی ہماری زندگی کی ابتداء ہوئے وقت ہی کتنا گزرا ہے۔ ابھی سے اتنی بدمزگیاں اور تلخیاں پیدا ہو گئیں۔ باقی زندگی کیسے گزرے گی؟۔

عارف فیضی کس طرح اسے ذلیل کر رہے تھے۔

شفق کے اوپر بھی اس وقت غصے کا بھوت سوار تھا۔

ان باتوں کو نظرانداز کرنے یا خاموش ہونے کے بجائے وہ بھی اپنے دل کی بھڑاس نکالنے پر آمادہ تھی۔

اس نے زہر خند لہجے میں کہا۔

" خوب! مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ قدم قدم پر مجھے میری گذشتہ زندگی کے طعنے دیں گے"۔

"ابھی تو میں نے کچھ نہیں کہا۔ لیکن اگر تم نے اپنے آپ کو سدھارنے کی کوشش نہیں کی تو پھر مجھ سے بہت کچھ سننے کے لئے تیار رہنا"۔

شفق نے بپھرے ہوئے انداز سے ان کی طرف دیکھ کر کچھ کہنا چاہا لیکن عارف فیضی نے اسے کچھ بولنے کا موقع دیئے بغیر کہا۔

" یہ جو بات بات پر تمہارا مزاج بگڑ جاتا ہے اس عادت کو دور کرنے کی کوشش کرو۔ ورنہ بہت پچھتاؤ گی۔ یقیناً "اسی عادت کی وجہ سے غزنوی سے تمہاری نہیں بنی ہوگی"۔

"پھر وہی غزنوی! آپ آخر بات بات پر غزنوی کو درمیان میں کیوں لے آتے ہیں؟"۔

شفق نے بے حد غصے سے کہا اور پیر پٹختی ہوئی گیلری میں چلی گئی۔ ڈھیر سارے آنسو اس کی آنکھوں میں امنڈ آئے تھے۔ گیلری کی ریلنگ سے پشت ٹیک کر وہ آنکھوں میں امنڈے ہوئے آنسوؤں کو آنچل سے خشک کرنے لگی۔ لیکن عارف فیضی کی باتوں سے اس کا دل اتنا دکھا تھا کہ آنسو خشک ہونے کے بجائے اُمڈے چلے آ رہے تھے ان کے تکلیف دہ جملوں کی بازگشت اس کے دماغ پر ہتھوڑے برسا رہی تھی۔

اس نے بہت یاد کرنے کی کوشش کی لیکن کوئی ایک دن کوئی ایک واقعہ بھی تو اسے یاد نہ آسکا جب غزنوی نے اس سے اتنے تند و تلخ لہجے میں بات کی ہو۔

وہ تو اس کی بدتمیزیوں کے جواب میں بھی اپنے لہجے کی نرمی اور متانت کو برقرار رکھتے تھے۔

انہوں نے اسے ڈانٹا کبھی نہیں، ہمیشہ سمجھاتے ہی رہے۔

عارف فیضی کی زیادتیوں کا احساس ہوا تو غزنوی اسے بڑی شدت سے یاد آئے۔

"شفق کے آنسوؤں نے شدت اختیار کی تو اس کی ہچکی بندھ گئی پھر عارف فیضی کو شاید اس پر رحم آگیا' وہ اٹھ کر باہر آگئے۔

اس کا بازو تھامتے ہوئے بولے۔

"کیا حماقت ہے یہ؟ لوگ سنیں گے تو کیا کہیں گے؟۔"

شفق اسی طرح روتی رہی۔

"چلو اندر چلو۔"

وہ اسے بازو سے تھام کر اندر لے آئے۔

"زندگی میں الجھنیں پیدا کرنے کا انجام اچھا نہیں ہوتا خوش رہنے کی کوشش کرو۔"

وہ اس کے تمتمائے ہوئے بھیگے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔

شفق نے گہری سانس لے کر کہا۔

"میں نے ایسی کون سی بہت بڑی فرمائش کر دی تھی جس کے جواب میں مجھے اتنا کچھ سننا پڑ گیا۔"

"دوسرے کی مجبوری کو سمجھنے کی کوشش کیا کرو۔"

چلو غلطی میری ہی سہی لیکن اس میں کیا حرج ہے اگر ہم اب نہ سہی ایک مہینے بعد جا کر امی اور شائستہ وغیرہ سے مل لیں گے۔"

شفق نے کوئی جواب نہیں دیا' بھیگی پلکیں جھکائے سوچتی رہی۔

پہلے بھی تو اس انداز سے بات کی جا سکتی تھی۔ میری بات کے جواب میں طنز کے اتنے تیر برسانے کی کیا ضرورت تھی۔

اور میں بھی تو ہر دفعہ بھول جاتی ہوں کہ اب جس شخص سے میرا واسطہ ہے وہ عارف فیضی ہے' غزنوی نہیں اسے نظرانداز کرنا نہیں آتا تو مجھے ہی اب تک اس عادت کو اپنا لینا چاہئے۔

مجھے ہی ہر بات کے جواب میں خاموش رہنا سیکھ لینا چاہئے۔

اس نے بڑے شاکی انداز سے غزنوی کے بارے میں سوچا۔

میری عادتیں غزنوی نے ہی بگاڑی ہیں۔

مجھے پیار بھرے انداز سے سمجھا سمجھا کر ہمیشہ میری غلطیوں کو نظرانداز کر کے مجھے سر پر چڑھا لیا۔

برسوں کی اتنی پختہ عادت اتنی آسانی سے تو نہیں چھوٹ جائے گی۔

اس نے پلکوں پر چمکتے ہوئے آنسوؤں کے قطرے انگلیوں سے صاف کرتے ہوئے عارف فیضی کی طرف دیکھا اور بولی۔

"میں اپنی عادتوں کو بدلنے کی کوشش کروں گی۔ اپنے آپ کو سدھارنے میں کچھ وقت تو لگ جائے گا کچھ عرصہ برداشت کر لیجئے۔"

یہ کہتے ہوئے شفق کی آنکھوں میں پھر آنسو آ گئے۔ عارف فیضی نے مسکراتی نگاہوں سے

اس کی طرف دیکھا اور کہا۔

"اتنے دنوں میں تمہیں یہ بات تو سمجھ لینی چاہئے کہ میری طبیعت میں جھنجھلاہٹ اور غصہ بہت ہے اپنی مرضی کے خلاف کوئی بات مجھ سے برداشت نہیں ہوتی"۔

"میری طبیعت بھی آپ کی طبیعت سے کچھ مختلف نہیں ہے۔ لیکن بہرحال ہم دونوں میں سے کسی ایک کو تو اپنے آپ کو بدلنا ہی پڑے گا۔"

"یعنی تمہارے خیال میں کسے اپنے آپ کو بدلنا چاہئے۔"

عارف فیضی نے شک بھری نگاہوں سے شفق کی طرف دیکھا۔

"ظاہر ہے مجھے ہی یہ کوشش کرنی چاہئے۔"

شفق ان کی نگاہوں کا مفہوم سمجھ کر بولی۔

وہ رات بھی شفق پر بہت بھاری گزری۔ اگلے روز کراچی کے لئے انکی روانگی تھی۔ رات کے کھانے کے بعد عارف فیضی کچھ دیر تک اس کے ساتھ ٹہلتے رہے پھر بستر پر لیٹتے ہی بے خبر سو گئے۔

شفق کی آنکھوں میں بڑی دیر تک نیند نہیں آئی۔ شام کو ان دونوں کے درمیان جو بدمزگی اور تلخ کلامی ہوگئی تھی شفق کے دل و دماغ پر اس کا بہت بوجھ تھا۔

بھولی بسری باتیں آج پھر اسے بے چین کئے دے رہی تھیں۔

وہ ان لوگوں کو یاد نہیں کرنا چاہتی تھی۔ جنہیں وہ چھوڑ آئی تھی۔

خصوصاً" غزنوی کے متعلق تو وہ سوچنا بھی نہیں چاہتی تھی لیکن وہ کیا کرتی؟۔

عارف فیضی کا بدلتا ہوا سلوک اس کی سوچوں کی راہگزر پر بار بار غزنوی کو لا کر کھڑا کر دیتا تھا۔

پوری رات اس کا تکیہ آنسوؤں سے بھیگتا رہا۔

کراچی آکر عارف فیضی کی پھر وہی مصروفیات تھیں وہ ایک سرکاری محکمے میں ایک اعلیٰ عہدے پر فائز تھے فرصت کے اوقات میں شعرو شاعری کرتے تھے معرکتہ الآرا افسانے لکھتے تھے۔ مشاعروں میں بہت کم شرکت کرتے تھے ہاں ادبی محفلوں میں اکثر و بیشتر لوگوں کے اصرار پر مجبور ہو کر انہیں شرکت کرنا پڑتی تھی۔

شفق کی ابھی چار پانچ روز کی چھٹیاں باقی تھیں وہ اپنے آپ کو گھر کے کاموں میں مصروف رکھتی تھی شام کے وقت عموماً" عارف فیضی اپنے کسی نہ کسی دوست کے یہاں اسے لے جاتے تھے یا پھر ان کا کوئی نہ کوئی دوست اپنی فیملی کے ساتھ آجاتا۔ عارف فیضی کے چار پانچ ہی دوست تو ایسے تھے جن سے ان کے بہت قریبی اور گہرے تعلقات تھے۔

اور جس روز چھٹیوں کے بعد شفق کو یونیورسٹی جانا تھا اس سے ایک رات پہلے شفق کو بہت دیر تک نیند نہیں آئی۔ وہ جانتی تھی کہ اب تک یونیورسٹی میں بہت سے لوگوں کو اس کی

زندگی کے نئے موڑ کے بارے میں معلوم ہو چکا ہوگا۔ اس نے خود تو اپنے ڈپارٹمنٹ کی ایک ساتھی پروفیسر کے سوا کسی کو کچھ نہیں بتایا تھا مسز رضوی کو اس کے بارے میں سبھی کچھ معلوم تھا غزنوی سے اس کی شادی سے لے کر ناچاقی تک اور پھر عارف فیضی سے اس کی دوستی کی ابتداء سے لے کر ان سے شادی ہوجانے تک کے بارے میں انہیں سبھی کچھ تو معلوم تھا۔

مسز رضوی بڑی ہمدرد اور مخلص ساتھی تھیں۔ اپنے بارے میں ہر بات انہیں بتا کر شفق کے دل کو بڑا سکون ملا کرتا تھا۔ دل کی بھڑاس نکالنے کے لئے کوئی ایسا ساتھی ہونا چاہئے جس سے دل کی بات کہی جاسکے..... کوئی تو ایسا ہمدرد ہونا چاہئے جو توجہ اور سکون سے کچھ سن سکے۔

مسز رضوی بڑی توجہ اور ہمدردی سے اس کی باتیں سنا کرتی تھیں اور اسے بہت مخلصانہ مشورے دیا کرتی تھیں۔ یہ الگ بات ہے کہ شفق کے عقل پر پڑے ہوئے پردوں نے اسے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے محروم کر رکھا تھا۔

مسز رضوی کو بڑا افسوس ہوتا تھا کہ وہ اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود شفق کو سمجھا نہیں سکی تھیں۔

اسے قائل نہیں کر سکیں تھی۔

انہیں بہت دکھ ہوتا تھا۔ کہ شفق غزنوی جیسے انسان کو سمجھ نہیں پا رہی ہے۔

غزنوی کی قدر نہیں کر رہی ہے۔

انہوں نے اس کے لئے کتنی دعائیں کی تھیں کہ خدا اسے عقل اور سمجھ دے۔

مگر تقدیر کی گردش! شفق کی قسمت میں تو بادلوں کی طرح اڑتے اڑتے نیچے زمین پر برس جانا لکھا تھا۔

جب شفق نے انہیں اطلاع دی کہ غزنوی نے اسے طلاق دے دی ہے تو وہ چیخ پڑیں۔

"نہیں، نہیں، شفق نہیں، یہ اچھا نہیں ہوا۔"

اور جب شفق نے بتایا کہ وہ عارف فیضی سے شادی کر رہی ہے تو وہ فرط غم سے بولیں۔

"میں تمہارے لئے مر گئی ہوں، مجھے کچھ نہ سناؤ، کچھ نہ بتاؤ۔"

"اور آئندہ مجھے فون بھی مت کرنا۔"

شفق کو شاید ان سے اس جواب کی توقع نہیں تھی۔ وہ بے حد رنج سے بولی۔

"ساری دنیا نے مجھے چھوڑ دیا ہے مسز رضوی! آپ تو ایسا نہ کریں۔"

مسز رضوی نے گہری سانس لے کر کہا۔

"خدا تمہیں محفوظ رکھے شفق! خدا نہ کرے جو تمہاری قسمت میں در در کی ٹھوکریں لکھی ہوں۔" اور اس کے بعد انہوں نے فون بند کر دیا

مگر یہ بات وہ جانتی تھی' یا ان کے گھر والے کہ کتنے دنوں تک شفق کی ازدواجی زندگی کے انجام پر ان کے دل و دماغ پر بوجھ رہا۔
اور اب شفق اگلے دن کے لئے اپنے آپ کو ذہنی طور پر تیار کر رہی تھی۔
چشم تصور سے وہ دیکھ رہی تھی۔
کہ یونیورسٹی کی حدود میں داخل ہوتے ہی بے شمار آڑی ترچھی نگاہیں اس کی طرف اٹھ رہی ہیں۔
لڑکے اور لڑکیاں اسے دیکھ کر دبی دبی سرگوشیاں کر رہے ہیں۔
ساتھی پروفیسروں کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹیں ہیں۔
آفس کا چھوٹا عملہ کلرک' چپراسی' سیمینار انچارج' تمسخرانہ انداز سے اس کی طرف دیکھ رہے ہیں۔
ہیڈ آف دی ڈپارٹمنٹ کا انداز تخاطب بدلا ہوا ہے۔
وہ جس طرف سے گزرتی ہے ہزاروں نگاہیں تیروں کی مانند اس کے وجود میں پیوست ہو جاتی ہیں۔
سوچتے سوچتے شفق کا دل گھبرانے لگا۔
اس نے پریشان ہو کر سوچا۔
خدایا! کیا سچ مچ مجھے ایسی صورتحال کا سامنا کرنا پڑے گا۔
مگر عارف فیضی سے شادی کرنے سے پہلے مجھے ان سب باتوں کا خیال کیوں نہیں آیا؟
اس کا دل چاہا وہ عارف فیضی کو اٹھا کر کہے میں اب یونیورسٹی نہیں جاؤں گی۔
میں سروس چھوڑ دوں گی۔
میں استعفیٰ دے دوں گی۔
مجھ میں اتنی تاب نہیں ہے کہ میں لوگوں کی تمسخرانہ نگاہوں کا سامنا کر سکوں۔
وہ ایک دم اٹھ بیٹھی اور ساتھ والے بستر پر سوئے ہوئے عارف فیضی کی طرف دیکھا۔
وہ کتنی میٹھی اور پرسکون نیند سو رہے تھے۔
شفق نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر مدھم آواز میں انہیں پکارا لیکن پھر دوبارہ انہیں آواز دینے کی ہمت وہ اپنے آپ میں نہ پا سکی۔
وہ فکرمند اور پریشان سی ہو کر دوبارہ لیٹ گئی۔
اس کی پلکیں بھیگ گئیں اور قطرہ قطرہ آنسو تکئے میں جذب ہونے لگے۔
شفق کی سوچیں اور اس کے خدشات غلط نہیں تھے۔ دوسرے روز وہ اپنی ساری ہمتوں کو مجتمع کر کے یونیورسٹی چلی گئی۔ لیکن......
اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کوئی مجرم ہو۔

ہر شخص کی نگاہیں اسے اپنی طرف اٹھتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔
سڑک سے ڈپارٹمنٹ تک کا فاصلہ اس نے بڑی مشکل سے طے کیا۔ ایک ایک قدم اٹھانا اسے دوبھر معلوم ہو رہا تھا۔
اب ایسا بھی نہیں تھا کہ ہر شخص اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔
یہ صرف اس کا اپنا احساس تھا۔
لیکن یہ سچ تھا کہ اس کے ڈپارٹمنٹ کے بیشتر لوگوں کے دیکھنے کا انداز بالکل ویسا ہی تھا جیسا اس نے سوچا تھا۔
کچھ لوگوں نے اسے مبارکباد بھی دی۔ مگر ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ سب اس پر طنز کر رہے ہوں' اس کا مذاق اڑا رہے ہوں۔ وہ نگاہیں ملا کر کسی سے بات نہ کر سکی۔
مسز رضوی اس روز نہیں آئیں تھیں شفق کو ان کی کمی بڑی شدت سے محسوس ہوئی۔
یونیورسٹی میں وہ چند گھنٹے اس نے بڑی مشکل سے گزارے کلاس لیتے وقت اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس میں ذرا بھی خود اعتمادی نہ ہو۔
کلاسز ختم ہوئیں تو اس نے اطمینان کا سانس لیا۔ گھر پہنچ کر ایسا معلوم ہوا جیسے قید خانے سے نکل کر آئی ہو۔
دوسرے روز مسز رضوی سے اس کی ملاقات ہوئی تو وہ ساری ناراضگی بھلا کر بڑی محبت اور خلوص سے اس سے ملیں اس سے نئی ازدواجی زندگی کے بارے میں پوچھتی رہیں۔
شفق کے دل میں اگرچہ عارف فیضی کی طرف سے بہت ملال تھا۔ بہت سارے گلے شکوے بھی تھے لیکن وہ مسز رضوی کے سامنے ان سب کا اظہار کر کے خود کو ان کی نظروں میں گرانا نہیں چاہتی تھی۔ وہ ان سے سب کچھ چھپا گئی۔
اس نے تو یہ تک نہیں بتایا کہ عارف فیضی اور اس کے گھر والوں نے اسے اس قابل بھی نہیں سمجھا کہ اسے پنجاب اپنے گھر لے جاتے اور یہ کہ عارف فیضی کا سلوک اس کی توقع سے کہیں مختلف تھا وہ اپنے ہونٹوں پر جھوٹی مسکراہٹ بکھیرے اور چہرے پر اطمینان کا خول چڑھائے ان کی باتوں کا جواب دیتی رہی۔
کچھ دن گزرنے پر وہ اپنی طرف اٹھنے والی ان نگاہوں کی عادی سی ہو گئی اس نے لوگوں کی طنزیہ اور تمسخرانہ مسکراہٹوں کو سہنا سیکھ لیا۔
زندگی تو کسی نہ کسی طور گزارنی ہی تھی سو گزر رہی تھی لیکن۔
ایک ایک کر کے اس کے سارے سپنے بکھرتے جا رہے تھے۔
وہ سارے خواب۔
جنہیں اپنی پلکوں پر سجا کر وہ غزنوی سے عارف فیضی تک آئی تھی ان کی تعبیریں الٹی ہی ہوتی جا رہی تھیں۔

عارف فیضی کو اپنی زندگی کا ہمسفر بنانے سے پہلے اس نے جو کچھ سوچا تھا اس کے بالکل برعکس ہو رہا تھا اور خود عارف فیضی کو اس نے جس اونچے سنگھاسن پر بٹھا کر ان کی پرستش شروع کردی تھی کچھ وقت ان کے ساتھ گزارا تو اسے احساس ہوا کہ وہ تو اس سے کہیں نیچے کھڑے تھے۔

ان کے لہجے میں دھیما پن، وہ دلکش انداز گفتگو، خدا جانے وہ سب کہاں غائب ہو گیا تھا؟۔

بلکہ اب تو یہ حال تھا کہ ان کی طبیعت کے غصے اور ضدی پن سے شفق خوفزدہ ہو جاتی تھی۔

ایک عجیب سے سہمے ہوئے انداز میں اس کی زندگی بسر ہو رہی تھی۔

دل و دماغ میں خدشات اور وسوسے سر ابھار رہے تھے۔

ان لوگوں کو آئے ہوئے دو مہینے بھی نہیں گزرے تھے کہ ایک روز عارف فیضی نے شفق سے کہا۔

"مجھے آفس کے کام سے اسلام آباد جانا ہے۔"

"اچھا کب.....؟۔"

"تین چار روز بعد جاؤں گا۔"

"کتنے دنوں کے لئے جا رہے ہیں؟۔"

"زیادہ سے زیادہ ایک ہفتے کے لئے"۔

"اور میرا کیا ہو گا" شفق نے پوچھا

"کیا مطلب.....؟" ذرا توقف کے بعد عارف فیضی اس سے مخاطب ہوئے

"مطلب یہ کہ میں اکیلی رہوں گی کیا؟۔"

"تم ارشد اور بھابی کے ساتھ رہ لینا۔"

شفق ان کی بات سن کر کچھ چپ سی ہو گئی۔

عارف فیضی نے اس کے چہرے کی طرف بغور دیکھا اور بولے۔

"کیوں؟ خاموش کیوں ہو گئیں تم میری بات سن کر؟۔"

"ہوں....." شفق نے ایک دبی سانس لی اور بولی

"کوئی حرج نہ ہو تو آپ اس دوران مجھے شائستہ اور امی جان کے پاس چھوڑ دیں۔"

"دو مہینے بعد میرا ارادہ ہے امی جان کے پاس جانے کا تم بھی میرے ساتھ چلنا۔"

شفق سمجھ گئی وہ اسے ٹال رہے تھے اس لئے مزید بحث کرنا فضول سمجھا اور اچھا کہہ کر خاموش ہو گئی۔

لیکن اس نے عارف فیضی کے دوست ارشد اور ان کی بیوی کے ساتھ رہنا پسند نہیں کیا۔

عارف فیضی چڑ کر بولے۔

"تو پھر کون سا ٹھکانا ہے تمہارا؟ کس کے ساتھ رہو گی۔"

شفق اچھی طرح جانتی تھی کہ وہ اس پر طنز کر رہے ہیں۔ مگر اس نے ان کے طنز کا جواب دینے کے بجائے رسانیت سے کہا۔

"میں کوئی بچی تھوڑی ہوں۔ اکیلی رہ لوں گی پھر کام کرنے والی مائی سے بات کرلوں گی۔ وہ ایک ہفتے تک دن رات میرے ساتھ رہ جائے گی۔"

"ٹھیک ہے جیسی تمہاری مرضی۔"

عارف کا لہجہ بے حد خشک تھا۔

"پھر وہ چلے گئے شفق کو ارشد کے گھر رہنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ فریدہ اپنے بیٹے کے ساتھ ایک ہفتے تک اس کے ساتھ رہنے پر رضامند ہو گئی"

عارف فیضی کے جانے کے بعد پہلی رات تو اس نے ـــــ آنکھوں میں کاٹ دی اس طرح تنہا رہنے کا اتفاق کب ہوا تھا اسے؟

اس پر عارف فیضی کے جملے اس کے دماغ پر ہتھوڑے برسا رہے تھے۔

"تو پھر کونسا ٹھکانہ ہے تمہارا؟۔"

"کس کے ساتھ رہو گی؟۔"

سچ مچ! میرا ٹھکانہ تو کوئی بھی نہیں ہے.....

نہ ہی بھائی بھاوج کا گھر، نہ کسی عزیز، رشتے دار کا گھر، نہ ماں باپ کا گھر۔

اور یہ جو ایک جگہ سر چھپانے کے لئے ہے، خدا جانے یہ بھی میرا ٹھکانہ ہے یا نہیں؟

لیکن سب کچھ تو میں نے اپنے ہاتھوں سے گنوایا ہے، کسی سے کوئی گلہ، کوئی شکوہ بھی نہیں کر سکتی۔

بہرحال! وہ ایک ہفتہ کسی نہ کسی طرح گزر ہی گیا۔

عارف فیضی واپس آگئے وہ بڑے خوشگوار موڈ میں واپس آئے تھے انہیں واپس آئے ہوئے دوسرا ہی دن تھا شام کو وہ ان کے ساتھ شاپنگ کے لئے گئی تھی۔ عارف فیضی کے دوست کی بہن کی شادی ہونے والی تھی اس کے لئے گفٹ خریدنا تھا جس اسٹور سے اسے گفٹ لینا تھا اس سے دو تین اسٹور آگے اس نے غزنوی کو دیکھا۔ افق بھی ان کے ساتھ تھی وہ دونوں کچھ خریداری کر کے سڑک پار کرنے کے ارادے سے فٹ پاتھ پر کھڑے تھے۔ غزنوی اور افق دونوں کے ہاتھوں میں خریداری کے پیکٹ تھے۔ شفق نے گھبرا کر چور نگاہوں سے عارف فیضی کی طرف دیکھا حالانکہ اس کی گھبراہٹ بلاوجہ ہی تھی۔

عارف فیضی نے تو کبھی غزنوی کو دیکھا ہی نہ تھا۔ اگر ان کی نگاہ غزنوی پر پڑ جاتی تب بھی

کوئی فرق نہیں پڑتا غزنوی اور افق ان دنوں کو دیکھ لیتے پھر بھی کوئی حرج نہیں تھا لیکن خدا جانے اس کے دل میں اس کے ضمیر کی کیسی چبھن اور کیسی کسک تھی کہ وہ ان نگاہوں سے بچنا چاہتی تھی۔

وہ عارف فیضی کا انتظار کئے بغیر جلدی سے اسٹور میں داخل ہو گئی۔ پھر اس نے بڑی [illegible] تمام خریداری کی۔ اس کی عقل کام نہیں کر رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کیا خریدے کیا نہ خریدے' اس نے عارف فیضی کی پسند سے ذرا بھی اختلاف نہیں کیا وہ تو اس وقت یہ چاہتی تھی کہ کسی نہ کسی طرح جلدی سے اس بازار سے نکل جائے۔

سارے راستے اس کی نگاہوں میں غزنوی اور افق کے چہرے گھومتے رہے۔

اپنے آپ کو نارمل رکھنا اسے بہت دشوار معلوم ہو رہا تھا۔

وہ عارف فیضی سے خوفزدہ تھی۔

کہیں وہ اس کی دلی کیفیت بھانپ نہ لیں۔

بڑی گہری نگاہ تھی ان کی۔

لیکن وہ تو غنیمت تھا کہ اس وقت انہیں جلدی تھی۔ شفق کو گھر چھوڑ کر انہیں کسی سے ملنے جانا تھا۔ انہیں پہلے ہی دیر ہو گئی تھی۔ راستے میں بھی انہوں نے شفق کی غیر معمولی خاموشی پر کوئی توجہ نہیں دی۔ وہ شفق کو گھر چھوڑ کر چلے گئے تو اس نے اطمینان کا سانس لیا۔

اگر کچھ دیر اور وہ شفق کے ساتھ رہتے تو وہ اپنی دلی کیفیت کو ان سے چھپا نہ پاتی۔

عارف فیضی کے جانے کے بعد وہ گھر میں بالکل تنہا تھی۔ اسے بہت سے کام کرنے تھے لیکن اس کا دل کسی کام میں نہیں لگ رہا تھا کھانا بنانے کا موڈ بھی نہیں تھا۔ جب کہ کھانا اسے ہر حال میں تیار ہی کرنا تھا رات کو وہ عارف فیضی کے سامنے کیا رکھتی۔ بادل نخواستہ اس نے کھانا تیار کیا لیکن غزنوی اور افق کا خیال ایک سائے کی طرح ہر لمحے اس کے ساتھ رہا۔

اس نے حساب لگایا تو اسے خیال آیا افق کی سالگرہ میں ایک ہفتہ باقی تھا۔

شاید اپنی سالگرہ کے لئے شاپنگ کرنے آئی ہو گی۔

بے اختیار اس کا دل چاہا وہ افق کے لئے کوئی گفٹ خریدے' اسے گفٹ بھیجے لیکن۔

اسے اپنی سوچ پر حیرت بھی تھی..... آخر کس رشتے سے وہ اسے گفٹ بھیجنا چاہتی تھی؟

ان دونوں کے درمیان اب کون سا بندھن باقی رہ گیا تھا؟۔

سارے رشتے' سارے ناتے تو اپنے ہاتھوں اس نے توڑ دیئے تھے۔

ہر بندھن سے آزاد ہو کر تو وہ خود چلی آئی تھی۔

یہ ٹھیک ہے کہ ماں اور بیٹی کے درمیان خون کا جو رشتہ قدرت نے قائم کر دیا تھا وہ اٹل تھا لیکن' لیکن وہ احساسات اور جذبات تو اس رشتے سے کہیں زیادہ اعلیٰ اور ارفع تھے جنہیں

وہ مجروح اور پامال کر کے آئی تھی۔

اب اگر اس کی ممتا جاگی بھی تھی تو اس سے کیا فائدہ تھا۔

جذبات اور احساسات کے آبگینوں کو تو وہ ٹھیس لگا کر چکنا چور کر چکی تھی۔

اب ان بکھری ہوئی کرچیوں کو سمیٹا تو نہیں جا سکتا تھا۔

رہ رہ کر اس کے سینے میں ہوک سی اٹھ رہی تھی۔ جیسے تیسے اس نے اپنے کام ختم کئے اور منہ سر لپیٹ کر لیٹ گئی۔

وہ چہرے کیا نظر آئے یادوں کے جھروکے ایک کے بعد ایک کھلتے چلے گئے۔

وہ سارے لوگ جنہیں وہ چھوڑ آئی تھی آج کس شدت سے اسے یاد آ رہے تھے۔

ان لوگوں کے درمیان سے ہٹ جانے کے بعد اسے تو خبر نہ ہو سکی کہ ان کے دلوں پر جو زخم اور چرکے وہ لگا آئی تھی وہ کتنے گہرے تھے۔

اپنے ساتھ ساتھ خاندان کے ماتھے پر جو داغ لگا کر آئی تھی وہ اتنا گہرا تھا کہ کسی سے چھپائے نہیں چھپتا تھا۔

اس کے لگائے ہوئے زخموں کی تاب نہ لا کر اس کے ابو احتشام صاحب دل کے دوسرے دورے میں ہی جاں بحق ہو گئے تھے۔

اسے خبر بھی کیسے ہوتی؟۔

اپنے لوگوں کو چھوڑتے وقت جب اس کے دل میں کوئی لہر نہیں اٹھی۔

جب اسے خاندان کی عزت اور بچوں کی محبت کا احساس نہیں ہوا تو اس کے پیچھے رہ جانے والے لوگ بھی یہ سوچنے اور یہ فیصلہ کرنے میں حق بجانب تھے کہ وہ ان کے لئے مر چکی ہے' ان لوگوں کے لئے اس دنیا میں ان کا ہونا یا نہ ہونا برابر ہے۔

مر جانے والے لوگوں کو کسی بات کی خبر کرنے کا بھی بھلا کوئی ذریعہ ہوتا ہے۔

احتشام صاحب تو پہلے ہی کہہ چکے تھے کہ مر جاؤں تب بھی میری صورت دیکھنے کے لئے اسے نہ بلانا۔

غزنوی اپنے ماں' باپ' بھائی بہنوں اور اپنی اولاد کی خاطر اپنے آپ کو بظاہر نارمل رکھتے تھے لیکن ان کے دل و دماغ کی جو کیفیت تھی وہ اسے خود جانتے تھے یہ تو سب کو علم تھا کہ وہ شفق کو نہ بھول سکتے ہیں نہ بھول پائیں گے۔ لیکن پھر بھی سب کی خواہش تھی کہ غزنوی اپنا گھر بسا لیں۔

جبراً" و قہراً" ہی سہی۔ اگر وہ شادی کر لیں تو کچھ تو ان کی توجہ بٹے گی۔

ان کے شب و روز گزرنے کا انداز کچھ تو تبدیل ہو گا۔

یقین تو خیر کسی کو بھی نہیں تھا لیکن ایک آس سی سب کے دلوں میں ضرور تھی کہ شاید غزنوی کی زندگی میں آنے والی دوسری ہستی کا بے پناہ پیار' بے پناہ محبت ان کے دل و دماغ

سے شفق کی محبت کو ختم نہ سہی تو کم تو کر ہی دے گا۔

شاید وہ گزرے ہوئے وقت کو بھلا دیں۔

وہ زخم، وہ کچوکے..... جو شفق ان کے دل، ان کی روح پر لگا کر چلی گئی تھی۔ آنے والی ہستی کی محبت اس کا پیار ان کے زخموں پر مرہم رکھ دے۔

ان کی زندگی کا باقی ماندہ سفر اس کی ہمراہی میں آرام اور سکون سے کٹ جائے۔

تنہائی کا وہ جلتا صحرا..... جس میں شفق کے جانے کے بعد سے وہ بھٹکتے پھر رہے تھے۔ اس کو عبور کرنا ان کے لئے آسان ہو جائے۔

فارینہ کے روپ میں وہ دوسری ہستی، وہ دوسری ہمسفر گھر والوں کے سامنے موجود تھی اور اب یہ بات چھپی ہوئی نہیں تھی کہ فارینہ کی زندگی کے وہ سارے قیمتی لمحے کس کی چاہت پر قربان ہو گئے تھے۔

اس کی زندگی کے تمام قیمتی برس کس کی محبت کے تناور درخت کی حفاظت کرتے کرتے گزر گئے۔

وہ لوگ..... جو غزنوی سے بہت قریب تھے اور جن کے بارے میں یہ خیال تھا کہ شاید غزنوی ان کی بات ٹال نہ سکیں گے ان کا کہنا مان لیں گے سبھی نے پہلے دبے دبے لفظوں میں پھر واضح الفاظ میں ان سے کہا کہ فارینہ سے شادی کر لیں۔

لیکن غزنوی کے پاس ہر ایک کے لئے ایک ہی جواب تھا۔

"نہیں....."

ان کے ارادے، ان کے فیصلے اور ان کے جواب میں کسی ترمیم کی گنجائش نہیں تھی۔

وہ فارینہ پر کوئی ظلم نہیں کر سکتے تھے۔

وہ جانتے تھے..... فارینہ کو دینے کے لئے ان کے پاس کچھ نہیں بچا تھا۔

۔ محبت، نہ چاہت، نہ احساسات، نہ جذبات۔

وہ تو مٹی کا ایک بے جان ڈھیر تھے۔

بے حس راکھ کا ڈھیر تھے۔

راکھ کے اس ڈھیر کو کرید کرید کر اپنی محبت کی چنگاریوں کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے فارینہ اپنی بچی کھچی زندگی کے سارے لمحات بھی گنوا دیتی تب بھی اسے کچھ حاصل نہ ہوتا۔

وہ اس پتھر سے سر پھوڑ پھوڑ کر مرجاتی تب بھی کوئی فائدہ نہ ہوتا۔

نفیسہ بیگم نے غزنوی کو بتایا کہ فارینہ اپنے بھائی کے پاس کینیڈا جا رہی ہے اور شاید اب وہ واپس بھی نہ آئے۔ ان کی کتنی خواہش تھی کہ غزنوی اسے جانے سے روک لیں لیکن

لیکن غزنوی جانتے تھے..... یہ ان کے بس میں نہیں ہے۔

وہ سوچتے تھے..... وہ تو اسے بھی روک نہ سکے جسے روکنا چاہتے تھے۔

جس پر ان کا کوئی حق، کوئی اختیار تھا۔

جس کا رک جانا خود ان کی ذات کے لئے، ان کی اولاد کی خوشیوں کے لئے اور خاندان کی زت کے لئے ضروری تھا۔

پھر فارینہ؟

وہ اسے روک کر اس کا آنچل کون سی مسرتوں سے بھر سکتے تھے۔

ان کے پاس اب خاموش یادوں کے سوا اور رہ بھی کیا گیا تھا؟

اور ایک دن فارینہ چلی گئی۔

نہ اس نے آنسو بہائے، نہ کسی دکھ، درد کا اظہار کیا۔

آنسو، دکھ اور درد تو اس کی زندگی کا قیمتی سرمایہ تھے۔

اپنے اس سرمائے کو دوسروں کے سامنے لٹا دیتی تو اس کے پاس باقی کیا رہ جاتا؟

تہی دامن نہ ہو جاتی وہ؟

جس کی زندگی جس طرح گزرنی تھی، گزر رہی تھی، نہ شفق کو اس بات کی خبر تھی کہ ان لوں کے دلوں پر کیا بیت رہی ہے۔ نہ وہ لوگ یہ جانتے تھے کہ اب شفق کے جینے کا ڈھنگ یا ہے۔

اس کے بچے، افق اور مہروز اس کے بارے میں سوچتے تھے، غزنوی کے ذہن سے تو اس کا بال کسی وقت نکلتا ہی نہیں تھا۔ لیکن وہ سمجھتے تھے..... وہ بہت خوش، بہت مسرور ہو گی۔

خوش نہ ہونے کا کوئی سبب بھی تو نہیں تھا۔

اس نے جس بات کی تمنا کی تھی وہ پوری ہو گئی تھی۔

اس نے جسے چاہا تھا، اسے حاصل کر لیا تھا۔

سب اس کی مرضی کے مطابق ہی تو ہوا تھا۔

عارف فیضی کے گھر واپس آنے تک وہ کافی حد تک سنبھل چکی تھی لیکن وہ پورا ہفتہ اس بہت بے تاب ہو کر گزارا۔ بے اختیار اس کا دل چاہا تھا کہ وہ افق کو کوئی گفٹ بھیجے۔ ے فون کرے کئی دفعہ اس نے غزنوی کے گھر کا فون نمبر ملایا لیکن ریسیور تھامے خاموش ا۔ اور پھر چپ چاپ فون بند کر دیا۔ افق کی سالگرہ سے ایک روز پہلے اس نے گفٹ بھی یدا تھا لیکن اس کی سالگرہ کا دن آ کر گزر گیا وہ گفٹ اس کے وارڈروب میں ہی پڑا رہ گیا۔

اتنا بڑا قدم اٹھانے کا حوصلہ وہ کیسے پیدا کرتی اپنے دل میں۔

اسے یہ اختیار اب کہاں رہ گیا تھا؟

افق کی سالگرہ والے دن اس کا دل چاہتا تھا..... وہ تنہا رہے..... بالکل تنہا۔

اس نے دل میں دعا کی۔ عارف فیضی کا تنہا کہیں جانے کا پروگرام بن جائے تاکہ نہ تو وہ سب ہو سکے نہ وہ اس کے چہرے سے اس کی کیفیت کا اندازہ لگا سکیں۔

شاید..... وہ وقت قبولیت تھا' عارف فیضی آفس سے آنے کے تھوڑی دیر بعد ہی چلے گئے اور جاتے ہوئے کہہ بھی گئے کہ واپسی پر دیر ہوگی۔

ان کی بات سن کر جانے کیسا اطمینان سا اتر آیا تھا اس کے دل میں۔

اتنے عرصے میں شفق نے اپنے آپ کو کافی حد تک بدل لیا تھا۔

وہ کبھی کبھی حیران ہو کر سوچتی..... ارے یہ میں ہی ہوں۔

میری وہ انا' وہ خودداری' طبیعت کا وہ ضدی پن وہ بات بات روٹھ جانا اور پھر یہ تمنا کرنا کہ دوسرا مجھے منالے.... وہ سب کچھ کیا ہوا؟

کس قدر بے وقعت ہو کر رہ گئی ہوں میں۔

وہ محسوس کر رہی تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ عارف فیضی کس طرح بدلتے جارہے تھے۔

وہ کسی بات پر روٹھ جائے تو ان کے پاس اسے منانے کی لئے وقت نہیں ہوتا تھا۔

ان کی باتوں پر اس کی آنکھوں میں آنسو آتے تھے تو وہ بری طرح چڑ جاتے تھے۔

"مت بہایا کرو یہ آنسو' نفرت ہوتی جارہی ہے مجھے تمہارے ان آنسوؤں سے"

ان کے جملوں کی کاٹ اس کے دل کو زخمی کردیتی۔

اگر گھڑی دو گھڑی اسے محبت سے پاس بٹھا کر بات کرتے تھے' تو اکثر و بیشتر اسے پچھلی زندگی کا کوئی نہ کوئی طعنہ سننے کو مل جاتا تھا۔

کبھی کبھی اس کا دل چاہتا تھا.... وہ بالکل پتھر ہو کر رہ جائے' نہ کسی بات پر ہنسے' نہ مسکرائے' نہ روئے مگر یہ کیسے ممکن تھا۔

عارف فیضی نے اسلام آباد جاتے وقت اس سے کہا تو یہی تھا کہ اگلے مہینہ وہ شائستہ اور امی جان سے ملانے کے لئے لے جائیں گے لیکن اگلا مہینہ تو کیا..... اس سے بھی اگلے مہینے گزر گئے لیکن عارف فیضی نے اسے لے جانے کا نام تک نہیں لیا جب کہ خود درمیان میں دو روز کے لئے آفس کے کام کا کہہ کر کراچی سے باہر گئے بھی۔

شفق نے تو اب ان سے یہ کہنا ہی چھوڑ دیا تھا کہ مجھے لاہور لے چلیں بس خط کتابت کے ذریعے ہی سسرال والوں سے اس کا رابطہ قائم تھا۔ شائستہ کے خطوط بڑی پابندی سے اس کے پاس آتے تھے کبھی کبھی اس کی ساس بھی خط لکھ دیا کرتی تھیں۔

شفق بھی بڑی محبت سے ان کے خطوط کے جواب دیا کرتی تھی۔

پھر ایک روز اسے معلوم ہوا کہ شائستہ کی منگنی ہونے والی ہے۔ اس کا دل چاہا کہ وہ شائستہ کی منگنی میں شرکت کرے۔

اسے امید بھی تھی کہ اس موقع پر تو عارف فیضی اسے نظر انداز نہیں کریں گے لیکن اسے کتنی مایوسی ہوئی جب اس دفعہ بھی ان کا ایسا کوئی ارادہ شفق کو نظر نہیں آیا۔ شائستہ کی

منگنی کے موقع پر بھی وہ تنہا ہی جانا چاہتے تھے ان کی یہ زیادتی شفق برداشت نہ کر سکی اور پوچھ بیٹھی۔

"کیا آپ تنہا ہی منگنی میں شرکت کریں گے"

عارف فیضی ایک دم گڑبڑا سے گئے اور ہوں کہہ کر ٹالنا چاہا۔

شفق نے دوبارہ پوچھا تو انہوں نے کہا۔

"ابھی تو منگنی ہے شادی میں شریک ہوجانا"

شفق نے طنزیہ انداز میں سے کہا۔

"مجھے یقین ہے کہ شادی کے وقت بھی مجھے نہ لے جانے کا آپ کے پاس کوئی نہ کوئی جواز ہوگا"

وہ خاموش رہے تو شفق چڑ کر بولی

"آج میں آپ سے یہ بات پوچھ کر رہوں گی کہ آخر آپ مجھے اپنے گھر کیوں نہیں لے جانا چاہتے"

"جس گھر میں تم رہ رہی ہو' یہ گھر کس کا ہے یہ گھر بھی تو میرا ہی ہے"

ان کے ہونٹوں پر دل جلانے والی مسکراہٹ تھی۔

"میں اس گھر کی بات کر رہی ہوں جہاں آپ کی امی' بہن اور بھائی بھاوجیں رہ رہی ہیں"

شفق نے قدرے اونچی آواز میں کہا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا آخر اس گھر میں جانے کے لئے تم اتنی بے تاب کیوں ہو"

"میں بے تاب کیوں نہ ہوں وہ میری سسرال ہے"

"دل سسرال اور سسرال والوں سے دور بھاگتے ہیں اور تم ہو کہ کسی طرح ان کا پیچھا ہی نہیں چھوڑتیں"

"عورت کا رابطہ صرف شوہر سے نہیں ہوتا اس کے پورے خاندان سے ہوتا ہے اس کے باقی لوگوں سے قطع تعلق کر کے تو نہیں رہا جاسکتا۔"

"بڑی قدر ہے تمہارے دل میں سسرال والوں کی"

عارف فیضی کا لہجہ طنزیہ تھا۔

"آپ کے نزدیک یہ بری بات ہے؟"

"اپنی کے گھروالوں کی قدر دانی کا خیال تمہیں کیوں نہیں آیا۔ ان لوگوں سے تو رشتے داری بھی تھی۔"

عارف فیضی نے طنز کا ایک اور تیر پھینکا۔

وہ ایک دم آپے سے باہر ہوگئی۔

"پھر وہی غزنوی، غزنوی جو شخص میری زندگی سے نکل چکا ہے اس کا طعنہ دے دے کر آپ میرا سینہ کیوں چھلنی کرتے ہیں؟"

"زندگی سے نکل چکا لیکن دل سے نہیں نکلا"

"اب اس شخص کا پیچھا چھوڑ بھی دیجئے کیوں حسد کرتے ہیں آپ اس سے"

"ہنہ میں کیوں حسد کروں گا؟ میں نے نہ کبھی اس آدمی کو دیکھا نہ اس سے ملا لیکن"

انہوں نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

شفق نے کہا۔

"آگے بھی کہیے چپ کیوں ہوگئے"

"تمہارے ساتھ اتنے عرصے رہنے کے بعد میں سوچتا ہوں کہ وہ آدمی بھلا ہوگا۔ تم ہی نے اس کی قدر نہیں کی ہوگی"

"جی ہاں ٹھیک کہتے ہیں"

شفق کے آنکھوں میں سوچیں سی اتر گئیں

"اور کیا؟ تمہاری یہ بد مزاجی، یہ اکھڑ پن ہر بات میں ضد، بحث کرنا آخر کوئی کب تک ان باتوں کو برداشت کرسکتا ہے؟"

"اچھا تو گویا آپ کی برداشت کی حد ختم ہوگئی"

"اگر تمہارے یہی انداز رہے تو یقیناً" بہت جلد میری بھی قوت برداشت جواب دے جائے گی"

"یعنی اس کے بعد کیا کر بیٹھنے کا ارادہ ہے آپ کا"

"جو کچھ کروں گا تمہارے سامنے آجائے گا"

"زیادہ سے زیادہ یہی نا کہ آپ طلاق دے دیں گے"

شفق کی قوت برداشت جواب دیتی جارہی تھی

مارے غصے کے اس کے ہونٹ کپکپا رہے تھے۔

عارف فیضی نے طنز کا بھرپور وار کرتے ہوئے کہا۔

"تمہارے نزدیک شادی اور طلاق کی کوئی اہمیت ہی نہیں، بچوں کا کھیل سمجھ رکھا ہے تم نے اسے، یا پھر تمہارے نزدیک یہ بھی فیشن میں شامل ہے"

"اور آپکے پاس سوائے طنز و تشنیع کے اور کچھ نہیں ہے"

"میں حقیقت بیان کرتا ہوں گھر بسانا اور گھر اجاڑنا تم جیسی عورتوں کی ہابی ہوتی ہے کل کسی اور کی سیج سجا کر اُس غزنوی سے طلاق لی اب مجھ سے طلاق کا مطالبہ کرنا۔ چار دن کسی اور کی سیج سجا کر ٹھوکر مار کر چل دینا"

عارف فیضی نے تحقیر آمیز نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

اس قدر توہین! اتنی ذلت

شفق برداشت نہ کرسکی۔

"خدا کے لئے خاموش ہوجائیے، چپ ہوجائیے"

شفق نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔

"ہاں میں چپ ہوجاؤں اور تمہیں بولنے دوں"

"اتنی ذلت، اتنی توہین مجھ سے برداشت نہیں ہوسکتی"

"ہنہ، ذلت اور توہین، اپنی عزت کا تمہیں خود خیال نہیں"۔

عارف فیضی نے ایک نفرت بھری نگاہ اس پر ڈالی اور غصے سے اٹھ کر باہر چلے گئے۔

تھوڑی دیر بعد گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی۔

اس تمام وقفے میں شفق سر تھامے گم صم بیٹھی رہی۔

آنسو اس کی آنکھوں میں امنڈ تو آئے لیکن بہہ نہ سکے۔

دل جیسے زخموں سے چور چور ہوگیا تھا۔

عارف فیضی کے جملوں کی بازگشت تھی یا ہتھوڑے تھے جو اس کے دماغ پر برس رہے تھے۔

اس قدر تحقیر آمیز انداز اور اتنی نفرت بھری نگاہوں کا تو اس نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔

اس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ تھا وہ کیا کرے۔

اس کا دل چاہتا تھا کہ کوئی اس کے پاس ہوتا اس کے قریب ہوتا۔

اس کا اپنا بالکل اپنا، اس کا ہمدرد اس کا خیر خواہ جو اسے تسلی دیتا، اس کے زخموں پر مرہم رکھتا مگر ایسا کوئی نہیں تھا۔

عارف فیضی جاچکے تھے اور اگر وہ ہوتے بھی تو ان کے پاس اس کے لئے نہ تسلی کے دو بول ہوتے نہ ہمدردی کا کوئی جذبہ۔

یہ زخم انہی کے لگائے ہوئے تھے۔

ان کا اس وقت چلے جانا ہی اچھا تھا۔

اکیلے پن اور تنہائی کا احساس اسے سانپ بن کر ڈسنے لگا۔

اسے اپنا وجود سناٹوں کے گہرے غار میں بھٹکتا ہوا محسوس ہوا۔

اس نے تکیہ گھسیٹ کر اپنی گود میں رکھا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

شفق کی یہ تمام رات جاگتے اور روتے گزری۔

عارف فیضی بڑی رات گئے گھر آئے اور اس سے کوئی بات کئے بغیر دوسرے کمرے میں جاکر سوگئے۔

وہ یونیورسٹی نہیں گئی۔ ناشتہ بنانے کے لئے بھی نہیں اٹھی عارف فیضی نے خود چائے
بنا کر ناشتہ کیا اور کپڑے بدل کر آفس چلے گئے۔
دوپہر کو اس نے مسز رضوری کو فون کیا۔
"میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے اس لئے میں نہیں آسکتی" اس کا لہجہ، اس کی آواز
ایسی تھی کہ مسز رضوی کو تشویش ہو گئی۔
انہوں نے پوچھا۔
"کیوں شفق خیریت تو ہے؟"
"جی خیریت ہے"
باوجود کوشش کے وہ اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکی۔ ایک دبی سانس اس کے ہونٹوں سے
نکل گئی۔
"تمہاری آواز سے تو یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ خیریت ہے بتاؤ نا کیا پریشانی ہے"
"میں نے آپ کو بتایا نا کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے"
"طبیعت ٹھیک نہ ہونے کی علاوہ بھی کوئی اور بات ہے تم کچھ چھپا رہی ہوں"
شفق خاموش رہی۔
مسز رضوی نے پوچھا۔
"عارف ٹھیک ہیں"
"جی....."
"کوئی جھگڑا ہوا ہے ان سے"
"شفق خاموش رہی"
مسز رضوی کے دوبارہ پوچھنے پر وہ اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکی اس نے ضبط کرنے کی
بہت کوشش کی لیکن آنسو رک نہ سکے وہ ریسیور ہاتھ میں تھامے ہوئے پھوٹ پھوٹ کر
رونے لگی۔
مسز رضوی پریشان ہو گئیں دو ایک بار انہوں نے اس سے رونے کا سبب پوچھا اس کے
بعد انہیں کچھ پوچھنے کا موقع نہ مل سکا آفس میں کوئی دوسرے پروفیسر کسی کام سے آگئے۔
مسز رضوی نے بس یہی کہہ کر فون بند کر دیا کہ میں کلاسز ختم ہونے کے بعد تمہارے پاس
آؤں گی
دوپہر کو مسز رضوی آئیں تو شفق کا زرد چہرہ اور سوجی ہوئی آنکھیں دیکھ کر حیران رہ گئیں۔
انہوں نے دل میں سوچا۔
آخر ایسا کون سا اور کس بات پر جھگڑا ہو گیا ہے دونوں میں جو شفق نے اپنی ایسی حالت
بنالی ہے۔ شفق نے تو انہیں کچھ بتایا ہی نہیں تھا وہ یہی کہتی تھی کہ دونوں خوشگوار زندگی گزار

رہی ہیں
انہوں نے شفق سے پوچھا۔
پہلے تو شفق ٹالتی رہی اس نے کچھ بتا کر ہی نہ دیا۔ لیکن جب مسز رضوی نے ناراضگی کا
اظہار کیا تو اسے بتاتے ہی بن پڑی۔
اور ساری باتیں تو معمول کے مطابق تھیں۔ میاں بیوی کے درمیان لڑائی جھگڑے تو ہوا
کرتے ہیں کہیں کم کہیں زیادہ البتہ مسز رضوی کے نزدیک یہ بات قابل غور اور پریشان کن
تھی کہ عارف فیضی اسے اپنے گھر کیوں نہیں لے جانا چاہتے تھے۔ ایسی بات بھی نہیں تھی کہ
انہوں نے گھر والوں سے چھپ کر شادی کی ان کے گھر والے شادی میں شریک بھی ہوئے

انہیں معلوم نہیں کیوں؟ مسز رضوی کے ذہن میں خیال آیا۔
کہیں ایسا تو نہیں کہ عارف فیضی پہلے سے شادی شدہ ہوں۔ شفق سے انہوں نے یہ بات
چھپا رکھی ہو۔ یہ خیال آتے ہی انہیں پختہ یقین بھی ہو گیا انہوں نے شفق کے سامنے
جب اس خدشے کا اظہار کیا تو شفق بے ساختہ کہہ اٹھی۔
"نہیں، نہیں مسز رضوی"
"میں کسی نہ کسی کے ذریعے تمہیں معلوم کر کے بتاؤں گی"
مسز رضوی نے کہا۔
اور شفق گہری سوچوں میں ڈوب گئی۔
مسز رضوی شفق کو بہت تسلی دلاسے دے کر چلی گئیں۔ وہ اپنی ذلت اور توہین کو کچھ دیر کے
لئے بھول گئی اب تو اسے ایک نئی فکر اور نئی پریشانی لاحق ہو گئی تھی۔
وہ حیران تھی۔ اب سے پہلے اس بات کا خیال کیوں نہیں آیا۔ اس کا دھیان اس طرف
کیوں نہیں گیا۔ عارف فیضی شادی شدہ بھی ہو سکتے ہیں اس نے تو کبھی ان کے بارے میں
جاننے یا کچھ کریدنے کی کوشش ہی نہیں کی۔
عارف فیضی جو کچھ اور جیسے نظر آتے تھے، شفق نے انہیں ویسا ہی سمجھ لیا۔
بہروپ کے چکر میں الجھنے کی اس نے کبھی کوشش ہی نہیں کی۔
اس نے تو یہ سمجھ لیا تھا کہ عارف فیضی کا ظاہر و باطن ایک ہی ہو گا۔
عارف فیضی نے اپنے بارے میں شفق کو جو کچھ بتایا تھا شفق نے آنکھیں بند کر کے اسے
اور سچ مان لیا تھا اس نے تو کبھی بھول کر بھی یہ نہیں سوچا تھا کہ عارف فیضی اپنی ذات پر
کئی پردے چڑھا سکتے ہیں۔
کس قدر اندھا اعتماد کیا تھا شفق نے ان پر۔
اور تو یہ تھی کہ خود عارف فیضی، شائستہ اور ان کی امی سبھی شفق کو اپنے گھر لے جانے

سے کتراتے رہے۔
عارف فیضی ہر موقع پر ایک نئے سے نیا بہانہ ڈھونڈتے رہے اسے اپنے گھر والوں سے دور رکھنے کی کوشش کرتے رہے پھر بھی شفق کے وہم وگمان میں یہ بات نہیں آئی کہ ایسا بھی ممکن ہے۔
اور آج جب سے مسز رضوی اپنے خدشے کا اظہار کر کے گئی تھیں وہ سوچے جا رہی تھی۔
میں اب تک کیسے طلسم میں گھری ہوئی تھی؟
عارف فیضی کی شخصیت کے سحر میں کچھ اس طرح الجھی کہ ان کے متعلق کسی بدگمانی کی وہم کو اپنے دل ودماغ میں جگہ ہی نہ دے سکی۔
اس کا دل چاہتا تھا کہ عارف فیضی کے گھر واپس آنے پر وہ ان کے سامنے اپنے خدشے کا اظہار کرے۔
ان سے پوچھے کہ اگر وہ شادی شدہ تھے تو انہیں اس سے شادی کرنے کی کیا ضرورت تھی؟
اور اگر شادی کرنی ہی تھی تو اس سے اپنی بیوی کے بارے میں چھپانے کی کیا ضرورت تھی؟
پے در پے سوالات تھے جو شفق کے ذہن میں آئے جا رہے تھے۔ اور وہ عارف فیضی سے یہ سب کچھ پوچھنا بھی چاہتی تھی لیکن۔
لیکن ذہن کے جانے کس گوشے سے آواز آئی۔
تم عارف فیضی سے یہ سب کچھ پوچھو گی؟
پوچھ بھی سکو گی تم ان سے یہ سب کچھ؟
اتنی ہمت اتنا حوصلہ ہے تم میں؟
کچھ اندازہ بھی ہے تمہیں؟
تم خود کتنے پانی میں ہو؟
تم اگر عارف فیضی سے یہ پوچھو گی کہ اگر وہ پہلے سے شادی شدہ تھے تو انہیں تم سے شادی کرنے کی کیا ضرورت تھی...... جواب میں طعنے کے طور پر وہ خود یہ نہیں کہیں گے کہ خود کون سی کنواری تھیں تم بھی تو شادی شدہ تھیں۔
بالفرض اگر تمہارا شوہر تمہاری پسند اور تمہاری مرضی کے مطابق نہیں تھا، بالفرض تمہارے اس کا سلوک تمہارے ساتھ اچھا نہیں تھا تب بھی تم نے شریف عورتوں کی طرح اس کے ساتھ نباہ کیوں نہ کر لیا؟
تم کیوں اسے ٹھوکر مار کر میری سیج سجانے چلی آئیں۔
وہ متذبذب ہو گئی۔ عارف فیضی سے کچھ پوچھے یا نہ پوچھے؟

پوچھنے کی صورت میں سوائے طنز و تشنیع کے اس کے حصے میں اور کچھ نہ آتا۔ اور خاموش رہنے کی صورت میں اس کے دل و دماغ پر ایک بوجھ سا رہتا۔ وہ سوچ سوچ کر پاگل ہو جاتی، جلتی، کڑھتی اور اپنی ہی صحت کا ستیاناس کرتی۔
خدایا میں کیا کروں؟ تو ہی مجھے کوئی راستہ دکھا۔
یا تو مجھ میں عارف فیضی کے طنز و طعنوں کو سہنے کا حوصلہ پیدا کر دے۔ یا پھر مجھے صبر دے دے۔
کبھی کبھی لگتا وہ سوچتی تھی کہ مسز رضوی کی بات پر یقین نہ کرے۔ ضروری تو نہیں کہ ان کی بات درست ہی ہو اور انہوں نے کون سی صحیح معلومات کر کے یہ بات اس سے کہی تھی۔
محض اپنے خدشے کا اظہار ہی تو کیا تھا ان کا خدشہ غلط بھی تو ثابت ہو سکتا تھا۔
لیکن دل سے بار بار یہ آواز آ رہی تھی۔ نہیں۔ یہ جھوٹ نہیں ہو سکتا یہ سچ ہے.... سچ ہی ہو گا۔
عارف فیضی کے گھر آنے تک بمشکل تمام شفق نے اپنے آپ کو سمجھا بجھا کر اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ فی الحال اپنی زبان بند ہی رکھے گی۔
نہ وہ ان سے کچھ پوچھے گی نہ کچھ کہے گی۔
عارف فیضی گھر آئے تو شفق اسی طرح منہ، سر لپیٹے پڑی تھی نہ اس نے کپڑے بدلے نہ بال سنوارے تھے نہ کھانا پکایا تھا۔ باورچی خانے میں جھوٹے برتنوں پر مکھیاں بھنک رہی تھیں۔
شفق نے جس قیامت کی رات کاٹی تھی اور آج تمام دن وہ جس ذہنی کرب اور اذیت سے گزری تھی اس کے بعد اس کا کیا سوال پیدا ہوتا تھا کہ کسی کام میں اس کا دل لگتا۔ وہ بکھری ہوئی چیزیں سمیٹتی یا کھانا پکاتی اس نے تو مسز رضوی کے آنے تک ایک کپ چائے کا بھی نہیں پیا تھا۔ بیچاری مسز رضوی نے ہی اس سے پوچھ پوچھ کر چائے کا سامان تلاش کر کے چائے بنائی تو ان کے بہت اصرار پر اس نے دو، تین بسکٹوں کے ساتھ ایک کپ چائے پی، ان کے جانے کے بعد سے وہ ایک نئی سوچ اور ایک نئے اندیشے کو دل میں جگہ دے کر سوچوں میں گھری ہوئی تھی۔
عارف فیضی کا خیال تھا کہ ہمیشہ کی طرح اس بار بھی شفق نے اپنا موڈ درست کر لیا ہو گا اور پچھلے روز کے جھگڑے کو فراموش کر کے یا پھر سہہ کر اب تک ٹھیک ہو چکی ہو گی۔
آفس میں فرصت کے وقت میں بیٹھ کر انہوں نے سوچا تو انہیں احساس ہوا کہ گزشتہ روز ان کا لہجہ کچھ زیادہ ہی تلخ ہو گیا تھا۔ وہ کچھ زیادہ ہی طنزیہ باتیں کر گئے۔
انہوں نے دل ہی دل میں سوچا وہ گھر جا کر شفق کو منا لیں گے اس سے اپنے سخت رویئے کی معافی بھی مانگ لیں گے لیکن جب وہ گھر پہنچے تو شفق کو منہ لپیٹے اور بکھری ہوئی چیزوں کو

دیکھ کر ان کا موڈ پھر بگڑنے لگا شفق نے ان کے آنے سے پہلے ہی دروازہ کھول دیا تھا۔ تاکہ عارف فیضی کے آنے پر اسے اٹھنا نہ پڑے۔ عارف فیضی کو چائے کی شدید طلب محسوس ہو رہی تھی۔ لیکن ہر روز کی طرح انہیں میز پر چائے تو کیا تیار ملتی' البتہ جھوٹے برتن پڑے بھنک رہے تھے۔

وہ باورچی خانے میں گئے تو وہاں بھی ٹھنڈا چولہا اور اجاڑ حالت دیکھ کر ان کا موڈ خراب ہو گیا۔ انہوں نے غصے میں دو تین پتیلیوں کے ڈھکن کھول کر دیکھے اور پھر بے حد چڑ کر بڑبڑائے۔

"ہنہ اس عورت نے مارے غصے کے کھانا بھی نہیں پکایا۔ دماغ درست کر کے رکھ دوں گا۔ آخر اس نے سمجھ کیا رکھا ہے اپنے آپ کو؟" عارف فیضی نے راستے میں پڑی ہوئی پیڑھی کو ایک ٹھوکر مار کر دور پھینکا اور غصے میں بھرے ہوئے شفق کے پاس آئے۔

"یہ ڈرامہ بازی کہیں اور جا کر کرو۔" انہوں نے گرج کر کہا۔

شفق اسی طرح کروٹ لئے' منہ لپیٹے پڑی رہی۔

عارف فیضی نے اسے جھنجوڑتے ہوئے کہا۔

"یہ نخرے اور چونچلے میرے ساتھ نہیں چلیں گے۔ وہ غزنوی ہی بیوقوف تھا۔ جس نے تمہاری ہر بیجا بات سن کر تمہارا دماغ ساتویں آسمان تک پہنچا دیا۔"

عارف فیضی نے جس بری طرح جھنجوڑ کر شفق کا رخ اپنی سمت کیا تھا اس کے بعد اس نے اٹھ جانے ہی میں اپنی عافیت سمجھی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ تو گئی لیکن اس نے عارف فیضی کی طرف دیکھا نہیں۔ نظریں جھکائے فرش کو تکتی رہی۔ عارف فیضی نے کھنکھار کر پوچھا۔

"میں پوچھتا ہوں... آخر گھر میں کھانا کیوں نہیں پکا؟"

"میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔" شفق نے مدہم اور سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

اس سے پہلے اس نے عارف فیضی کو اس قدر غصے میں نہیں دیکھا تھا۔

"منہ' سر لپیٹ کر دن رات پلنگ توڑو گی تو صحت خراب ہی ہو گی۔ ٹھیک نہیں ہو گی۔"

شفق نے ایک دبی ہوئی سانس لی لیکن کوئی جواب نہیں دیا۔

اس کے پاس اس آدمی سے کہنے کے لئے کچھ نہیں تھا جو بات بات پر طنز کے تیر برساتا تھا۔

اس کی خاموشی پر عارف فیضی بجائے نرم پڑنے کے اور بھڑک اٹھے اور بولے۔

"اس گھر میں کوئی مر نہیں گیا ہے جو تم نے چولہا ٹھنڈا کر رکھا ہے"۔

شفق نے بڑے افسوس سے سوچا۔

اُفوہ! یہ شخص جو پڑھا لکھا ہے' شاعر ہے' ادیب ہے اس کا انداز گفتگو یہ ہے۔ اسے حیرت ہو رہی تھی اس گھٹیا انداز گفتگو پر۔

لیکن وہ کیا کرتی۔ بات کرنا تو درکنار' شفق کا تو یہ بھی دل نہیں چاہتا تھا کہ وہ نگاہ اٹھا کر اس کی طرف دیکھے وہ اسی طرح بیٹھی رہی۔

عارف فیضی نے ایک بار پھر اسے کندھوں سے پکڑ کر جھنجوڑ دیا اور چڑے ہوئے لہجے میں بولے۔

"اپنے آپ کو سمجھاؤ شفق بیگم! درست کر لو اپنی عادتیں ایسا نہ ہو کہ مجھے تمہارے وجود سے بھی نفرت ہو جائے۔"

شفق نے دل ہی دل میں سوچا۔

تو اب کون سی محبت ہے آپ کو مجھ سے؟ جن سے محبت ہوتی ہے ان کے ساتھ بغیر کسی وجہ کے یہ سلوک روا نہیں رکھتے۔ طنز کے تیروں سے ان کا جگر چھلنی نہیں کرتے۔ اور پھر بات ہی کیا تھی جس کا آپ نے بتنگڑ بنا دیا۔ بات صرف اتنی سی تھی نا کہ آپ شائستہ کی منگنی کے موقعہ پر بھی مجھے اپنے گھر نہیں لے جانا چاہتے۔ ہر دفعہ کوئی نہ کوئی بہانہ بنا دیتے ہیں' نہ لے جانے کا اصل سبب نہیں بتاتے۔ اور آپ بتا بھی کیسے سکتے ہیں؟ حقیقت تو یقیناً وہی ہو گی جو مسز رضوی نے بتائی ہے۔

شفق اپنی ہی سوچوں میں ڈوبی بیٹھی تھی اور عارف فیضی کا غصہ بھی اپنی انتہا کو پہنچ گیا تھا۔ ایک دم ہی ان کی قوت برداشت نے بالکل جواب دے دیا۔

ان کا ہاتھ اٹھا اور شفق کے رخسار پر اپنی انگلیوں کے نشان چھوڑ گیا۔

شفق اس اچانک حادثے کے لئے تو بالکل ہی تیار نہیں تھی۔ اس نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ نوبت ایک دن یہاں تک پہنچ جائے گی۔

عارف فیضی کا تھپڑ شفق کے دماغ کو سن کر گیا۔ چند لمحوں کے لئے تو ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سلب ہو گئی ہو۔ رات سے بھوکی پیاسی تھی سر چکرا کر رہ گیا۔ آنکھوں کے سامنے تارے ناچ گئے۔ جب ہوش و حواس کچھ درست ہوئے تو مارے رنج اور غصے کے وہ بالکل پاگل سی ہو گئی۔

بڑی عجیب کیفیت تھی اس وقت اس کی۔ آنکھوں میں نمی تو اتر آئی تھی.... لیکن آنسو پلکوں کی حد توڑ کر آگے نہیں بڑھے تھے۔

مارے غصے کے وہ کانپنے لگی اور پھر بپھری ہوئی شیرنی کی طرح اٹھ کھڑی ہوئی اور عارف فیضی پر ایک نفرت بھری نگاہ ڈالی اور کہا۔

"آپ نے کیا سوچ کر مجھ پر ہاتھ اٹھایا ہے؟ میں آپ کی لونڈی یا باندی ہوں؟"

عارف فیضی نے طنز اور حقارت سے کہا۔

"ہنہ! لونڈی یا باندی؟ تم تو کسی کی لونڈی یا باندی بننے کے قابل بھی نہیں ہو۔"

اس کے بعد شفق کے لئے عارف فیضی کے سامنے کھڑا ہونا دشوار ہو گیا۔

وہ نہیں جانتی تھی کہ اگر چند منٹ اور وہ وہاں کھڑی رہی تو مارے غصے کے وہ کیا کر بیٹھے گی۔ وہ دوسرے کمرے میں چلی گئی اور دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

چند منٹ تک وہ دونوں ہاتھوں میں سر تھامے گم صم سی بیٹھی رہی۔ پچھلے چند منٹ میں جو قیامت اس پر گزر گئی تھی اس کا تو اسے وہم و گمان بھی نہیں تھا۔

اس قدر ذلت اتنی توہین۔

اس نے تو کبھی اپنے ماں' باپ سے بھی تھپڑ نہیں کھایا تھا۔

اور غزنوی۔ اف خدایا! اس انسان کے بارے میں سوچتے ہوئے بھی شفق کے دل و دماغ کو ایک ناقابل بیان کرب اور تکلیف کا احساس ہو رہا تھا کہ اس نے تو ایک ہیرے کو ٹھکرا دیا تھا۔ وہ تو ایک پھولوں بھری وادی کو ٹھکرا کر خاردار وادی میں آ پھنسی تھی۔ کتنی نادان تھی وہ اور کتنی ناسمجھ؟

آج سے پہلے اسے غزنوی اتنی شدت سے نہیں یاد آئے تھے۔

اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ چیخیں مار مار کر روئے۔

دیواروں دروازوں سے سر ٹکرا ٹکرا کر اپنے آپ کو لہولہان کر لے۔

ختم کر ڈالے اپنے آپ کو! کسی تیز دھار چھری سے اپنا گلا کاٹ لے

یا اپنے کپڑوں پر مٹی کا تیل چھڑک کر اپنے آپ کو آگ لگا دے۔

بھسم کر ڈالے اپنے آپ کو۔

کچھ کھا کر ہمیشہ کے لئے سو رہے۔

وہ دیوانوں کی طرح کمرے میں چاروں طرف دیکھ رہی تھی کچھ تو مل جائے اسے۔ اس کمرے سے اب اس کی لاش ہی نکلے۔

اور پھر اس نے دونوں ہاتھوں میں اپنا چہرہ چھپا لیا۔ اور پھوٹ پھوٹ کر بلک بلک کر رونے لگی۔

اتنے آنسو بہائے اس نے' اس قدر روئی کہ شاید اپنی زندگی میں اتنا کبھی نہیں روئی ہو گی۔

خوب رو لینے سے اس کے دل کا بوجھ کچھ ہلکا ہوا اس اثناء میں عارف فیضی گھر سے جا چکے تھے۔

شفق نے اٹھ کر دروازہ کھولا اور منہ ہاتھ دھو کر فرج سے گزشتہ روز کا رکھا ہوا سالن نکالا روٹی پکانے کی اس میں ہمت نہیں تھی ڈبل روٹی سے ہی سالن کھا لیا۔ گزشتہ رات سے اس نے کچھ نہیں کھایا تھا تھوڑا سا کھانا کھا کر جسم میں جان آئی تو اس نے دل نہ چاہتے ہوئے بھی بکھری ہوئی چیزیں سمیٹیں۔ باورچی خانے کی صفائی کی سب کاموں سے فرصت پا کر بستر پر آئی تو پھر اس کے دماغ پر سوچوں کی یلغار تھی۔

اس نے گزشتہ دو روز کے واقعات کا جائزہ لیا تو اسے اپنا قصور اس سے زیادہ تو بالکل بھی نظر نہیں آیا کہ اس نے شائستہ کی منگنی میں شرکت کی خاطر ان سے ذرا سی بحث کر لی تھی۔

کوئی بے جا بات تو نہیں کی تھی اس نے۔

عارف فیضی کو یہ زیب دیتا تھا کہ اتنی ذرا سی بات کا بتنگڑ بنا کر وہ پچھلی زندگی کے طعنے دے دے کر اس کا جگر چھلنی کر دیتے؟

اپنی بے بسی پر شفق کی پلکیں ہر بار بھیگ جاتی تھیں۔

ایک وہ شخص تھا جو نہ ناراض ہوتا تھا نہ کسی بات پر جھڑکتا تھا نہ طعنے دیتا تھا۔

کون سا طعنہ تھا جو اس نے اسے نہیں دیا تھا۔

مگر

شفق نے سوچا۔

اب یہ آدمی چاہے جیسا بھی ہو گزارا تو اسی کے ساتھ کرنا ہے' اچھی گزرے' بری گزرے برداشت تو کرنا ہے۔

کیونکہ بقول اس کے اور کہاں ٹھکانہ ہے میرا؟

اور کون سا در ہے میرا۔ جہاں جا سکتی ہوں؟

عارف فیضی اس روز بھی بہت رات گئے گھر آئے اور شفق سے کوئی بات کئے بغیر دوسرے کمرے میں جا کر سو گئے۔ شفق گزشتہ پوری رات کی جاگی ہوئی تھی کچھ دیر تک آنسوؤں سے اس کا تکیہ بھیگتا رہا آخر کار وہ بھی سو ہی گئی۔

یہ پہلا موقع تھا کہ شفق اور عارف فیضی کے درمیان چار پانچ روز تک بالکل بات نہیں ہوئی ورنہ اس سے پہلے تو صرف چند گھنٹوں بعد یا پھر دوسرے دن ان دونوں کے درمیان صلح ہو جاتی تھی۔

لیکن آخر کب تک صلح نہ ہوتی اور پھر شفق کے لئے ان سے صلح کئے بغیر چارہ کار بھی نہ تھا۔

عارف فیضی غصہ اتر جانے کے بعد صلح کرنے کے موڈ میں تھے اور شفق کو اب ہر کام ان کی مرضی کے مطابق کرنا تھا۔

دونوں کے درمیان صلح تو بے شک ہو گئی لیکن شفق کو اب اپنے اور عارف فیضی کے درمیان بہت فاصلے محسوس ہوتے تھے۔

اس کے دل میں دراڑ سی پڑ گئی تھی۔

شیشے میں بال آ گیا تھا۔

وہ چاہتی تو یہی تھی کہ عارف فیضی کے ناروا سلوک کو بھول جائے۔

اس کے دل میں ان کے لئے پھر وہی عزت اور وہی محبت پیدا ہو جائے۔

لیکن اب وہ اپنے آپ کو اس معاملے میں بہت بے بس محسوس کرتی تھی۔
دیوار میں پڑی ہوئی دراڑ کو پر کرنا اسے بہت دشوار نظر آتا تھا۔
وہ جانتی تھی کہ شیشے میں آیا ہوا بال اب کبھی جا نہیں سکے گا۔
اس کے بعد دن یونہی گزرتے رہے بے کیف بدمزہ' کم از کم شفق کو ایسا ہی محسوس ہوتا تھا۔
اس دوران شائستہ کی منگنی ہوگئی۔
عارف فیضی اکیلے ہی منگنی میں شریک ہوئے۔ شفق نے اس موضوع پر اب ان سے کبھی بات نہ کرنے کا عہد کرلیا تھا۔
لیکن ایک روز جب عارف فیضی شام کو بڑی عجلت میں تیار ہو کر کہیں چلے گئے تو ان کی جیب سے گرے ہوئے ایک مڑے تڑے لفافے پر شفق کی نگاہ پڑ گئی شفق نے لفافہ اٹھا کر پہلے تو دیکھے بغیر ہی ڈریسنگ ٹیبل پر ڈال دیا پھر نہ جانے اس کے دل میں کیا آئی کہ لفافے کو پھیلا کر دیکھا۔ ٹوٹی پھوٹی سی تحریر میں عارف فیضی کا نام اور ان کے آفس کا پتہ لکھا تھا۔ شفق کے ذہن میں تو مسز رضوی کی بات بیٹھ گئی تھی اس نے متجسس ہو کر لفافے میں سے خط نکال لیا۔ خط کے القاب پر نگاہ ڈالنے کے بعد مزید کچھ پڑھنے کی ضرورت تو نہیں تھی۔ لیکن پھر بھی شفق نے سارا خط پڑھ ڈالا۔
عارف فیضی کی بیٹی کا خط تھا بہت بچکانہ اور معصوم سا خط۔ کئی مہینے سے لاہور نہ آنے کا شکوہ تھا دو ایک چیزوں کی فرمائش تھی۔ اپنے بڑے اور چھوٹے بھائیوں کی شکائتیں تھیں کچھ اپنی ماں کا ذکر تھا۔ خط کے مضمون سے ہی اندازہ ہوتا تھا کہ کوئی بہت چھوٹی بچی ہے بعض الفاظ کے صحیح ہجے بھی نہیں تھے۔
خط پڑھ کر شفق بڑی دیر تک ایک ہاتھ سے پیشانی کو دبائے گم صم بیٹھی رہی۔ پھر اس کے ہونٹوں پر ایک طنزیہ سی مسکراہٹ بکھر گئی۔
ہنہ! میں تو بہت بری' بہت بدکردار عورت ہوں' بقول آپ کے ایک مرد کو ٹھوکر مار کر آپ کی سیج سجانے چلی آئی ہوں۔ کل آپ کی سیج پر بھی لات مار کر کوئی اور ٹھکانہ تلاش کرلوں گی۔
لیکن آپ! عارف فیضی صاحب! آپ خود کتنے پانی میں ہیں؟ کبھی یہ بھی سوچا؟
اور میں' میں سوچتی ہوں مجھے کیا ہوگیا تھا۔
اب اگر مجھے احساس ہوا ہے تو اس کا حاصل؟
اب اگر میری نگاہوں کے سامنے سے پردے ہٹے بھی ہیں تو اس کا فائدہ؟
اب اگر میری عقل پر پڑے ہوئے پردے سرکے بھی ہیں تو کیا ہوا؟
وقت کی ڈور تو ہاتھ سے چھوٹ چکی ہے۔

اپنی عزت' اپنی نیک نامی اپنا وقار سب کچھ تو میں کھو چکی۔
اب باقی کیا بچا ہے میرے پاس؟
عزیز رشتے دار' مجھے چاہنے والے' نازبرداریاں کرنے والے سب تو چھوٹ گئے۔
کتنے بڑے بہروپیئے ہیں آپ' عارف فیضی صاحب! روپ بہروپ کے چکر میں پڑ کر میں کتنا بڑا دھوکہ کھا بیٹی۔
کس قدر بلندیوں پر جگہ دے دی تھی میں نے آپ کو؟
مگر اب میں سوچتی ہوں کہ آپ ان بلندیوں کے مستحق تو تھے ہی نہیں۔
جو ان بلندیوں اس اونچے مقام کا مستحق تھا اس کو میں اپنے دل میں بھی جگہ نہیں دے سکی۔
شفق نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور سوچنے لگی۔
سمجھ میں نہیں آتا۔ اب اگلا قدم کس طرح اٹھاؤں؟
عارف فیضی کو آئینہ دکھاؤں یا نہ دکھاؤں۔
یہ خط جس نے ان کے چہرے سے جھوٹ کی نقاب اتار پھینکی ہے انہیں دکھاؤں یا نہ دکھاؤں؟
کہیں ایسا نہ ہو اپنے آپ کو بے نقاب دیکھ کر وہ بپھر اٹھیں۔ ابھی تو مجھ پر صرف ان کا ہاتھ ہی اٹھا ہے اب کہیں پکڑ کر گھر سے باہر ہی نہ نکال دیں۔
پھر کہاں جاؤں گی میں؟
میرا کوئی ٹھکانہ ہے ہی کہاں؟
شفق نے خط لفافے میں رکھ کر وہیں ڈریسنگ ٹیبل پر ڈال دیا۔
عارف فیضی واپس آئے تو شفق نے کچھ دیر گزرنے کے بعد۔ جب وہ بہت اچھے موڈ میں گفتگو کر رہے تھے اس کا ذکر کردیا۔
"آج شام آپ کی جیب سے ایک لفافہ گر گیا تھا۔"
"کیسا لفافہ؟" عارف فیضی ایک دم چونک گئے۔
شفق نے ان کی بات کا جواب دیئے بغیر اٹھ کر ڈریسنگ ٹیبل پر برش کے نیچے دبا ہوا لفافہ اٹھایا اور لا کر ان کی طرف بڑھا دیا۔
عارف فیضی نے دوہرے لفافے کو سیدھا کیا اور پھر ہینڈ رائٹنگ پر نظر پڑتے ہی ان کے چہرے کا رنگ متغیر ہوگیا۔ دو ایک منٹ تک تو وہ لفافہ ہاتھ میں تھامے نظریں نیچے کئے خاموش بیٹھے رہے پھر کچھ مدہم آواز میں بولے۔
"پڑھا تو ہوگا تم نے یہ خط؟"
ان کے پوچھنے کا انداز کچھ ایسا تھا جیسے انہیں ایک آس ایک امید سی ہو کہ شفق نے وہ خط

نہیں پڑھا ہوگا۔
شفق نے سوچا۔
ہنہ مجھے کیا ضرورت پڑی ہے جو میں جھوٹ بولوں۔
شادی کے بعد آج پہلی مرتبہ تو وہ اس شخص کا سر اپنے سامنے جھکا ہوا دیکھ رہی تھی۔
وہ جو اپنے چہرے پر ملمع چڑھائے کل تک اسے دھوکہ دیتا چلا آیا تھا' آخر وہ اسے آئینے میں اس کی اصل شکل کیوں نہ دکھاتی؟
عارف فیضی کی بات سن کر شفق نے بڑے سکون سے کہا۔
"میں شاید یہ خط نہ پڑھتی' مجھے دوسروں کے خط پڑھنے کی عادت نہیں ہے لیکن..."
وہ ایک سیکنڈ کے لئے رکی تو عارف فیضی نے بہت متجسس ہو کر پوچھا۔
"لیکن...؟"
"اپنے ایک شبے' ایک واہمے' ایک خیال کو یقین میں بدلنا تھا۔" اس نے بڑی رسانیت سے کہا۔
"کیسا شبہ؟"
"میں سوچتی تھی آخر ایسی کون سی وجہ' کون سی مجبوری ہے جو آپ شائستہ اور امی جان سے ملانے کے لئے مجھے لاہور لے کر نہیں جاتے۔"
شفق نے مسز رضوی کا ذکر کرنا مناسب نہ سمجھا ورنہ حقیقت تو یہ تھی کہ اس شبے کا اظہار انہوں نے ہی کیا تھا۔ اس طرف تو اس کا دھیان بھی نہیں گیا تھا۔
شفق نے انہیں خاموش پا کر کہا۔
"اگر میرے دل میں ایسا کوئی خیال نہ ہوتا تو میں لفافے پر ایک سرسری نگاہ ڈال کر رکھ دیتی۔ خط نکال کر ہرگز نہ پڑھتی۔"
کچھ دیر خاموشی کے بعد عارف فیضی نے کہا۔
"تو گویا تم نے یہ خط پڑھ لیا ہے"۔
"جی! میں اقرار تو کر چکی ہوں۔"
عارف فیضی خاموش رہے تو شفق نے کہا۔
"لیکن میں آپ سے ایک بات پوچھتی ہوں۔"
پوچھو؟"
آپ نے مجھ سے یہ بات چھپائی کیوں؟"
"بس! میں نے تمہیں بتانا مناسب نہیں سمجھا۔"
"کوئی مصلحت ہوگی۔"
شفق کے ہونٹوں پر طنزیہ سی مسکراہٹ تھی۔ عارف فیضی تو اس سے نگاہ ملا کر بات بھی

یں کر رہے تھے۔ پھر وہ اس کے ہونٹوں پر بکھری ہوئی طنزیہ مسکراہٹ کو کیسے دیکھتے؟
ق نے کہا۔
"حالانکہ اگر آپ مجھے یہ سب کچھ بتا دیتے تب بھی کیا فرق پڑتا۔ میں آپ کے سامنے یہ
البہ تو ہرگز نہ رکھتی کہ آپ اگر مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہیں تو ان خاتون کو چھوڑ دیں۔"
عارف فیضی کچھ نہیں بولے۔
شفق نے ایک دبی ہوئی سانس لے کر کہا۔
"میں خود سہارے کی تلاش میں تھی' میں تو خود متزلزل تھی ایسی حالت میں لوگ گرتی
ی دیوار کا سہارا بھی لے لیتے ہیں۔ پھر میں بھلا آپ سے یہ مطالبہ کیسے کرتی کہ آپ مجھے
نے کے لئے ایک عورت کو چھوڑ دیں"۔
شفق کی اتنی ساری باتوں کے جواب میں بھی عارف فیضی خاموش ہی رہے تو شفق کچھ چڑ
بولی۔
"جواب نہیں دے رہے ہیں آپ میری بات کا' کون سی مصلحت تھی اس بات کو راز
ے میں؟"
عارف فیضی کچھ کھسیانے ہو کر بولے۔
"بھئی اصل میں عورتیں بڑی جذباتی ہوتی ہیں نا' یہ بھی تو ممکن تھا کہ اگر میں تمہیں یہ
کچھ بتا دیتا تو تم یہ سوچ کر انکار ہی کر دیتیں کہ کہیں تم اپنی ہی صنف کی ایک عورت پر
و نہیں کر رہی ہو؟"
شفق ان کی بات سن کر ایک دم ہنس پڑی اور بولی۔
"اور آپ اس وقت بہر صورت مجھے حاصل کر لینا چاہتے تھے۔"
کی ہنسی میں کتنا گہرا تمسخر اور طنز تھا۔
ارف فیضی دھیان ہی نہ دے سکے۔
یسے اگر وہ اس بات سے انکار کرتے تب بھی کیا فرق پڑتا تھا۔
رتے ہوئے وقت اور حالات نے خود ہی حقیقت کو بے نقاب کر دیا تھا۔
ق نے اس موضوع پر پھر ان سے کوئی بات نہیں کی وہ اٹھ کر اپنے کاموں میں لگ گئی'
استری کر کے باورچی خانے کی بکھری ہوئی چیزیں سمیٹ کر جب وہ سونے کے لئے آئی
ف فیضی بظاہر کوئی میگزین پڑھ رہے تھے لیکن شفق اچھی طرح جانتی تھی کہ اس وقت
رف نہیں پڑھ رہے ہوں گے۔
ی کے اتنے بڑے راز پر سے پردہ اٹھ گیا تو پھر بھلا یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ بے سکون نہ
ر بعد انہوں نے میگزین سائیڈ ٹیبل پر ڈال کر آنکھیں بند کر لیں۔

شفق نے بھی ٹیوب لائٹ بجھادی نائٹ بلب روشن کردیا اور اپنے بستر پر آ گئی۔
اب یہ الگ بات تھی کہ نیند دونوں کو ہی نہیں آ رہی تھی۔
دماغ میں جب سوچوں کے در کھلے ہوں تو نیند کہاں آسکتی تھی۔
یہ الگ بات تھی کہ دونوں کی سوچیں۔ جدا جدا تھیں۔
عارف فیضی دل ہی دل میں اس وقت کو کوس رہے تھے جب عجلت میں انہوں نے آفس ٹیبل سے دو ایک ضروری خطوط کے ساتھ وہ خط بھی اٹھالیا تھا حالانکہ اس معاملے میں وہ بڑے محتاط رہتے تھے مگر ہونے والی بات تھی سو ہو کر رہی۔
ان کے راز پر سے پردہ کیا اٹھا تھا کہ انہیں اپنے دماغ پر منوں بوجھ سا محسوس ہو رہا تھا۔
اور شفق کو آج بڑی شدت سے پچھتاووں نے آگھیرا تھا۔
آنکھوں میں بار بار نمی سی اتر آ رہی تھی۔
آنسوؤں کی دھند میں وہ سارے چہرے' وہ ساری صورتیں نظر آ رہی تھیں جو اب اس سے بہت دور ہو چکی تھیں۔
آج اسے احساس ہو رہا تھا کہ زندگی میں کتنی بڑی ٹھوکر کھا بیٹھی ہے۔ ایسی ٹھوکر کہ اب سنبھلنا ممکن ہی نہیں تھا۔
دوسرے روز شفق نے مسز رضوی سے کہا۔
"آپ کا خیال درست تھا مسز رضوی! عارف کی بیوی بچے موجود ہیں۔"
"میں تو تمہاری بات سنتے ہی کھٹکی تھی کہ آخر عارف تمہیں لاہور لے جانے سے کیوں کتراتے ہیں؟"
پھر انہوں نے پوچھا۔
"لیکن اس بات کی تصدیق کس طرح ہوئی؟"
شفق نے گزشتہ شام عارف فیضی کی جیب سے گر جانے والے خط کا تذکرہ کیا تو مسز رضوی مسکرا کر بولیں۔
"حقیقت ایک نہ ایک دن بے نقاب ہو کر رہتی ہے۔ جھوٹ پر بہت زیادہ عرصہ تک پردہ نہیں پڑا رہ سکتا۔"
پھر انہوں نے شفق کو سمجھاتے ہوئے کہا۔
"لیکن اب تم عقل اور سمجھ سے کام لینا' کیا ہوا جو ان کی بیوی بچے موجود ہیں' عورت کو ہر حال میں سکون سے زندگی گزارنے کی کوشش کرنی چاہئے ہر موقع پر برداشت اور تحمل سے کام لینا چاہئے۔"
شفق سر جھکائے خاموش بیٹھی رہی۔
مسز رضوی نے کہا۔

"تم زندگی میں پہلے ہی بہت بڑی غلطی کر چکی ہو۔ اب کوئی اور غلطی نہ کرنا۔"
شفق نے سوچا۔
زندگی میں کی ہوئی بہت بڑی غلطی کا خمیازہ ہی تو بھگت رہی ہوں۔
پھر شفق کے شب و روز بڑے سپاٹ سے انداز میں گزرنے لگے۔
اب شفق عارف فیضی سے کچھ کہتی ہی نہیں تھی۔
سچ تو یہ تھا کہ اب اس کا دل ہی نہیں چاہتا تھا کہ وہ عارف فیضی سے بات کرے یا ان کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھے لیکن ان سے بات کئے بغیر گزارہ بھی نہیں تھا۔
مجبوری کی ایک سل تھی جو وہ اپنے سینے پہ رکھے ہوئے تھی۔
اتنا وزن' اتنا بوجھ محسوس ہوتا تھا کہ ہر لمحے اسے اپنی سانس رکتی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔ دم گھٹتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔

ناول کا چوتھا حصہ

لُوندا

جو ساگر تھی
وُہ دریا ہوئی
پھر بادل بنی
اور لُوند رہی

عارف فیضی کے چہرے پر کچھ دنوں تک تو ندامت اور پشیمانی کا دھواں اڑتا رہا۔
کچھ دنوں ان کا سر جھکا رہا۔
اس کے بعد ان کے وہی شب و روز تھے۔
وہی مزاج کا تیکھا پن تھا۔
وہی من مانی حرکتیں تھیں۔
شفق کو اپنے سینے میں ایک الاؤ سا دہکتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔
دماغ میں ایک لاوا سا پکتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔
ایسے میں اس کا کتنا دل چاہتا تھا کہ کوئی اس کا اپنا ہوتا۔ بالکل اپنا جس کے سامنے رو رو کر اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر سکتی۔
عارف فیضی کے ہاتھوں کھائے ہوئے تیروں کے زخم دکھا سکتی۔
کوئی ہمدرد غمگسار بہن کوئی ہمدم و ہمراز سہیلی۔
ایسے میں ایک روز ایک شاپنگ سینٹر میں اس نے ٹینا کو دیکھا وہ اپنی بیٹی کے ساتھ تھی۔ وہ اس کی بیٹی تھی جو شفق کو پہچانتی بھی نہیں تھی۔
شفق نے اپنے آپ کو سمجھایا تو بہت لیکن دل نہ مانا وہ بے اختیار اس کی طرف بڑھ گئی۔

ٹینا چونک گئی۔ اس نے پلٹ کر حیران نگاہوں سے دیکھا۔
شفق کو کھڑے دیکھ کر اس کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا اس نے گھبرائی ہوئی نگاہوں سے پہلے باہر کی طرف اور پھر اپنی بیٹی کی طرف دیکھا۔

"کیسی ہو ٹینا؟"

"ٹھیک ہوں۔"

ٹینا نے گھبرائے ہوئے کچھ روکھے پھیکے لہجے میں کہا

شفق نے اور کچھ پوچھنا چاہا تو ٹینا نے کہا۔

"پلیز آپا۔ آپ یہاں سے جائیں سجاد ساتھ والے اسٹور میں ہیں۔ میں نہیں چاہتی کہ..."

ٹینا اپنی بات ادھوری چھوڑ کر آگے بڑھ گئی۔ اس نے پلٹ کر یہ بھی نہیں دیکھا کہ شفق کے چہرے کا رنگ کس طرح زرد پڑ کر سفید ہو گیا۔

اس کے دل پر جو قیامت گزر گئی تھی اس کا اندازہ لگانے کے لئے ٹینا کے پاس نہ وقت تھا اور نہ اسے ضرورت، پھر شفق کے لئے بھی وہاں ٹھہرنا مشکل ہو گیا وہ دکاندار کی حیرت بھری نگاہوں کی پروا کئے بغیر اسٹور سے اور کوئی خریداری کئے بغیر گھر واپس آ گئی۔

گھر آ کر وہ بڑی دیر تک روتی رہی رونے سے دل کا بوجھ کچھ ہلکا ہوا تو اس کا دل پھر مچل اٹھا۔

ٹینا سے، اپنی بہن سے بات کرنے کے لئے۔

اس نے سوچا۔

وہ اسے فون کرے

کیا ٹینا کو فون پر بات کرنا بھی گوارا نہیں ہو گا۔

مگر ضروری تو نہیں وہ شاپنگ کر کے گھر واپس آ گئی ہو۔

اس نے سوچا اور گھر کے کاموں میں مصروف ہو گئی۔

شفق کو گھر کے کاموں سے فرصت ملی تو اس کا دل پھر مچل اٹھا ٹینا سے بات کرنے کو وہ بیتاب ہوئی جا رہی تھی۔

جب سے وہ بازار سے آئی تھی اس نے اپنے آپ کو گھر کے کاموں میں تو ضرور مصروف کر رکھا تھا لیکن جب بھی وہ کسی کام سے اپنے بیڈ روم میں جاتی بے اختیار اس کی نظریں وال کلاک پر پڑ جاتیں وہ دل ہی دل میں حساب لگا رہی تھی کہ اب بازار سے آئے اتنا وقت ہو چکا ہے، اب اتنا وقت گزر چکا ہے مقصد صرف یہ اندازہ کرنا تھا کہ ٹینا چاہے کتنی لمبی چوڑی شاپنگ کے لئے نکلی ہو اب تک گھر واپس آ چکی ہو گی۔

جب اسے اچھی طرح یہ اطمینان ہو چکا کہ ٹینا اب گھر میں ہی موجود ہو گی تو وہ اسے فون

کرنے کا پکا ارادہ کر بیٹھی اس نے سوچا۔

بازار میں تو مجھ سے بات کرتے ہوئے ٹینا اس لئے گھبرائی تھی کہ کہیں سجاد ان دونوں کو باتیں کرتے ہوئے نہ دیکھ لیں۔

لیکن فون پر ان دونوں کو باتیں کرتے ہوئے تو کوئی نہیں دیکھ سکے گا۔ اس پر تو نہ ٹینا کو گھبرانا چاہئے نہ کوئی اعتراض ہونا چاہئے۔

فون کے قریب پہنچ کر ایک لمحے کے لئے پھر سوچ میں پڑ گئی۔

ضروری تو نہیں فون خود ٹینا ہی ریسیو کرے

اور اگر بالفرض وہ فون ریسیو کر بھی لے تو ہو سکتا ہے کہ اس کے آس پاس گھر کا کوئی دوسرا فرد بھی ہو

پھر وہ مجھ سے کس طرح بات کر سکے گی، میری باتوں کا جواب کیسے دے سکے گی؟

چلو اللہ مالک ہے۔ خدا کرے فون وہی ریسیو کرے اور اس کے آس پاس بھی کوئی نہ ہو۔

شفق نے دل ہی دل میں دعا کرتے ہوئے ٹینا کا نمبر ملایا اس کا دل بڑی زور زور سے دھڑک رہا تھا پیشانی پر پسینے کی بوندیں چمکنے لگی تھیں۔

اس کی قسمت میں اس وقت ٹینا سے بات کرنا لکھا تھا۔ فون اسی نے ریسیو کیا۔

ٹینا کو شاید اس بات کی توقع نہ تھی پہلے وہ جانی پہچانی سی آواز کان میں پڑنے کے باوجود بھی پہچان نہ سکی چند گھنٹے پہلے بازار میں شفق کو ایک نظر دیکھ کر دل و دماغ کی کیفیت ویسے ہی ٹھیک نہیں تھی۔

اور پھر اس نے شفق کی آواز پہچان لی تب بھی انجانے اندیشوں اور وسوسوں کے تحت اس نے گھبرا کر کہا۔

"آپا! تم!"۔

"ہاں ٹینا..."

شفق کی آواز فرطِ جذبات

ٹینا نے التجا آمیز لہجے میں کہا۔

"آپا پلیز تم..."

"مانا کہ میں بہت بری ہوں ٹینا! کیا اتنا حق بھی نہیں رہ گیا مجھے کہ فون پر ہی تم سے دو باتیں کر سکوں؟"

شفق کی ساری خوشی اور مسرت کافور ہو گئی۔ اس کی آواز دھیمی پڑ گئی۔

"تمہارے راستے تو تم نے خود بند کر دیئے اب کون سے حق کی بات کر رہی ہو؟"

ٹینا کے لہجے کی تلخی شفق سے چھپی نہ رہ سکی۔

"اپنے برے ہونے کا اعتراف تو کر رہی ہوں، یہ ٹھیک ہے کہ میں نے تم سب کے دلوں کو

دکھ پہنچایا ہے۔ بہت تکلیف پہنچائی ہے بہت بڑا گناہ کیا ہے میں نے۔ لیکن..."
وہ ایک سیکنڈ کے لئے رک کر بولی۔
"خدا بھی اپنے بندوں کو معاف کردیتا ہے تم لوگوں نے اب تک مجھے معاف نہیں کیا۔"
"بہت خود غرض بن کر سوچ رہی ہو آپا تم! ہم سب کے دلوں پر جو قیامت توڑ کر تم چلی گئی ہو اس کا کوئی احساس نہیں تمہیں؟"
شفق خاموش رہی تو ٹینا نے کہا۔
"تمہیں احساس ہو بھی کیسے سکتا ہے اپنے من پسند شخص سے شادی کرکے تم اپنی دنیا میں مگن ہو خوش ہو' تمہیں کیا خبر تمہارے پیچھے رہ جانے والوں نے طنز کے کتنے تیر اپنے سینوں پر سہے ہیں۔ تمہاری بہن کے سسرال والوں نے کتنی بار طعنوں سے اس کا جگر چھلنی کیا ہے۔"
یہ کہتے ہوئے ٹینا کی آواز بھرا گئی۔
شفق کا دل چاہا کہ وہ کہہ دے۔
تمہیں کیا معلوم خوش تو میں بھی نہیں۔
تم لوگوں کا دل دکھا کر خوشیاں اور مسرتیں میں نے بھی نہیں سمیٹیں۔
میرا دل بھی زخموں سے چور چور ہے۔
ہیرے کو ٹھکرانے کے بعد پتھر سے سر پھوڑنا میری قسمت میں لکھا تھا سو قسمت کا لکھا پورا ہو رہا ہے۔
اپنی غلطی کا خمیازہ اس دنیا میں تو میں بھگت ہی رہی ہوں۔
آخرت میں جو سزا ملے گی اس کا تصور کرتے ہوئے بھی رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔
لیکن شفق' ٹینا سے یہ سب کچھ کہہ نہ سکی صرف سوچ کر ہی رہ گئی۔
ٹینا سے یہ سب کچھ کہنے کا کوئی فائدہ بھی نہیں تھا۔
اس نے ایک دبی ہوئی سانس لے کر کہا۔
"میں نے تو سوچا تھا سب کی خیریت معلوم کروں گی' مگر تم تو بات کرنا بھی پسند نہیں کرتیں۔"
"ہم لوگ تو تمہارے لئے مرچکے ہیں آپا! مرے ہوئے لوگوں کی خیریت نہیں معلوم کی جاتی۔"
ٹینا کی آواز آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی تھی۔
ٹینا کا ہر لفظ برچھی بن کر شفق کے سینے میں اتر رہا تھا لیکن شفق اس سے کیا کہتی۔ وہ کچھ کہہ بھی نہیں سکتی تھی۔ ٹینا کچھ غلط تو نہیں کہہ رہی تھی۔
اس نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

"تو پھر میں تمہیں فون نہ کیا کروں؟"
"اس وقت تو گھر میں کوئی نہیں ہے اس لئے میں نے تم سے اتنی باتیں بھی کرلیں ضروری نہیں ہر دفعہ فون میں ہی ریسیو کروں اور گھر میں کوئی موجود نہ ہو۔ پھر تم خود ہی بتاؤ میں تمہیں کیسے کہہ دوں کہ مجھے فون کرلیا کرو۔ اور ویسے بھی اب اس سے کیا حاصل؟"
"میرے اور تمہارے درمیان رشتہ تو ختم نہیں ہو گیا ٹینا۔"
شفق کی آنکھوں میں نمی سی اتر آئی۔
"بے کار ہی اس لفظ کو اپنی زبان سے ادا کر رہی ہو' جب رشتوں کی پاسداری کا وقت تھا تو تم نے ہر رشتے کو ٹھوکر ماردی پھر اس احساس کا فائدہ۔"
شفق چند سیکنڈ خاموش رہی پھر ڈرتے ڈرتے پوچھا۔
"امی' ابو کیسے ہیں؟"
"بہت جلدی خیال آیا تمہیں امی ابو کا۔"
شفق خاموش رہی تو ٹینا نے کہا۔
"ویسے اب جب کہ تم نے پوچھ ہی لیا ہے تو بتادوں کہ ابو بیچارے تو تمہارا دیا ہوا گھاؤ برداشت ہی نہ کرسکے۔ بہت جلدی دنیا والوں سے منہ چھپا کر چلے گئے۔ ہاں امی ضرور زندہ درگور ہو کر رہ گئی ہیں۔"
شفق کے سینے میں ایک ہوک سی اٹھی اس نے کچھ کہنا چاہا۔ مگر ٹینا نے یہ کہہ کر فون بند کردیا۔
"میں فون بند کر رہی ہوں آپا کوئی دروازہ کھٹکھٹا رہا ہے شاید سجاد آگئے ہیں؟"
ٹینا نے فون بند کردیا لیکن شفق چند سیکنڈ تک ریسیور ہاتھ میں تھامے گم صم سی کھڑی رہی۔
ٹینا سے باتیں کرکے اس کی آواز سن کر شفق کے دل کا درد کچھ اور بڑھ گیا تھا اپنے ابو کے انتقال کی خبر اس کے دل و دماغ پر بجلی بن کر گری تھی۔
اس کا دل چاہتا تھا چیخیں مار مار کر روئے۔
لیکن ہنسنا رونا بھی تو اب اس کے اختیار میں نہیں تھا۔
ہر بات کے لئے اسے عارف فیضی کے سامنے جوابدہ ہونا پڑتا تھا۔
اس کے ہر قول و فعل کی کڑیاں وہ اس کی پچھلی زندگی سے ملاتے تھے۔
ہر بات کی تان غزنوی اور ان سے وابستہ یادوں پر آکر ٹوٹتی تھی۔
وہ جانتی تھی اگر اس وقت اس نے اپنے جذبات کے آگے بند نہ باندھا تو آنسوؤں کا ایک طوفان امنڈ پڑے گا۔
روتے روتے بے حال ہو جائے گی وہ۔
عارف فیضی اب آنے ہی والے ہوں گے وہ ان آنسوؤں کا سبب ضرور پوچھیں گے۔ وہ

بھلا انہیں کیا بتا سکے گی۔
اور پھر جو شکوک و شبہات کے ناگ ان کے دماغ میں سر اٹھائیں گے ان کی زبان سے نکلا ہوا ہر ہر لفظ اسے ڈستا رہے گا۔
کس قدر مجبور تھی وہ!
اپنی ذات اس وقت اسے بے انتہا قابل رحم معلوم ہو رہی تھی۔
اسی وقت فون کی گھنٹی بجی۔
دوسری طرف عارف فیضی تھے۔
"کیا بات ہے؟ فون بڑی دیر سے انگیج تھا!"۔
انہوں نے کہا تو شفق ایکدم سہم کر رہ گئی۔
وہ ابھی کوئی جواب بھی نہ دے پائی تھی کہ وہ دوسرا سوال کر بیٹھے۔
"کس کا فون تھا۔"
"جی وہ مسز رضوی تھیں"۔
" اچھا! بڑی لمبی چوڑی گفتگو تھی"۔
"ایک اور کولیگ بھی ان کے گھر آئی ہوئی ہیں جو تقریباً دو سال بعد امریکہ سے واپس آئی ہیں کچھ دیر ان سے بات کرتی رہی"۔
شفق کے ذہن میں یکلخت مسز جبار کا خیال آگیا جو واقعی حال ہی میں امریکہ سے واپس آئی تھیں اور تین چار روز قبل مسز رضوی کے گھر ان سے اس کی ملاقات بھی ہوئی تھی۔
"اچھا خیر میں نے اس لئے فون کیا تھا کہ آج میں دیر سے گھر آؤں گا۔ ممکن ہے رات ہی ہو جائے۔"
"اچھا کھانے پر انتظار کروں آپ کا؟"
شفق نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے کہا وہ تو خود یہی چاہتی تھی کہ آج عارف فیضی دیر سے گھر آئیں۔
عارف فیضی نے کہا۔
"میں کچھ کہہ نہیں سکتا' ہو سکتا ہے زیادہ رات ہو جائے تم کھانا کھا لینا"۔
"ٹھیک ہے۔"
شفق نے ریسور رکھ کر ایک گہری سانس لی بالوں میں بڑی بےچینی سے دو تین بار انگلیاں پھیریں۔ آنکھیں بند کر کے دھیرے دھیرے سر دباتی رہی۔
ٹینا سے باتیں کر کے اس کے دل کا بوجھ اور بڑھ گیا تھا۔
اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ پھوٹ پھوٹ کر روئے۔
چلا چلا کر سب کو سنائے۔

سنو! میرا باپ مر گیا۔
میرا باپ قتل ہو گیا۔
اور اس کا قاتل کوئی اور نہیں میں ہوں اس کی قاتل۔
میں نے اس کی اور خاندان کی عزت کو سرعام نیلام کر کے دکھ کا جو کاری وار اس پر کیا وہ برداشت نہ کر سکا۔
اپنے باپ کی صورت نگاہوں کے سامنے آتے ہی ان گنت تصویروں کا ایک البم تھا جو کھلتا گیا۔
وہ ساری محبتیں اور شفقتیں جنہیں وہ اس ایک آدمی عارف فیضی پر قربان کر کے اس کی دہلیز تک چلی آئی تھی۔ آج سنگریزوں کی مانند اس کے سینے میں چبھتی جا رہی تھیں۔
کیسے کچوکے لگا رہا تھا اس کا ضمیر!
ٹینا کی باتیں یاد کر کے اس کے دماغ کی رگیں کھنچی جا رہی تھیں۔
وہ سنسان اکیلا گھر اسے کاٹ کھانے کو دوڑ رہا تھا۔
کس قدر وحشت سمائے جا رہی تھی اس کے دل و دماغ میں۔
دل چاہتا تھا دروازہ کھول کر گھر سے باہر نکل جائے۔ سڑک پر بھاگتی چلی جائے دیوانہ وار نعرے لگائے۔ اونچی آواز سے روئے' سب کے سامنے یہ اعتراف کرے۔
میں بہت بری عورت ہوں' بہت گھٹیا عورت ہوں۔
آنسوؤں کا ایک سمندر تھا جو آنکھوں کی راہ بہہ نکلنے کو بیتاب تھا۔
دل سے آنکھوں تک طوفان ہی طوفان تھا۔
اور پھر ایک دم اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپایا اور پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔
جی بھر کے رو لینے سے دل کا بوجھ کچھ ہلکا ہوا تو اس نے منہ ہاتھ دھو کر آئینے میں اپنے چہرے کا جائزہ لیا۔
اس کا چہرہ اس کے دلی جذبات کی عکاسی کر رہا تھا۔
آنکھیں سرخ اور سوجی ہوئی تھیں۔
چہرے سے ہی دکھ کا احساس ہو رہا تھا۔
اس کی نگاہ وال کلاک کی طرف اٹھ گئی۔
اس کے دل کو اطمینان تھا کہ فی الحال عارف فیضی کے آنے کا کوئی امکان نہیں اس وقت تک چہرہ نارمل ہو جائے گا۔
دوسرے روز یونیورسٹی جانے کو اس کا دل بالکل نہیں چاہ رہا تھا لیکن جانا بھی ضروری تھا پیریڈ ختم ہوتے ہی وہ گھر آگئی۔
مسز رضوی اس وقت کلاس لے رہی تھیں بعد میں انہیں معلوم ہوا کہ شفق جلدی گھر

چلی گئی ہے تو انہیں تشویش ہوئی۔ انہوں نے اسے فون کر کے اس کے خیریت معلوم کی تو شفق نے کہا۔

"میری طبیعت ٹھیک نہیں' اسی لئے جلدی گھر آگئی۔"

"کیوں؟ کیا ہوا؟۔"

"میرا دل گھبرا رہا ہے۔"

یہ کہتے ہوئے شفق کی آواز بھرا گئی۔

مسز رضوی نے کہا۔

"اچھا میں کوشش کروں گی واپسی میں تمہارے پاس ہوتی ہوئی جاؤں۔"

"آپ۔ آپ آہی جائیں تو اچھا ہے۔"

شفق نے ایک دبی ہوئی سانس لی۔

مسز رضوی نے جب شفق کو دیکھا تو ان کی حیرت زدہ نگاہیں چند سیکنڈ کے لئے اس کے چہرے پر جمی رہ گئیں کتنی زرد کمزور اور بیمار نظر آرہی تھی۔

صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ ابھی چند منٹ پہلے ہی اس نے اپنے آنسو پونچھے ہیں۔

مسز رضوی نے اپنا پرس میز پر ڈالتے ہوئے کہا۔

"کیا پھر کوئی جھگڑا ہو گیا تم دونوں میں؟۔"

شفق خاموش رہی۔

مسز رضوی نے اس کا کندھا تھپتھپایا اور کہا۔

"چھوٹی چھوٹی باتوں کو نظر انداز کرنا چاہئے خواہ مخواہ زندگی میں تلخیاں بھرنے سے کیا فائدہ"

شفق کا دل تو ویسے ہی بھرا ہوا تھا مسز رضوی کے ہمدردانہ لہجے نے جلتی آگ پر تیل کا کام کیا۔

شفق نے پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا۔

مسز رضوی پریشان ہو رہی تھیں وہ اس سے رونے کا سبب پوچھے جا رہی تھیں لیکن شفق کی ہچکیاں اور سسکیاں تھمتیں تو وہ انہیں کچھ بتاتی۔

کچھ دیر رو کر جب اس کا دل ہلکا ہوا تو اس نے مسز رضوی کو ٹینا سے ملاقات اور فون پر گفتگو کے بارے میں بتایا۔

مسز رضوی نے اس کے ابو کی وفات پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"جو غلطی تم سے ہو چکی اب اس پر جلنے کڑھنے سے کیا فائدہ؟ اپنے آپ کو سمجھاؤ اور نارمل رہنے کی کوشش کرو۔"

"اب مجھ سے برداشت نہیں ہوتا سارے لوگ ہر وقت مجھے یاد آتے ہیں۔ میں اپنے بچوں سے ملنا چاہتی ہوں۔"

"میں تمہارے جذبات کو سمجھتی ہوں شفق' لیکن اتنے عرصے میں تمہیں عارف فیضی کی بات کا اچھی طرف اندازہ ہو چکا ہے تم اپنی زندگی میں مزید الجھنیں کیوں پیدا کرنا چاہتی ہو؟"

مسز رضوی جب تک اس کے پاس رہیں اسے سمجھاتی رہیں تسلی دلاسے دیتی رہیں گھر واپس جاتے ہوئے وہ اس کے لئے فکر مند اور پریشان تھیں۔ لیکن وہ اس کے لئے کر بھی کیا سکتی تھیں سوائے پریشان ہونے کے۔

پھر شفق وقتاً فوقتاً ٹینا کو فون کرنے سے اپنے آپ کو روک نہ سکی۔

حالانکہ اس کا نتیجہ یہ نکلا تھا کہ ٹینا اس کی آواز پہنچاتے ہی فون بند کر دیتی تھی۔

شفق نے یہ سوچ کر اپنے آپ کو تسلی دے لی کہ ممکن ہے ٹینا اس وقت بات کرنے کی پوزیشن میں نہ ہو

اس کے آس پاس کوئی موجود ہو کئی دفعہ تو ایسا ہوا کہ فون ٹینا کے بجائے گھر کے کسی اور فرد نے ریسیو کیا۔

آخر کار ایک روز ٹینا سے اس کی بات ہو گئی لیکن ٹینا کا انداز وہی پچھلا سا تھا۔

اس نے کچھ ناراضگی اور کچھ التجا آمیز لہجے میں کہا۔

"آپا! میں پہلے بھی تم سے کہہ چکی ہوں' خدا کے لئے مجھے فون مت کیا کرو"۔

"فون نہ کیا کروں۔"

شفق کی آواز میں افسردگی اور بیچارگی تھی۔

"ہاں اور وجہ بھی تم اچھی طرح جانتی ہو؟۔"

شفق خاموش رہی۔

ٹینا نے گہری سانس لے کر کہا۔

"جو کچھ تم کر چکی ہو آپا! اس کے بعد خاندان میں کوئی تمہارا نام بھی سننا پسند نہیں کرتا۔"

"میں ایک بار امی کو دیکھنا چاہتی ہوں ٹینا۔"

"ان کے حال پر رحم کرو' اب وہ مزید کوئی دکھ برداشت نہیں کر سکتیں۔"

"میرے بچے بھی میرا ذکر نہیں کرتے؟۔"

"انہوں نے صبر کر لیا ہے۔"

"مگر میرا دل چاہتا ہے ان سے ملنے کو انہیں دیکھنے کو۔"

"مجھے افسوس ہے میں اس سلسلے میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتی۔"

ٹینا کا لہجہ بہت خشک تھا۔

شفق نے آس اور امید بھرے لہجے میں کہا۔

"تمہارا دل بالکل نہیں چاہتا مجھ سے ملنے اور بات کرنے کو؟۔"

"اب ان سب باتوں سے کیا حاصل؟۔"

ٹینا کی آواز سے افسردگی بھی ظاہر تھی اور شکوہ بھی۔
"ایک درخواست کروں ٹینا۔"
ٹینا خاموش رہی۔
شفق نے کہا۔
"مجھے تو پتہ نہیں ہوتا کس وقت تمہارے پاس کوئی ہوتا ہے اور کس وقت تم تنہا ہوتی ہو جس وقت تمہارے پاس کوئی نہ ہوا کرے تم خود ہی مجھے فون کر لیا کرو۔"
"یہ ممکن نہیں ہے۔"
"کیوں؟ اس میں تمہارا کیا نقصان ہے۔"
"میں فائدے نقصان کے چکر میں نہیں پڑتی لیکن بس! یہ مناسب نہیں ہے۔"
ٹینا سے ملنے کے بعد شفق کے دل و دماغ کی کیفیت عجیب سی ہو گئی تھی۔
وہ گھر اب اسے کاٹ کھانے کو دوڑتا تھا۔
عارف فیضی سے بات کرنے کو اس کا دل نہیں چاہتا تھا۔
ویسے خود ان کا دل بھی اب شاید گھر میں نہیں لگتا تھا۔
خدا جانے ان کی کون سی مصروفیات تھیں جو دن بدن بڑھتی ہی جا رہی تھیں۔
پھر ایک روز شفق اور فیضی کے درمیان ایک نئے مسئلے پر تلخ کلامی ہو گئی شفق کو شبہ تو بہت دن پہلے ہی ہوا تھا کہ اب ان دونوں کے درمیان جھگڑے کا سبب وہ بنگلہ ہو گا جو کبھی غزنوی نے اس کے لئے خریدا تھا۔
غزنوی سے علیحدگی کے بعد وہ اس بنگلے کو رکھنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ اس نے اپنی طرف سے بہت کوشش کی تھی کہ غزنوی اس کے کاغذات اپنے پاس ہی رکھیں لیکن غزنوی نے وہ بنگلہ واپس لینے سے نہ صرف یہ کہ صاف انکار کر دیا بلکہ منت سماجت کر کے وہ بنگلہ اسے اپنے پاس ہی رکھنے پر مجبور کر دیا۔ وہ اس کی زندگی کے آنے والے لمحوں کے بارے میں مطمئن ہی کب تھے جو اسے بالکل تہی دامن کر دیتے۔
وہ بنگلہ اب تک کرائے پر ہی اٹھا ہوا تھا دو ہفتے قبل ہی عارف فیضی نے شائستہ کے سسرال والوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا تھا۔
"وہ لوگ بڑے لالچی ہیں جہیز کی بڑی لمبی فہرست دے دی ہے ان لوگوں نے۔"
شفق نے ان کی بات پر کوئی خاص توجہ نہیں دی دو تین روز بعد عارف فیضی نے پھر وہی ذکر چھیڑا۔
"میری تو سمجھ میں نہیں آتا شائستہ کے سسرال والوں کی فرمائش کس طرف پوری کی جائے۔"
شفق نے ان کی بات سن کر رسان سے کہا۔

"آپ اس قدر پریشان کیوں ہو رہے ہیں آپ اکیلے تو نہیں ہیں باقی بھائی بھی آخر آپ کا ہاتھ بٹائیں گے ہی۔"
"ہم سب بھائی مل کر بھی ان کی خواہش کے مطابق جہیز نہیں دے سکتے۔"
"اس قدر لالچی لوگوں میں رشتہ کرنا ہی نہیں چاہئے تھا۔"
"پہلے ان لوگوں نے ایسی کوئی بات ہی نہیں کی تھی جس سے ان کی نیت کا کچھ اندازہ ہوتا۔"
شفق خاموش ہو گئی عارف فیضی نے پھر کچھ نہیں کہا۔
لیکن اگلے ہی روز وہ پھر اسی مسئلے کو لئے بیٹھے تھے۔
"تم نے کوئی مشورہ ہی نہیں دیا۔"
عارف فیضی نے کہا۔
"کس سلسلہ میں؟۔"
شفق کے ذہن سے گزشتہ روز کی بات نکل ہی گئی تھی۔
"ارے بھئی کل میں نے تمہیں بتایا تھا شائستہ کے سسرال والوں کے بارے میں۔"
"اچھا ہاں میں تو بھول ہی گئی تھی۔"
عارف فیضی نے کچھ اس انداز سے اس کی طرف دیکھا جیسے انہیں شفق کی یہ بات پسند نہ آئی ہو لیکن وہ بولے کچھ نہیں۔ بس اس کو گھور کر رہ گئے۔
شفق نے اس بات کو کوئی اہمیت ہی نہیں دی۔ وہ اپنے کام میں مصروف رہی۔
فیضی چڑ کر بولے۔
"معلوم ہوتا ہے تمہارے نزدیک اس معاملہ کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہے۔"
شفق کا دل چاہا کہہ دے۔
آپ نے تو مجھے اس قابل بھی نہیں سمجھا تھا کہ اس کی منگنی میں مجھے شریک ہی کر لیتے۔
آپ نے تو مجھے اپنے ماں باپ کے گھر کی صورت دکھانا بھی گوارا نہیں کیا۔
لیکن اس نے سوچا۔
یہ سب کہنے کا فائدہ کچھ نہیں۔
جو شخص میرے سامنے بیٹھا ہے سچی باتیں برداشت کرنے کا حوصلہ اس میں بالکل نہیں ہے۔
کوئی معقول جواب تو اس سے بن نہیں پڑے گا۔
الٹا زیادتی اپنی غلطی کو تسلیم بھی نہیں کرے گا۔
الٹا مجھ پر برس پڑے گا کاٹ کھانے کو دوڑے گا۔
شفق نے سر جھٹک کر ان تمام باتوں کو اپنے ذہن سے نکالا اور دھیمے لہجے میں بولی۔
"مجھے تو ابھی تک یہ ہی نہیں معلوم ہو سکا کہ کیا کچھ مانگ بیٹھے ہیں وہ لوگ"۔
کیا اتنا بتا دینا کافی نہیں کہ ہم سب بھائی مل کر ان کی لمبی چوڑی فہرست کے مطابق

خریداری نہیں کرسکتے۔"
فیضی کے لہجے میں تلخی تھی۔
"اچھا لیکن امی جان نے شائستہ کے جہیز کے لئے کچھ نہ کچھ تو بنا کر رکھا ہوگا۔"
"میں نے اس موضوع پر کبھی ان لوگوں سے کوئی بات ہی نہیں کی۔ اس لئے مجھے کوئی اندازہ نہیں ہے"۔
شفق نے اپنے آپ کو بالکل بے بس ظاہر کرتے ہوئے کہا۔
"میری تو سمجھ میں ہی نہیں آتا کہ میں اس مسئلے پر آپ کو کیا مشورہ 'کیا رائے دوں؟۔"
بات آئی گئی ہوگئی
اگلی دفعہ جب پھر اسی موضوع پر بات ہوئی تو شفق نے کہا۔
"آپ لوگ جہیز کی خریداری تو شروع کیجئے۔ جو کچھ اب تک شائستہ کے لئے بنایا گیا ہے اس کی تفصیل بھی امی جان سے معلوم کیجئے۔"
عارف فیضی بے حد چڑ کر بولے۔
"بس! اس طرح حل ہوجائے گا یہ مسئلہ ؟۔"
"میں نے یہ کب کہا کہ اس طرح مسئلہ ہوجائے گا۔"
"پھر؟۔"
"میں نے ابھی اپنی بات پوری ہی کب کی ہے۔"
"کسی طرح اس بات کو پورا بھی کرچکو۔"
شفق نے اپنے غصے کو برداشت کرتے ہوئے کہا۔
"مجھے جب یہی نہیں معلوم ہے کہ اس کے لئے کتنا جہیز بنایا گیا ہے اور کتنا باقی ہے تو پھر میں عملی طور پر اس مسئلے کے بارے میں کیسے کوئی قدم اٹھا سکتی ہوں؟۔"
عارف فیضی اسے راہ پر آتے دیکھ کر خاصی عیاری سے بولے۔
"ویسے تم ذاتی طور پر شائستہ کو کیا کچھ دے سکتی ہو۔"
"جی۔"
شفق نے چونک کر ایک سیکنڈ کے لئے عارف فیضی کی طرف بغور دیکھا اور بولی۔
"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔"
"میرا مطلب ہے تم اپنے ساتھ مجھے شامل نہ کرو۔ میں تو شائستہ کے لئے جو کچھ بنا سکوں گا بناؤں گا ہی لیکن......۔" وہ ایک لمحے کے لئے رکے۔
"لیکن ؟۔"
شفق نے استفہامیہ نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔
"بھئی تم تو خود بینک بیلنس والی ہو' اتنے سالوں سے کما رہی ہو' ذاتی بنگلہ ہے تمہارا۔"

"جی ہاں وہ تو ہے۔"
"بس' پھر اب وقت ہے کہ تمہاری فیاضی بھی دیکھ لی جائے۔"
"لیکن میں نے کب دعویٰ کیا ہے کہ میں فیاض ہو۔"
"ہاں فیاضی کا دعویٰ تو نہیں کیا تم نے لیکن بہرحال! اب تمہیں اور تمہاری محبت کو آزمانے کا صحیح وقت آیا ہے۔"
عارف فیضی کے اس شاطرانہ انداز پر شفق دل ہی دل میں کھول کر رہ گئی۔
اس نے بڑی حقارت سے سوچا۔
"ہنہ! محبت کا لفظ! اور وہ بھی تمہاری زبان سے؟"
عارف فیضی نے اسے سوچوں میں ڈوبا دیکھ کر کہا۔
"کیوں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا میں؟"
"لیکن میں نے تو کبھی یہ بھی نہیں کہا کہ میں ہر آزمائش پر پوری اتروں گی۔"
شفق کا لہجہ خاصا خشک تھا۔
عارف فیضی لاجواب سے ہو کر بولے۔
"چلو' نہیں کہا تو نہ سہی' لیکن پھر بھی معلوم تو ہو کہ شائستہ کو کیا کچھ دے دو گی۔"
"کیا کیا مانگ رہے ہیں شائستہ کے سسرال والے؟"
"ان لوگوں نے تو کار اور بنگلہ تک کی فرمائش کی ہے..."
"کیا؟"
شفق چونک پڑی۔
ان لوگوں کے اس حد تک لالچی ہونے کے بارے میں اس نے نہیں سوچا تھا۔
اس نے بے حد چڑ کر کہا۔
"کیا کسی گورنر کے بیٹے سے منگنی کردی ہے شائستہ کی؟"
عارف فیضی اس سے بھی زیادہ چڑ کر بولے۔
"اب تو ہوچکی منگنی جس کے ساتھ بھی ہوئی جو کچھ میں پوچھ رہا ہوں اس کا تم جواب نہیں دے رہی ہو۔ بیکار کی باتیں کئے جارہی ہو۔"
شفق بھی اس موقع پر کسی کمزوری کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہتی تھی اس نے عارف فیضی کے لہجے کی کوئی پروا نہ کی اور بولی۔
"اگر واقعی اس مسئلے پر میری رائے اور مشورہ لینا ہی چاہتے ہیں تو جو کچھ میں کہوں گی اس کو سننے کا حوصلہ بھی پیدا کرلیجئے اپنے آپ میں۔"
عارف فیضی حیران نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے انہیں توقع نہیں تھی کہ وہ اس طرح ان سے بات کرے گی۔

شفق نے ان کی حیران نگاہوں کو نظرانداز کرتے ہوئے کہا۔

"آپ اگر یہ سمجھتے ہیں کہ ان لوگوں کی فرمائشوں کا سلسلہ ایک دفعہ لینے کے بعد بند ہو جائے گا تو یہ محض آپ کی غلط فہمی اور بھول ہے' شادی کے بعد بھی ان لوگوں کے مطالبات جاری رہیں گے اس وقت تو آپ کی بہن ان کے قبضے اور اختیار میں ہوگی اپنے مطالبات پورے نہ ہونے کی صورت میں وہ اس کا جینا دوبھر کردیں گے۔"

"لیکن گاڑی اور بنگلہ کے بعد باقی ہی کیا رہ جاتا ہے جو مانگیں گے؟"

"کچھ لوگوں کی ہوس کبھی پوری نہیں ہوتی ان کے پاس کوئی نہ کوئی مطالبہ ہمیشہ رہتا ہے۔"

"لیکن مجبوری ہے اب ہم کچھ نہیں کرسکتے۔"

"کیوں نہیں کرسکتے؟ کہہ دیجئے کہ ہم اس پوزیشن میں نہیں ہیں کہ جہیز میں گاڑی اور بنگلہ بھی دے سکیں۔ اگر انہیں شادی کرنی ہوگی تو گاڑی اور بنگلہ لئے بغیر بھی کرلیں گے۔"

"دوسری صورت میں یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ یہ رشتہ ہی توڑ دیں۔"

"ہاں' وہ تو ظاہر ہے۔"

"تو تمہارا مطلب ہے کہ یہ رشتہ ختم کردینا چاہئے۔"

عارف فیضی کی پیشانی شکن آلود تھی۔

"عقل مندی کا تقاضہ تو یہی ہے..."

عارف فیضی ایک دم برہم ہوگئے اور بولے۔

"اصل میں تمہاری اپنی بہن کا معاملہ نہیں ہے نا! اس لئے تم نے اتنے اطمینان سے رشتہ ختم کرنے کی بات کہہ دی۔"

"میں شائستہ کو اپنی بہن ہی سمجھتی ہوں۔"

شفق یہ کہہ کر ان کے پاس سے اٹھ گئی عارف فیضی بھی جانے کیا سوچ کر خاموش ہوگئے انہوں نے بات آگے نہیں بڑھائی۔ ایک دو روز تک وہ بہت الجھے الجھے سے رہے۔

شفق نے بھی پروا نہیں کی' پلٹ کر پوچھا بھی نہیں۔

آخر کار انہیں خود ہی از سرنو اس موضوع پر بات کرنی پڑی۔

اس روز وہ آفس سے آئے تو بہت خوشگوار موڈ میں تھے۔

شفق کے لئے چند نئی کتابیں خرید کر لائے تھے شفق نے تمام کتابیں ایک سرسری نگاہ ڈال کر ایک طرف رکھ دیں اور بولی۔

"فرصت کے اوقات میں پڑھوں گی۔"

پھر چائے پیتے ہوئے عارف فیضی نے کہا۔

امی جان کا خط آیا تھا آج۔"

"اچھا کیا لکھا ہے؟"

"وہ اور شائستہ کچھ دنوں کے لئے یہاں آنا چاہتی ہیں۔"

"کب تک آئیں گی؟"

"دس پندرہ دن بعد۔"

شفق خاموش رہی۔

عارف فیضی نے چائے پیتے ہوئے دو تین بار شفق کی طرف دیکھا انداز کچھ ایسا تھا جیسے وہ اس سے کچھ کہنا چاہتے ہوں۔ اور کہہ نہ پارہے ہوں۔

شفق ان کی ایک ایک حرکت نوٹ کررہی تھی۔ لیکن اس نے سوچا مجھے کیا ضرورت پڑی ہے جو میں ان سے پوچھوں۔

عارف فیضی نے جب یہ محسوس کیا کہ وہ بالکل لاتعلق بنی بیٹھی ہے تو انہوں نے کہا۔

"شائستہ والے مسئلے کا ایک حل میری سمجھ میں آیا ہے' اگر تم اتفاق کرو تو۔"

"اچھا کیا حل سمجھ میں آیا ہے؟"

"اگر تم اپنا بنگلہ بیچ دو تو اس کے لئے گاڑی خریدی جاسکتی ہے اور ہم اس کے لئے ایک اپارٹمنٹ بھی خرید سکتے ہیں۔ بعد میں وہ اسے بیچنا چاہیں بیچ دیں یا کرائے پر اٹھادیں۔"

"معاف کیجئے گا میں اپنا بنگلہ نہیں بیچ سکتی۔"

شفق کا لہجہ بے حد خشک تھا۔

عارف فیضی نے بڑے نرم لہجے میں کہا۔

"مجھے تو خود یہ بات پسند نہیں کہ میں تمہاری کوئی چیز لوں یا فروخت کروں لیکن کیا کروں۔ بہت مجبور ہو کر یہ بات کہہ رہا ہوں۔"

شفق کے اوپر ان کے اس نرم اور دھیمے انداز گفتگو کا کوئی اثر نہیں ہوا نہ ہی اب اسے ان کی پریشانی اور مجبوری سے کوئی دلچسپی تھی۔

اس نے بڑی صاف گوئی سے کہا۔

"عارف صاحب میں ٹال مٹول کرکے آپ کو کسی غلط فہمی میں مبتلا کرنے کے بجائے یہ بات واضح کردینا زیادہ مناسب سمجھتی ہوں کہ میں اپنا بنگلہ کسی قیمت پر بھی فروخت نہیں کروں گی۔"

عارف فیضی کو شاید اس سے اس قدر صاف گوئی کی توقع نہیں تھی ایک لمحہ کے لئے ان کی پیشانی شکن آلود ہوئی اس کی بات کے جواب میں انہوں نے کوئی سخت بات کہنی چاہی لیکن پھر فوراً ہی وہ سنبھل گئے۔

انہوں نے سوچا۔

اس وقت غصے اور سختی سے کام نہیں چل سکے گا۔ ان کے چہرے کے اتار چڑھاؤ شفق کی

نظروں سے پوشیدہ نہیں تھے۔ لیکن اس نے سوچ لیا تھا کہ اس وقت وہ کسی بھی دباؤ میں نہیں آئے گی۔

اس سے پہلے کہ عارف فیضی کچھ کہتے شفق نے کہا۔

"میں اپنے زیورات میں سے کوئی بھی سیٹ جو شائستہ کو پسند ہو اسے دینے کو تیار ہوں' اگر مجھے اس کے جہیز کے لئے بنی ہوئی چیزوں کی تفصیل معلوم ہو تو باقی چیزیں بھی میں اس کے لئے بنا دوں گی' فرج اور ٹی وی بھی آپ میرے ذمے کر دیجئے لیکن اس کے آگے آپ مجھ سے کوئی توقع مت رکھئے۔"

عارف فیض نے جب دیکھا کہ وہ ہتھے نہیں چڑھ رہی ہے تو وہ اوچھی باتوں پر اتر آئے طنزیہ انداز سے مسکرا کر بولے۔

"ہاں بھئی! وہ بنگلہ آخر غزنوی کا دیا ہوا ہے اس کی نشانی ہے جذباتی وابستگی ہوگی اس کے ساتھ۔"

"آپ جو معنی چاہیں پہناتے رہیں۔"

شفق نے لاپرواہی سے کہا۔

عارف فیضی نے کہا۔

"اگر یہ وجہ نہیں ہے تو پھر تم ہی بتادو کیا وجہ ہے؟"

"جو وجہ میں بتاؤں گی وہ آپ کے لئے قابل برداشت نہیں ہوگی۔"

شفق کے لہجے میں ہلکی سی تلخی آ گئی۔

"اچھا۔"

عارف فیضی کی نگاہوں میں حیرانی بھی تھی اور کچھ تمسخر بھی۔

شفق کو ان کے اس انداز پر غصہ تو بہت آیا لیکن وہ ضبط کر گئی۔ نظر انداز کر گئی۔

مگر عارف فیضی تو اس وقت بحث کے موڈ میں تھے اپنا مقصد حاصل کر لینے کے درپے تھے۔

انہوں نے سوچا۔

کہ اگر اس وقت خاموشی اختیار کر لی تو بات پھر ٹل جائے گی۔ پچھلی تین دفعہ سے یہی ہو رہا ہے آج اس معاملے کو بیچ میں نہیں چھوڑا جا سکتا۔ انہوں نے اپنا موڈ پھر خوشگوار بناتے ہوئے کہا۔

"اس طرح خاموش رہنے سے کام نہیں چلے گا وجہ تو تمہیں بتانی پڑے گی۔"

شفق نے ایک لمحے کے لئے عارف فیضی کی طرف دیکھا اور بولی۔

"دیکھئے عارف صاحب! میں بات کو بڑھانا نہیں چاہتی وجہ جو کچھ بھی ہو آپ اسے جاننے کی کوشش نہ ہی کریں تو بہتر ہے۔"

"تم اتنے عرصے میں میری طبیعت سے اچھی طرح واقف ہو چکی ہو' میری زبان سے جو

بات نکل جائے اسے پورا ہو جانا چاہئے۔"

شفق سر جھکائے خاموش بیٹھی رہی۔

عارف فیضی نے اس بار ذرا رعب سے کہا۔

"ہاں بتاؤ کیا وجہ ہے؟"

بتائے بغیر چارہ نہیں' اور کچھ نہیں تو اسی بات پر لڑائی جھگڑا شروع ہو جائے گا۔

اس نے کہا۔

"میں نے اور آپ نے جتنا وقت ساتھ گزارا ہے اس دوران مجھے آپ کی طبیعت کا اندازہ اچھی طرح ہو چکا ہے اور یہ بات بھی میں بہت پہلے اچھی طرح سمجھ گئی ہوں کہ آپ کے ساتھ میرا مستقبل قطعی محفوظ نہیں ہے۔"

"بہت خوب! کچھ اور گل افشانی کرو میرے بارے میں۔"

عارف فیضی کے ہونٹوں پر طنزیہ سی مسکراہٹ تھی۔

"میں نے کچھ غلط نہیں کہا ہے مجھے نہیں معلوم کہ کس دن آپ غصے میں آپے سے باہر ہو جائیں اور ہاتھ پکڑ کر مجھے گھر سے باہر نکال دیں۔ ایسے وقت کے لئے میرے پاس سر چھپانے کا کوئی ٹھکانہ ہونا چاہئے۔ زندگی گزارنے کے لئے کوئی آسرا ہونا چاہئے میرے لئے۔"

شفق میں جانے کہاں سے اتنی ہمت آ گئی تھی کہ وہ عارف فیضی کے رعب میں آئے بغیر اپنے دل و دماغ کے وسوسوں اور اندیشوں کو زبان پر لے آئی۔

عارف فیضی کے لئے اتنی باتیں سن لینا ہی بہت تھا انہیں دل ہی دل میں غصہ تو بہت آیا لیکن وہ جانتے تھے اپنا مطلب حاصل کرنے کے لئے یہ وقت غصے۔ اظہار کرنے کا نہیں غصے برداشت کرنے کا ہے۔

نہ صرف اس دن بلکہ اگلے دو دن بھی عارف فیضی اپنی کوششوں میں لگے رہے۔ شفق کو طرح سے قائل کرنے کی کوشش کرتے رہے بلکہ انہوں نے یہ تک کہا کہ اب نہیں تو چند دن بعد وہ اسے دوسرا بنگلہ خرید کر دیدیں گے۔

لیکن اب شفق ان کے بہلاووں میں نہیں آ سکتی تھی۔

ان کی باتوں کے اعتبار کا وقت گزر چکا تھا۔

عارف فیضی نے اپنی تصویر کے دونوں رخ دکھانے میں بہت زیادہ وقت نہیں لگایا تھا۔

شفق اپنی بات پر بڑی سختی سے ڈٹی ہوئی تھی۔

اور عارف فیضی کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔

آخر کار وہ پھٹ پڑے۔

گرج اٹھے۔

چیخ کر بولے۔

"غزنوی کی دی ہوئی اس سوغات کو اپنے مستقبل کا محافظ مت سمجھو شفق بیگم۔
بڑا زعم ہے تمہیں اس پر' یہ مت بھولو کہ وہی بنگلہ تمہاری زندگی کی تباہی اور بربادی کا سبب بھی بن سکتا ہے۔"

شفق ان کی باتوں پر خاموش رہی تو وہ چراغ پا ہو گئے۔

"یہ جو تم بنگلے کو فروخت کرنے سے مسلسل انکار کئے جا رہی ہو تو یہ سمجھ لو کہ تمہارا یہ انکار مجھے اس حد تک بھی غصہ دلا سکتا ہے کہ میں ابھی کھڑے کھڑے تمہارا فیصلہ کر سکتا ہوں۔"

شفق ان کی یہ بات سن کر حیران نہیں تھی' اس کے چہرے پر پریشانی کے بھی کوئی تاثرات نہیں تھے۔

اس نے عجیب انداز سے مسکرا کر ان کی طرف دیکھا اور بولی۔

"آپ کی طرف سے میری ساری خوش فہمیاں دور ہو چکی ہیں آپ سے مجھے ہر اوچھی حرکت کی توقع ہے۔"

یہ سن کر فیضی کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔

"وہ ایک قدم آگے بڑھے اور کھا جانے والی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔

"اچھا! تمہاری یہ مجال کہ تم میرے لئے اس قسم کے الفاظ استعمال کرو۔"

شفق نے ان کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا' خاموشی سے منہ دوسری طرف کر لیا۔

"تمہاری ان ساری حرکتوں کا ذمہ دار صرف اور صرف وہ شخص ہے جس نے تمہارے دماغ کو عرش معلیٰ پر پہنچا دیا ہے۔ میں پوچھتا ہوں وہ شخص غزنوی کس قدر بے غیرت مرد تھا جو تمہاری بدسلوکیوں کو اتنے برسوں تک چپ چاپ برداشت کرتا رہا؟"

غزنوی کے لئے عارف فیضی کا جذبہ رقابت زبان پر آ گیا۔

لیکن اب شفق کے دل میں عارف فیضی کے لئے کوئی قدر و منزلت تو تھی نہیں۔

ہاں ان کے سلوک نے غزنوی کی قدر و قیمت کا اندازہ اسے ضرور کرا دیا تھا۔

غزنوی سے اب اس کا کوئی رشتہ باقی نہیں رہا تھا۔

ان کی حمایت میں کچھ کہنے کا اسے کوئی فائدہ بھی نہیں تھا بلکہ سراسر نقصان ہی تھا۔

لیکن پھر بھی عارف فیضی کی زبان سے غزنوی کے لئے ایسے الفاظ سن کر وہ برداشت نہ کر سکی۔

اس نے تحقیر آمیز نگاہوں سے عارف فیضی کی طرف دیکھا اور بولی۔

"جو شخص میری زندگی سے نکل چکا' ہر موقع پر اس کا ذکر چھیڑ کر آپ اپنی کون سی انا کو

تسکین پہنچاتے ہیں؟"

عارف فیضی کا نیچے گرتا ہوا پارہ پھر ہائی ہو گیا۔ ایک دم چیخ کر بولے۔

"ہاں زندگی سے تو نکل چکا ہے لیکن تمہاری یادوں سے تو آج تک وہی منحوس انسان لپٹا ہوا ہے۔"

شفق سے برداشت نہ ہو سکا اس نے طنزیہ نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا اور مدہم لہجے میں بولی۔

"وہ بیچارہ منحوس انسان! آپ نے کبھی اسے دیکھا نہیں کبھی اس سے ملے بھی نہیں پھر آخر اس کے لئے رقابت کی آگ کو سینے میں کیوں دہکائے بیٹھے ہیں؟"

عارف فیضی سرتاپا سلگ ہی تو اٹھے۔

غصے سے بے قابو ہو کر آگے بڑھے اور بولے۔

"اپنی زبان کو لگام دو' جانتی ہو عورت کی بدزبانی مجھ سے برداشت نہیں ہوتی؟"

شفق نے اسی لہجے میں کہا۔

"آپ سے تو عورت کی بے زبانی بھی برداشت نہیں ہوتی"۔

بس اس کے بعد کچھ اور سننے کی تاب عارف فیضی میں کہاں باقی رہ گئی تھی۔

وہ غصے سے ایک دم پاگل ہو اٹھے۔

جنون میں آ گئے۔

ان کا ہاتھ جو شفق پر اٹھا تو ایک نہیں دو نہیں جانے کتنی بار دونوں رخساروں پر ان کے طمانچے برستے رہے شفق نے غصے میں کھڑے ہو کر انہیں ایک طرف دھکا دیا اور قریبی دروازے سے ساتھ والے کمرے میں گھس کر دروازہ بند کر لیا۔

پھر وہ دیوار سے سر ٹکرا ٹکرا کر آنسو بہاتی رہی پھوٹ پھوٹ کر روتی رہی۔

"غزنوی' غزنوی۔"

اس کی زبان سے بے اختیار بار بار غزنوی کا نام نکلتا رہا۔

غزنوی کے الفاظ کی بازگشت اسے سنائی دے رہی تھی۔

"خدا بہتر جانتا ہے کہ تمہاری آئندہ زندگی کس انداز سے گزرے گی؟
سوچ لو ایسا نہ ہو کہ اس گھر کو چھوڑنے کے بعد تمہیں کوئی ۔۔۔؟
شخص کی پرکھ بہت مشکل کام ہے بہت سے لوگ دیکھنے میں جو کچھ نظر آتے ہیں حقیقت میں وہ نہیں ہوتے۔"

"تم ٹھیک کہتے تھے غزنوی! تم ٹھیک کہتے تھے۔
آؤ! اور میری بے بسی اور ذلت کا تماشا دیکھو۔
آ کر دیکھو خدا اپنے بندوں کے گناہوں کی سزا اسی دنیا میں کیسے دیتا ہے۔"

بہت دیر تک رونے کے بعد اس کی آنکھیں خشک ہو گئیں تو گئے دنوں کی باتیں یادوں کے سہارے لپٹی ہوئی اس کے دماغ میں آسمائیں۔

سارے چہرے سارے لوگ کتنی شدت سے اسے یاد آرہے تھے۔

ان تمام چہروں کے درمیان وہ دو چہرے بھی تھے۔

اس کی سہیلیوں نگار اور فرزانہ کے چہرے۔

یاد آنے والی باتوں میں وہ ساری باتیں بھی تھیں۔

وہ تمام مشورے بھی تھے جو انہوں نے دیئے تھے۔

اور جن پر عمل کر کے وہ آج اس مقام پر کھڑی تھی۔

افق چار سال کی تھی جب نگار اپنے شوہر کے ساتھ کینیڈا چلی گئی تھی کچھ عرصے تک دونوں میں خط و کتابت رہی اس کے بعد یہ سلسلہ بھی بند ہو گیا خود شفق تو کافی عرصے تک اسے خط لکھتی رہی لیکن جب نگار کی طرف سے کوئی جواب ہی نہیں آیا تو اس نے بھی خاموشی اختیار کر لی۔

فرزانہ کا بھی کچھ عرصہ بعد اسلام آباد ٹرانسفر ہو گیا فرزانہ کے ساتھ کافی عرصے تک اس کی خط و کتابت رہی خطوں کے ذریعہ ہی معلوم ہوا تھا کہ فرزانہ کے شوہر نے اسے طلاق دے دی تھی۔

اس وقت شفق نے فرزانہ کو اپنی طرح مظلوم اور قابل رحم ہستی سمجھا تھا اور اس کے شوہر کو ظالم مردوں کی صف میں لا کھڑا کیا تھا۔

لیکن شفق کا یہ انداز فکر اس وقت تھا جب اس کی عقل پر پردے پڑے ہوئے تھے۔

جب اسے ہیرے اور پتھر کی پہچان نہیں تھی۔

اور اب جب زندگی کے تجربات کی شاہراہ پر چلتے ہوئے اسے کھرے اور کھوٹے کی پہچان ہوئی۔

اب جب اپنی ذات کو ایک مرد کی نگاہوں میں اس نے اس قدر بے وقعت دیکھا۔

اب جب سب سے جدا ہو کر تنہائیوں کا قطرہ قطرہ زہر اسے حلق سے نیچے اتارنا پڑا تو ان سارے لوگوں کی رفاقت میں گزرے ہوئے وہ سارے لمحات اسے بڑی شدت سے یاد آئے جنہوں نے اس کی نازبرداریاں کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی۔

وہ سارے نخرے' چونچلے آئے دن کے ڈھکوسلے۔

ہمیشہ اپنی من مانی کرنا' مرضی کے خلاف ذرا سی بات ہو جانے پر روٹھنا اور پھر اس توقع میں رہنا کہ ہمیشہ دوسرا شخص ہی اسے منائے۔

بات بے بات غزنوی کے گھر والوں سے بات چیت بند کر دینا۔

اس کے لئے نہ وہاں محبت کی کمی تھی نہ عزت کی' نہ دولت کی۔

پھر

آخر کیوں وہ نگار اور فرزانہ کی باتوں میں آگئی تھی؟

وہ جو اس کی دوست نما دشمن ثابت ہوئی تھیں۔

اب جب ان کی باتیں یاد آتیں تھیں تو نفرت کی ایک لہر سی اس کے رگ و پے میں سرایت کر جاتی۔

اب جب وہ ان دونوں کے بارے میں سوچتی تو حیران ہوتی تھی۔

خود اس کے دل و دماغ کو کیا ہو گیا تھا؟

اس کی عقل پر کیوں پردے پڑ گئے تھے؟

کسی کے سمجھانے کا اس کے اوپر کیوں اثر نہیں ہوا؟

آنکھیں بند کر کے وہ ایک ایسے راستے پر چلتی رہی جو تباہی و بربادی کے دہانے پر جا کر ختم ہوتا تھا۔

اس نے آنکھوں میں پھر سے امنڈ آنے والے آنسوؤں کو رگڑ کر صاف کیا اور ایک گہری سانس لے کر دل ہی دل میں کہا۔

خدایا ابھی میری قسمت میں اور کیا کچھ دیکھنا باقی ہے۔

شفق کی وہ ساری رات آنکھوں میں کٹ گئی۔

عارف فیضی بڑی رات گئے آئے اور آتے ہی سو گئے۔

صبح شفق کا سر بھاری تھا اور آنکھیں جل رہی تھیں اس میں تو بستر سے اٹھنے کی بھی ہمت نہیں تھی وہ یونیورسٹی کیا جاتی دل چاہتا تھا کہ کوئی گرم گرم چائے کا ایک کپ اس کے ہاتھ میں تھما دے مگر اس گھر میں ایسا کون تھا؟

میں بھی اس وقت کیسی انہونی بات کی خواہش کر رہی ہوں۔

میں غزنوی کی نہیں عارف فیضی کی بیوی ہوں۔

یہ غزنوی کا نہیں عارف فیضی کا گھر ہے۔

عارف فیضی جو حکم دے کر اپنی ہر بات پوری کروانا جانتا ہے۔

ابھی وہ ہمت کر کے اٹھ ہی رہی تھی کہ عارف فیضی پیر پٹختے ہوئے اس کے کمرے میں آگئے۔

"یہ چونچلے' ڈھکوسلے میرے سامنے نہیں چلیں گے' چلو اٹھ کر ناشتہ تیار کرو میرے لئے۔"

انہوں نے قہر آلود نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

اپنی بے بسی پر شفق کی آنکھوں میں آنسو آگئے وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

عارف فیضی نے طنز کا ایک اور تیر پھینکا۔

"زندگی میں بہت عیش کر چکیں' بہت ناز برداریاں کروا چکیں اب زندگی کے اس رخ کو

بھی دیکھو جو تمہیں میرے ساتھ گزارنا ہے۔"
شفق نے ایک دبی ہوئی سانس لی اور اٹھ کر کمرے سے باہر چلی گئی۔

عارف فیضی آفس چلے گئے تو شفق بھی ناشتہ کر کے گھر کے کاموں میں بادل نخواستہ مصروف ہو گئی سچ تو یہ تھا کہ اب اس گھر میں رہنے کو اس کا دل نہیں چاہتا تھا گھر کے کام کرنا تو دور کی بات تھی عارف فیضی کی شکل سے بھی اسے نفرت ہو گئی تھی۔

لیکن وہ اس قابل نفرت شخص کی صورت دیکھنے اور اس کے وجود کو برداشت کرنے پر مجبور تھی۔

اس گھر کو چھوڑ کر اب وہ اور کہاں جا سکتی تھی۔ پہلے ہی اس کی بہت جگ ہنسائی ہو چکی تھی۔

اور کوئی گھریلو خاتون ہوتی جسے اس کے عزیزوں اور رشتے داروں کے سوا اور کوئی نہ جانتا تو اس کی رسوائی اور بدنامی صرف خاندان تک ہی محدود رہتی لیکن وہ شہر کے سب سے بڑے تعلیمی ادارے سے وابستہ تھی پڑھنے اور لکھنے والے بے شمار لوگ اسے جانتے تھے ادب میں اس کا ایک نام تھا۔ ایک مقام تھا' اس کی تحریروں کے مداح بھی بہت سے لوگ تھے عارف فیضی سے وابستگی بھی اس کی شہرت میں اضافے کا سبب بنی تھی۔

اب یہ الگ بات تھی کہ مختلف محفلوں میں اس کا تذکرہ مختلف انداز سے کیا جاتا تھا' بے شمار لوگ تھے جو اس بات سے واقف تھے کہ اس نے اپنے شوہر سے طلاق لے کر عارف فیضی سے شادی کی ہے۔ عارف فیضی سے شادی ہونے سے پہلے بھی ان لوگوں میں جو میل ملاپ تھا وہ بہت سی نظروں سے پوشیدہ نہیں تھا' تاڑنے والی نظریں اسی وقت تاڑ گئی تھیں کہ ان دونوں کا یہ میل جول کیا رنگ لائے گا۔ کچھ لوگ تو عارف فیضی کے سامنے ہی ذو معنی گفتگو کر کے طنز کر جاتے تھے کچھ ایسے تھے جو پیٹھ پیچھے ہنستے تھے اور ان دونوں کا ذکر اچھے انداز سے نہیں کرتے تھے' پھر عارف فیضی کے اڑوس پڑوس کے لوگ بھی تھے جو شفق کو ان کے ساتھ آتے جاتے بارہا دیکھ چکے تھے۔

اور جب شفق بیاہ کر عارف فیضی کے گھر آ گئی تب بھی کافی عرصے تک وہ گفتگو کا موضوع بنی رہی۔

یونیورسٹی میں' محلے میں' اکثر محفلوں میں لوگوں کی آڑی ترچھی نظروں کا نشانہ بنتی آہستہ آہستہ وہ ان سب باتوں کی عادی ہو گئی تھی صرف ایک شخص عارف فیضی کی خاطر وہ سب کچھ برداشت کر رہی تھی اور بہت کچھ نظر انداز کر رہی تھی لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ عارف فیضی نے اس کے ساتھ جس بدترین سلوک کا مظاہرہ کیا تھا اس سے شفق کا دل ریزہ ریزہ ہو کر بکھر گیا تھا سوائے مسز رضوی کے ایسا بھی کوئی نہیں تھا جسے وہ اپنے دل کے دکھڑے سنا سکتی لیکن یہ ایک دو روز کا قصہ نہیں تھا یہ تو آئے دن کا جھگڑا تھا۔ ہر دفعہ مسز رضوی کے

ے اپنی داستان غم بیان کرنا بھی اسے اچھا نہیں لگتا تھا اس نے سوچ لیا تھا کہ اب چاہے ہی بیت جائے وہ ان سے نہیں کہے گی۔

اس روز عارف فیضی نے اس کے ساتھ جو ناروا سلوک کیا تھا اس کے بعد اس کی اس قابل تو بالکل نہیں تھی کہ وہ یونیورسٹی جا سکتی دوپہر کو وہ گھر کے کاموں میں مصروف ب ہی مسز رضوی آ گئیں۔

ق کے چہرے پر نگاہ پڑتے ہی وہ بغیر پوچھے بہت کچھ سمجھ گئیں۔ انہوں نے جب تفصیل کی کوشش کی تو شفق نے کوشش تو بہت کی کہ انہیں کچھ نہ بتائے لیکن مسز رضوی کے انہ اور محبت بھرے رویئے پر شفق کا دل پانی پانی ہو گیا آنسو اس کی آنکھوں سے بہہ نکلے کیوں اور سسکیوں سے روتی رہی پھر جب اس کی طبیعت سنبھلی تو وہ ان سے کچھ نہ چھپا

ز رضوی تشویش بھری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتی رہیں شفق کے نئے حالات اور یادہ پریشان کن تھے ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ شفق کو کیا مشورہ دیں وقت نے کے ساتھ ساتھ عارف فیضی کی نیت واضح ہوتی جا رہی تھی' وہ بھروسے اور اعتبار قابل نہیں رہے تھے۔ شفق کی زندگی کا انجام انہیں اچھا نظر نہیں آ رہا تھا۔ لیکن وہ یہ ات اس سے نہیں کہہ سکتی تھیں اور سچ تو یہ ہے کہ انہیں اس سے یہ بات کہنے کی ضرورت ہیں تھی' شفق خود بھی اپنی زندگی کے انجام سے بے خبر نہیں تھی۔ وہ اسے جھوٹی تسلی لاسے دے کر چلی گئیں مگر دل ہی دل میں وہ شفق کے لئے سخت فکر مند تھیں۔ اس کی گی کی الجھی ہوئی ڈور کو سلجھانا ان کے بس میں نہیں تھا۔

ئی روز تک عارف فیضی کا موڈ سخت خراب رہا۔ انہوں نے شفق سے کوئی بات نہیں کی ے گئے ہوئے آدھی رات کو گھر میں گھستے جب تک جاگتے رہتے لکھنے پڑھنے میں لگے ے پھر منہ پھیر کر سو جاتے۔ شفق تو خود ان کی صورت سے بیزار تھی ان کا بات نہ کرنا ہی غنیمت معلوم ہوتا تھا۔ وہ اس قدر دل برداشتہ ہو گئی تھی کہ اس کا دل چاہتا تھا۔ زندگی نے بھی دن اب باقی ہیں ۔ اسی طرح خاموشی سے گزر جائیں۔

رف فیضی کو شفق سے بات کرنے کی ضرورت بھی کیا تھی۔ انہیں بغیر کہے اپنی ہر چیز تیار مل جاتی تھی۔ کھانا' ناشتہ' کپڑے' شفق کی اتنی مجال کب تھی کہ اگر دونوں کے ان بات چیت نہ ہو تو وہ مارے غصے کے ان کا کوئی کام ہی نہ کر کے دے اور غصہ تو یوں کر ہی نہیں سکتی تھی عارف فیضی چاہے اسے ماریں پیٹیں کچھ بھی سلوک کریں' اس مل کے طور پر وہ کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی سچ تو یہ تھا کہ اب اپنی مرضی سے وہ کچھ بھی کر سکتی تھی۔

زبان کھولنے پر وہ چراغ پا ہو جاتے تھے۔

اس کا دل چاہے' نہ چاہے... اسے عارف فیضی کی مرضی پر چلنا تھا۔
ان کا جب دل چاہتا تھا وہ اسے اچھی طرح ذلیل کرلیتے تھے اور اس کے بعد خود ہی اس سے بول لیتے تھے شفق کو اپنی زندگی تو بہرطور انہی کے ہمراہ گزارنی تھی سو وہ گزر رہی تھی۔
آہستہ آہستہ عارف فیضی کا موڈ خود بخود بہتر ہوگیا تھا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ وہ پھر سے شادی کے بعد ابتدائی دنوں والے عارف فیضی بن گئے تھے جو ہر تقریب میں شفق کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتے تھے۔ کوئی مشاعرہ ہو کوئی ادبی محفل ہو' کوئی دعوت ہو کوئی پارٹی ہو' دوستوں کے گھر' ہوٹلوں میں... سب جگہ وہ اسے ساتھ لے جاتے تھے اس کی تحریروں کو بڑے شوق سے پڑھتے انہیں سراہتے تھے اور تنقید بھی کرتے تھے لیکن اب تو ان سارے معاملوں سے وہ لاتعلق سے ہوتے جارہے تھے بھولے بھٹکے ہی وہ اسے اپنے ساتھ کسی فنکشن میں یا کسی دوست کے گھر لے جاتے تھے جب کہ خود ان کی اپنی مصروفیات اور سیرسپاٹے پہلے سے کچھ زیادہ ہی بڑھ گئے تھے۔
پھر ایک روز عارف فیضی نے کہا۔
"کل امی جان اور شائستہ آرہی ہیں۔"
"اچھا کس وقت آرہی ہیں؟"
"شام تک پہنچیں گی۔"
"آفس سے ہی اسٹیشن چلے جائیں گے؟"
"نہیں گھر آؤں گا' تم نہیں جاؤ گی اسٹیشن؟"
"آپ لے جائیں گے تو ضرور جاؤں گی۔"
عارف فیضی نے ایک گہری نگاہ اس پر ڈالی اور بولے۔
"شائستہ اور امی جان کے سامنے ذرا طریقے سے رہنا۔"
"جی؟" شفق نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔
"میرا مطلب ہے اپنا موڈ درست رکھنا اور بات بے بات مجھ سے الجھنے کی کوشش مت کرنا۔"
شفق نے زبان سے تو کچھ نہیں کہا ہاں دل میں ضرور سوچا۔
آپ نے مجھے پتھر کا بے جان ٹکڑا سمجھ رکھا ہے' آپ جو سلوک چاہیں میرے ساتھ روا رکھیں اور میں زبان سے کچھ نہ کہوں کوئی اثر ہی قبول نہ کروں آپ کی کسی بات کا۔
اور اگلے روز شائستہ اور امی جان آگئیں۔
شفق نے اپنے چہرے اپنی ذات پر خول چڑھانے کی کوشش تو بہت کی تھی لیکن شاید امی جان کی جہاں دیدہ نگاہیں بہت کچھ .... تاڑ چکی تھیں۔ بہت خوش و خرم انداز سے شفق کی طرف بڑھتے ہوئے ایک دم ہی ان کی نگاہوں میں حیرانی سمٹ آئی۔ انہوں نے پاس کھڑے

ارف فیضی کی طرف بڑی گہری نگاہ سے دیکھا اور بولیں۔
"کیا بات ہے عارف؟ شفق اتنی کمزور اور پیلی کیوں ہو رہی ہے؟"
"اب یہ تو آپ شفق سے ہی پوچھئے میں نے انہیں گھر کے سیاہ و سفید کا مالک بنا رکھا ہے پھر بھی انہوں نے اپنے آپ کو کمزور کر رکھا ہے تو اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔" عارف فیضی نے بڑے خوشگوار انداز میں کہا اور شائستہ کی طرف متوجہ ہو گئے۔
امی جان نے شفق کو گلے سے لگاتے ہوئے دل ہی دل میں سوچا۔
"تم سدھرنے والے آدمی ہی نہیں ہو عارف۔"
"عارف فیضی شائستہ کے سر پہ ہاتھ پھیر رہے تھے' اس کی پیٹھ تھپتھپا رہے تھے اور شائستہ لاڈ آمیز انداز میں کہہ رہی تھی۔"
"بھائی جان آپ بھابھی کا بالکل خیال نہیں رکھتے دیکھئے تو سہی ان کی کیا حالت ہو رہی ہے؟"
شائستہ اور امی جان کی اس محبت' ہمدردی اور پیار پر شفق کا دل بھر آیا۔
اس کا دل چاہا۔
وہ عارف فیضی کے ایک ایک ستم کی داستان سنادے۔
اپنی بے گناہی اور اپنے صبر و تحمل کی کہانی بھی انہیں سنادے مگر اس خیال کو وہ صرف اپنے دماغ میں ہی جگہ دے سکتی تھی۔ زبان پر نہیں لاسکتی تھی۔
وہ ان سے کیسے کہتی کہ جس شخص کے آسرے پر' جس کو اپنا سہارا سمجھ کر وہ اپنی ساری کشتیاں جلا آئی تھی وہ آسرا وہ سہارا اس کے لئے تنکے سے بھی زیادہ کمزور ثابت ہوا۔
جسے اپنے مستقبل کا محافظ سمجھ کر ایک مضبوط اور محفوظ قلعے کی فصیلیں توڑ کر وہ اس کے پاس چلی آئی تھی تو اب اسی محافظ کے ساتھ رہتے ہوئے اسے اپنی زندگی کے اگلے لمحے بھی بھروسہ نہیں ہے۔
اس محافظ' اس پاسبان کے ساتھ گزرنے والا ہر لمحہ خوف و ہراس کی دہلیز پر کھڑے گزرتا ہے۔ معلوم نہیں کب اس کی زبان سے نکلا ہوا ایک لفظ اسے بدنامی اور رسوائی کے غار میں دھکیل دے۔
آنسو اس کی آنکھوں میں امنڈ آنے کو بے تاب تھے لیکن وہ آنسوؤں کی ساری نمی کو چپکے سے حلق میں اتار رہی تھی۔
گھر پہنچتے ہی شفق شائستہ اور امی جان کی خاطر تواضع میں لگ گئی عارف فیضی بھی اس روز گھر سے باہر کہیں نہیں گئے۔ بہن اور امی کے آنے سے وہ خاصے خوش نظر آرہے تھے۔
شائستہ کو جب تنہائی میں شفق سے بات کرنے کا موقع ملا تو اس نے بہت تاسف بھرے انداز سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
"بھابھی آپ کو کیا ہوگیا ہے؟"

"کچھ بھی نہیں ہوا۔"
"پھر آپ اتنی کمزور کیوں ہو رہی ہیں؟۔"
شفق نے جھوٹ بولتے ہوئے کہا۔
"اصل میں چند روز پہلے مجھے شدید قسم کا انفلوئنزہ ہو گیا تھا اسی کے اثرات ابھی تک باقی ہیں۔"
پھر شفق نے مسکراتے ہوئے کہا
"تمہیں مبارکباد دینے کا تو خیال ہی نہیں رہا"۔
"کس بات کی مبارکباد؟۔"
شائستہ نے انجان بن کر کہا۔
"منگنی کی' اور کس بات کی۔"
"اپنے خط میں آپ مبارکباد دے تو چکی ہیں۔"
"وہ تحریری طور پر دی تھی' زبانی تو نہیں دی تھی۔"
"ایک ہی بات ہے' مبارک باد تو دے دی نا۔"
شفق نے گلہ کرتے ہوئے کہا۔
"تم نے اپنی منگنی میں مجھے بلایا تک نہیں۔"
"آپ کو کیا خبر میری تو بڑی خواہش تھی آپ کو بلانے کی' امی بھی چاہتی تھی لیکن....."
"لیکن؟۔"
"بھائی جان نے منع کر دیا۔"
"کیوں؟ مجھے نہ شریک کرنے کی کوئی خاص وجہ تھی؟۔"
شائستہ ایک دم چونک گئی پھر سنبھل کر بولی
"وہ تو یہی کہتے تھے کہ آپ کو چھٹی نہیں مل سکے گی اور پھر منگنی میں آپ کا شریک ہونا ایسا کون سا ضروری ہے شادی میں شریک ہو جائیں گی۔"
"ہوں۔"
شفق نے سوچوں میں ڈوبتے ہوئے کہا' اس کے ہونٹوں پر طنزیہ سی مسکراہٹ تھی۔
"آپ اس طرح کیوں مسکرا رہی ہیں؟" شائستہ نے پوچھا۔
"اس لئے مسکرا رہی ہوں کہ منگنی میں مجھے شریک نہ کرنے کی وجہ جو بھی تھی وہ مجھے معلوم ہو چکی ہے۔"
"جی!!۔" شائستہ ایک بار پھر چونکی۔
"تمہاری ایک بڑی بھابی بھی ہیں نا؟۔"
"بھابیاں تو میری ایک نہیں' دو ہیں۔"

ائتہ نے بات بنانے کی کوشش کی۔
ہرا مطلب ہے عارف صاحب کی ایک اور مسز بھی ہیں نا!۔"
ائتہ سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔
ارف صاحب نے یہ بات مجھ سے چھپانے کی اگرچہ بہت کوشش کی تھی لیکن ایسی ہت زیادہ عرصے تک پردہ نہیں پڑا رہ سکتا۔"
پ کو یہ بات کس نے بتائی؟۔"
ائتہ کچھ چور سی بن گئی تھی۔
ارف صاحب کی بیٹی کے ایک خط نے اس راز پر سے پردہ اٹھا دیا' خیر! چھوڑو' کوئی اور ات۔"
ائتہ کچھ دیر گم صم سی بیٹھی رہی پھر بولی۔
ب آپ کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ کے دل پر کیا گزری؟۔"
وگزرنی تھی وہی گزری۔"
ق نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔
ہرا مطلب ہے آپ کو دکھ تو بہت ہوا ہوگا۔"
ک... ہاں! دکھ اس وجہ سے ہوا کہ انجانے میں میری ذات سے ایک عورت کے دل کو ہنچی۔ اور ظاہر ہے یہ ایک مسلسل تکلیف ہے جو بنا کسی قصور کے اس عورت کو پہنچ ہے۔"
ایک لمحے کے لئے رکی اور بولی۔
کرس اس بات کا ہے کہ عارف نے مجھ سے یہ بات کیوں چھپائی؟' اعتماد کی زنجیر ہی تو ہے جو میاں بیوی کو ایک دوسرے سے ملائے رکھتی ہے' زنجیر کی ایک کڑی ٹوٹ کر گر بھی باقی زنجیر کمزور بھی ہو جاتی ہے۔"
بھائی جان آپ کو پہلے سے یہ بات بتا دیتے تو کیا پھر بھی آپ کا فیصلہ یہی ہوتا؟۔"
ادعوے سے کوئی بات نہیں کہہ سکتی لیکن میرا خیال ہے کہ میں اتنا بڑا قدم اٹھانے ایک بار نہیں' کئی بار سوچتی ممکن ہے میری سوچیں مجھے کوئی اور ہی راستہ دکھاتیں۔"
ل نے بڑی صاف گوئی سے کہا۔
یکن شائستہ! دراصل انسان بڑا خود غرض ہوتا ہے' یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میں آنکھیں کے اپنے نفع' اپنے آرام اور اپنے مستقبل کے بارے میں سوچتی' اس دوسری عورت ے میں کچھ بھی نہ سوچتی' اس کے بچوں کے بارے میں بھی نہ سوچتی۔"
پ کی صاف گوئی مجھے پسند آئی۔"
ستہ نے متاثر ہوتے ہوئے کہا۔

شفق نے گہری سوچوں میں ڈوبتے ہوئے کہا۔

"ہاں، ادھر زندگی کے ایک، ڈیڑھ سال کے عرصے میں مجھے جتنا تجربہ ہوا ہے باقی ساری زندگی میں اس کا آدھا تجربہ بھی نہیں ہوا۔"

پھر امی جان کے وہاں آجانے سے شائستہ نے گفتگو کا رخ بدل دیا۔

دوسرے روز دوپہر کے کھانے کے بعد جب امی جان آرام کرنے کے لئے لیٹ گئیں تو شائستہ، شفق کے کمرے میں آگئی۔ شفق نے یونیورسٹی سے دو، تین روز کی چھٹی لے لی تھی۔ ادھر ادھر کی باتوں کے بعد شائستہ نے اس کے بچوں کا ذکر چھیڑ دیا اسے شفق کی گزشتہ زندگی کے بارے میں بڑا تجسس تھا۔

"اپنے بچوں سے آپ کا ملنا نہیں ہوا بھابھی؟"۔

شائستہ نے پوچھا۔

"نہیں ملنا تو نہیں ہوا، ہاں ایک بار میں نے افق کو ایک شاپنگ سینٹر میں دیکھا تھا۔"

"اچھا! پھر!؟"

شائستہ مارے تجسس کے کچھ اور قریب جھک آئی۔

"پھر کچھ نہیں میں جلدی سے ساتھ والے اسٹور میں گھس گئی۔"

"اس نے آپ کو نہیں دیکھا۔"

"نہیں۔"

"اکیلی تھی وہ؟۔"

"اس کے ابو بھی تھے۔"

"ان کی نظر بھی آپ پر نہیں پڑی؟"

"نہیں میں نے موقع نہیں دیا کہ وہ دونوں مجھے دیکھتے۔"

"آپ تنہا تھیں؟"

"تمہارے بھائی جان ساتھ تھے۔"

"بھائی جان نے بھی دیکھا ہو گا انہیں۔"

"دیکھا بھی ہو تو کیا فرق پڑتا ہے، وہ غزنوی سے کبھی نہیں ملے۔"

پھر شفق نے شائستہ کے چہرے پر نگاہیں جماتے ہوئے کہا۔

"لیکن تم یہ سب کیوں پوچھ رہی ہو؟"

"بس، ویسے ہی، معلوم نہیں کیوں میرا بڑا دل چاہتا ہے آپ کے بچوں کو دیکھنے کا"۔

شائستہ کچھ جھینپ کر بولی پھر ایک دم اس نے پوچھا۔

"آپ کا دل بھی تو چاہتا ہو گا انہیں دیکھنے اور ان سے ملنے کو۔"

"چھوڑو ان باتوں کو، کوئی اور بات کرو شائستہ۔"

شفق نے، اپنے سینے سے اٹھتی ہوئی آہوں کا گلا اندر ہی اندر گھونٹ دیا۔

اس نے سوچا۔

شائستہ! میں تمہیں کیا بتاؤں، تمہارے بھائی کے سلوک نے مجھے ذہنی طور پر ان تمام ان کے کتنا قریب کردیا ہے جنہیں میں خود ٹھکرا کر چلی آئی تھی۔

تمہارے بھائی کا برتاؤ ہی تو ہے جس نے میری آنکھوں کے سامنے پڑے ہوئے پردوں ہٹا کر مجھے یہ احساس دلایا ہے کہ میں تو پھولوں بھری وادی کو چھوڑ کر وادی پر خار میں پھنسی ہوں۔

میری زندگی کو آگ کے شعلوں کی نذر کرنے والا کوئی اور نہیں خود میری اپنی ذات ہے۔

مجھے ہیرے اور پتھر کی پہچان تمہارے بھائی کے نارواسلوک ہی نے تو کروائی ہے۔

میں تمہیں کیا بتاؤں شائستہ! تمہارے بھائی نے میرے سینے میں کیسے کیسے چرکے اور کیسے زخم لگائے ہیں۔

میرا وجود تو ایک چلتی پھرتی لاش بن کر رہ گیا ہے۔

اپنے بچوں کو دیکھنے اور ان سے ملنے کو میرا دل کس قدر بے تاب اور بے چین رہتا ہے۔

کوئی لمحہ بھی ان کی یاد سے خالی نہیں گزرتا۔

لیکن جانتی ہوں... جس دن میری یہ خواہش، یہ تمنا زبان پر آگئی اس روز قیامت آجائے

ظلم و ستم کا پہاڑ ٹوٹ پڑے گا مجھ پر۔

اور سچ پوچھو تو مجھے کوئی حق بھی نہیں ہے اپنے بچوں کو دیکھنے اور ان سے ملنے کا۔

جب میں ان کے قریب تھی تو میں نے انہیں کیا دیا تھا؟۔

میں نے کون سے خزانے نچھاور کردیئے تھے ان پر؟

میں نے کب ان پر محبتوں اور شفقتوں کی بارش کردی تھی۔

اور پھر... اپنے اور ان کے درمیان فاصلے اور دوریاں قائم کرنے والی بھی تو میں خود ہوں۔

پتا تو خبر نہیں.... کہ وہ میرا نام بھی سننا پسند کرتے ہوں گے یا نہیں؟

اور وہ ایسا کرنے میں حق بجانب بھی ہیں۔

اگر مجھے دیکھ کر منہ بھی پھیر لیں تب بھی مجھے برا نہیں ملنا چاہیئے۔

میں اسی سلوک کی مستحق ہوں۔

شائستہ شفق کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کو بغور دیکھ رہی تھی، ضبط کی کوشش میں اس کا رخ ہوا جا رہا تھا۔

اس نے کہا۔

اصل بات یہ ہے بھابھی! کہ میں اکثر یہ سوچتی ہوں کہ جن عورتوں کے ساتھ ایسی

سچویشن ہوتی ہوگی.... میرا مطلب ہے... وہی.... جو آپ کے ساتھ ہے تو ان کے جذبات احساسات کیا ہوتے ہوں گے؟"

شفق نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

"بس یوں سمجھو کہ ایک دو دھاری تلوار ہے جو تمام عمر سر پر لٹکتی رہتی ہے' ساری ز... پل صراط پر چلنا پڑتا ہے۔"

شائستہ نے پھر کچھ کہنا چاہا تو شفق نے کہا۔

"جانے دو شائستہ اس موضوع کو کوئی اور بات کرو۔"

پھر اس نے خود ہی گفتگو کا موضوع بدلتے ہوئے کہا۔

"تم سناؤ مجھے تو اب تک تم سے پوچھنے کا موقع ہی نہیں ملا۔"

"کیا پوچھنے کا؟"

"اپنے منگیتر کو دیکھا ہے تم نے؟ کیسے ہیں؟ خوش تو ہو تم؟"

شفق کی بات سن کر شائستہ گہری سوچ میں ڈوب گئی۔

"کیوں؟ کیا بات ہے؟ کیا سوچنے لگیں؟"

"سچی بات بتادوں بھابھی آپ کو؟"

"ہاں اگر کوئی حرج نہ سمجھو تو۔"

"میں بہت مایوس ہوئی ہوں۔"

"کیوں خیریت؟ شکل و صورت کے اچھے نہیں' تعلیم یافتہ نہیں یا پھر اور کوئی بات ہے؟"

تعلیم یافتہ بھی ہیں' شکل صورت کے بھی اچھے ہیں لیکن ..." شائستہ نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"لیکن؟"

"آپ کو بھائی جان نے کچھ نہیں بتایا؟"

"بس یہی بتایا تھا کہ وہ لوگ جہیز بہت مانگ رہے ہیں۔"

"ہاں بھابھی بہت لالچی لوگ ہیں' پہلے تو ان کی کسی بات سے یہ اندازہ نہیں ہوا۔"

"ہاں واقعی بہت حریص لوگ ہیں' ایسے تعلیم یافتہ ہونے کا کیا فائدہ' پڑھے لکھے جاہل سمجھو انہیں۔"

"ویسے آپ کا کیا خیال ہے؟ بھابھی! اس قسم کے لوگوں کے ساتھ رشتہ داری قائم رکھنی چاہیئے؟"

"کیا بتاؤں شائستہ اصل میں میری پوزیشن بہت نازک ہے اس معاملے میں۔"

پھر اس نے شائستہ سے پوچھا۔

"خود تمہارا کیا خیال ہے اس سلسلے میں؟"

"سچ پوچھیں تو میرا دل بالکل نہیں چاہتا اب وہاں شادی کرنے کو' آپ اگر امی جان سے کہہ کر اس رشتے کو ختم ہی کروادیں تو مناسب ہوگا۔"

"لیکن تمہارے بھائی جان؟ وہ تو ان لوگوں کے بارے میں یہ سب کچھ جاننے کے بعد بھی اس رشتے کو ختم نہیں کرنا چاہتے۔"

"مگر ان کی فرمائشوں کی اتنی لمبی چوڑی لسٹ کس طرح پوری کریں گے وہ؟"

"کچھ نہ کچھ بندوبست کر ہی رکھا ہوگا انہوں نے۔" شفق نے ایک دبی ہوئی سانس لی۔

"کیا بندوبست کر رکھا ہوگا بھابھی! کیا مجھے اپنے بھائیوں کی مالی حیثیت کا اندازہ نہیں؟"

"ارے بھئی' یہ سب تمہارے سوچنے کی باتیں نہیں ہیں' تم کیوں پریشان ہو رہی ہو؟"

"میں اتنی خود غرض نہیں ہوں کہ ایک ایسے مسئلے کی طرف سے کان اور آنکھیں بند کرلوں جس کا تعلق مجھ سے ہو اور جس کی وجہ سے میرے گھر والوں پر بوجھ پڑے۔"

شفق خاموش رہی۔

شائستہ نے کہا۔

"اور مجھے یقین ہے ان لوگوں کی فرمائشوں اور مطالبات کا سلسلہ یہیں ختم نہیں ہوجائے گا بلکہ زندگی بھر یہ سلسلہ چلتا رہے گا۔"

"تمہاری بات ہے تو درست لیکن پھر بقول تمہارے بھائی جان کے ایک اچھا رشتہ ہاتھ سے نکل جائے گا۔"

"اسے اچھا رشتہ کہنا چاہیئے؟ ایسے رشتے سے تو رشتہ نہ ہونا ہی بہتر ہے۔"

شائستہ کے لہجے میں خاصی تلخی آگئی تھی۔

اگلے روز شفق یونیورسٹی سے آئی تو کھانا کھانے کے دوران امی نے اس سے کہا۔

"کھانا کھانے کے بعد اگر کوئی مصروفیت نہ ہو تو کچھ دیر کے لئے میرے پاس آجانا۔"

"جی بہت بہتر! خیریت تو ہے نا؟"

"ہاں ویسے تو خیریت ہی ہے ایک اہم مسئلے پر تم سے بات کرنی ہے۔"

شفق سمجھ گئی کہ کون سا اہم مسئلہ زیر گفتگو ہوگا۔

کھانا کھا کر امی جان اپنے کمرے میں چلی گئیں تو شائستہ نے شفق کے ساتھ برتن سمیٹتے ہوئے کہا۔

"بھابھی! آپ سمجھ تو گئی ہوں گی نا کہ امی کس موضوع پر آپ سے بات کرنا چاہتی ہیں۔"

"ہاں۔"

"بس تو پھر آپ میرے خیالات بھی امی کو بتا دیجئے گا۔"

شفق سوچ میں پڑ گئی۔

"آپ کیا سوچنے لگیں؟"

"ہوں' میں سوچ رہی ہوں شائستہ! کہ تم جذباتی ہونے کی بجائے ٹھنڈے دل ودماغ سے اس معاملے پر غور کرو۔"

"ٹھنڈے دل و دماغ سے ہی غور کیا ہے' یہ کوئی جذباتی فیصلہ نہیں ہے۔ اگر امی قائل ہو گئیں نا! تو میرا خیال ہے بھائی جان کو سمجھالیں گی۔"

"اچھی بات ہے' میں امی جان کو بتادوں گی۔"

شفق' امی جان کے پاس پہنچی تو اس کی توقع کے مطابق گفتگو کا موضوع وہی شائستہ کے سسرال والے تھے۔

انہوں نے بغیر کسی تمہید کے کہا۔

"شائستہ کے سسرال والوں کے بارے میں بات کرنی تھی تم سے۔"

"جی فرمائیے۔"

"عارف نے تمہیں بتایا تو ہوگا ہی کہ ان لوگوں کے مطالبات کی فہرست میں کیا کچھ شامل ہے۔"

"جی ہاں۔"

"پھر تمہارا کیا خیال ہے؟ کچھ مشورہ دو' کیا کرنا چاہیے؟"

شفق خاموش رہی۔

امی جان نے کہا۔

"دیکھو بیٹی! تم مجھے اپنی باقی بہوؤں کے مقابلے میں زیادہ سمجھدار' پڑھی لکھی اور سلجھی ہوئی معلوم ہوتی ہو' اس لئے میں سمجھتی ہوں کہ تم زیادہ بہتر مشورہ دے سکو گی۔"

"یہ تو آپ کی محبت اور آپ کا حسن ظن ہے۔"

"میں لگی لپٹی باتیں نہیں کرتی' جو حقیقت ہوتی ہے وہی کہتی ہوں۔"

شفق سر جھکائے خاموش بیٹھی رہی۔

امی جان نے کہا۔

"میری ذاتی رائے تو یہ ہے کہ اس منگنی کو ختم کر دینا چاہیئے بے شک لڑکی دو' تین سال اور گھر بیٹھی رہے' بجائے اس کے کہ اس جال میں پھنس کر ساری زندگی وہ خود بھگتتی رہے اور ہم بھی پریشان رہیں۔"

شفق نے پھر بھی کچھ نہیں کہا۔

امی جان نے کہا۔

"ان لوگوں کی نیت اب پوری طرح واضح ہو چکی ہے' ان لوگوں کی دی ہوئی فہرست کے مطابق اگر کسی نہ کسی طرح جہیز [illegible]ئے تب بھی فائدہ کچھ نہیں ہوگا' ایسے حریص لوگ لڑکی کے میکے والوں سے کچھ نہ کچھ وصول کرنے کی کوئی نہ کوئی رسم کوئی نہ کوئی موقع ہمیشہ

ڈھونڈ لیتے ہیں..."

شفق نے سوچا۔

"امی جان کے خیالات میرے خیالات سے کچھ مختلف نہیں ہیں لیکن عارف ہیں کہ میری اور سچی باتوں کو سن کر چراغ پا ہو گئے"۔

امی جان نے اسے خاموش پاکر کہا۔

"اور پھر اس قسم کے لوگوں کے مطالبات اگر نہ پورے کئے جاسکیں تو وہ لڑکی کی زندگی ... بنا دیتے ہیں"

شفق نے پھر بھی کچھ نہیں کہا تو امی جان بولیں۔

"تم بھی تو کچھ بولو دلہن! میں صحیح کہہ رہی ہوں یا غلط؟"۔

شفق نے کہا۔

"آپ اگر عارف سے تذکرہ نہ کریں تو میں کچھ کہوں"

"ہاں' ہاں تم کہو' میں عارف سے کچھ نہیں کہوں گی"

"دراصل بات یہ ہے امی جان! کہ بالکل انہی خیالات کا اظہار میں نے عارف سے کیا تھا ... نہیں بہت ناگوار گزرا تھا"۔

"ناگوار گزرا تھا۔"

"جی ہاں' بہت ناراض ہوئے تھے وہ مجھ پر' انہوں نے تو مجھے یہ طعنہ تک دے دیا کہ ... اپنی بہن کا معاملہ نہیں ہے اس لئے میں نے اتنی آسانی سے رشتہ ختم کرنے کی بات کہہ ..."

"ارے نہ! عارف کا تو دماغ خراب ہو گیا ہے"

پھر انہوں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"میں اگر چپ ہوں تو اس وجہ سے کہ کہیں شائستہ اس بات کو محسوس نہ کرے' کہیں وہ یہ سوچے کہ ان لوگوں کی حسب منشا جہیز نہ دینے کی وجہ سے امی نے اس رشتے کو ہی ختم ..."

شفق نے کہا۔

"نہیں امی جان! شائستہ کی طرف سے تو آپ مطمئن رہیں' وہ ایسی بات نہ سوچے گی نہ ... کرے گی"

"کیوں؟ اس سلسلے میں تمہاری اس سے کوئی بات ہوئی ہے؟"

"جی' کل ہی تو ہم دونوں میں اس موضوع پر بات ہوئی ہے"۔

"اچھا کیا کہہ رہی تھی وہ؟"

"یہی کہہ رہی تھی کہ بہت لالچی لوگ ہیں' ایسے لوگوں کے ساتھ رشتے داری رکھنی ہی

نہیں چاہیے"۔
"ہاں عقلمندی کا تقاضا تو یہی ہے"۔
"ابھی جب آپ مجھ سے اپنے پاس آنے کے لئے کہہ کر چلی آئیں تب بھی شائستہ نے کہا تھا کہ میں اس کے خیالات آپ پر واضح کر دوں"۔
"ہوں"۔
امی جان نے ایک گہری سانس لی۔
"وہ بھی اس بات سے ڈر رہی ہے کہ کہیں بعد میں اس کے سسرال والے اسے پریشان نہ کریں"۔
"اس کے امکانات تو ہیں"۔
"لیکن امی جان..."۔
شفق جانے کیا سوچ کر آگے نہ بول سکی۔
"ہاں کہو، رک کیوں گئیں؟"۔
"عارف تو ہم لوگوں کی رائے سے بالکل متفق نہیں ہوں گے، وہ یقیناً اس کی مخالفت کریں گے"۔
"تم تو اس معاملے پر عارف سے کوئی بات ہی نہ کرنا، میں کسی وقت تمہارا ذکر درمیان میں لائے بغیر عارف سے اس مسئلے پر بات کروں گی"۔
"جیسے آپ مناسب سمجھیں"۔
"ہاں میں دیکھتی ہوں، عارف میرے سامنے کیا کہتا ہے، اگر اسے میری رائے سے اختلاف ہوا تو میں اس سلسلے میں کسی سے مزید کوئی بات کئے بغیر اپنے طور پر جو فیصلہ مناسب سمجھوں گی کروں گی"۔
"ٹھیک ہے"۔
"جاؤ اب تم جا کر آرام کرو"۔
"اور ذرا اپنی طرف بھی توجہ دیا کرو"۔
"جی!!"۔
شفق نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔
"ہاں، اپنا خیال رکھا کرو، کیا حالت بنا رکھی ہے تم نے؟"۔
"کچھ بھی تو نہیں ہوا مجھے، میں تو بالکل ٹھیک ہوں" شفق نے زبردستی مسکراتے ہوئے کہا۔
اس کے سینے میں اٹھتی ہوئی آہ اندر ہی اندر دم توڑ کر رہ گئی۔
"اپنی غذا کا ہی خیال رکھا کرو، دوہری ذمہ داری ہے تمہارے اوپر، ملازمت بھی کرتی ہو، گھر بھی دیکھتی ہو، بہت بوجھ پڑ جاتا ہے اس طرح عورت پر"۔

شفق نے سوچا۔
میں چاہے اچھی سے اچھی غذا کھالوں، بہترین سے بہترین دوائیں اور ٹانک استعمال کرلوں، تب بھی میری صحت پر کوئی خوشگوار اثر نہیں پڑے گا۔
دل و دماغ پر عارف کے لگائے ہوئے کچوکے صحت بنانے کی ساری کوششوں پر پانی پھیر دیں گے۔
عارف فیضی اور امی جان کے درمیان شائستہ کے سسرال والوں کے بارے میں کب اور کس وقت گفتگو ہوئی، شفق کو یہ تو معلوم نہیں ہوا ہاں ایک روز امی جان سے ہی یہ ضرور معلوم ہوا کہ عارف اس منگنی کو توڑنے پر آمادہ نہیں ہیں ان کا خیال ہے کہ شائستہ کی سسرال ان کی مرضی کے مطابق ہی جہیز بن جائے گا۔
شفق سمجھ گئی... کہ عارف کی نگاہیں اس بنگلے پر ہیں۔
ان کی امیدوں اور توجہ کا مرکز غزنوی کا دیا ہوا وہی بنگلہ ہے جو ان لوگوں کے درمیان پہلے جھگڑے کا سبب بن چکا ہے۔
شفق نے سوچا۔
عارف ہار نہیں مانیں گے۔
...ونس سے، دھمکی سے کسی بھی طرح وہ بنگلہ مجھ سے لے کر ہی رہیں گے۔
ایک نہ ایک دن مجھے تہی دامن کر کے ہی رہیں گے۔
اور شفق کا یہ خیال سچ ہی ثابت ہوا ایک روز شائستہ نے اس سے پوچھا۔
"بھابی! آپ کا کوئی بنگلہ بھی ہے؟"۔
"کیسا بنگلہ؟"۔
شفق نے انجان بن کر پوچھا۔
"میرا مطلب ہے، غزنوی صاحب نے آپ کو کوئی بنگلہ خرید کر دیا تھا"۔
"ہاں"۔
"ایک بات کہوں آپ سے"۔
"کہو"۔
"آپ اس بنگلے کو کسی قیمت پر بھی مت بیچئے گا"۔
"کیوں؟ تم سے کس نے کہا کہ میں اس بنگلے کو فروخت کر رہی ہوں؟"۔
"یہ بات بتانا میں نہ ضروری سمجھتی ہوں نہ مناسب، لیکن میری بات آپ یاد رکھئے چاہئے کچھ ہو جائے اس بنگلے کو بیچنا نہیں ہے"۔
شفق نے پھر کچھ نہیں پوچھا، خاموش بیٹھی سوچتی رہی۔

شائستہ اور امی جان تقریباً ڈیڑھ مہینے وہاں رہیں۔ اس دوران عارف فیضی کا برتاؤ شفق کے ساتھ ٹھیک ہی رہا ان دونوں کے درمیان کوئی تلخ کلامی نہیں ہوئی بنگلہ کے سلسلے میں بھی عارف فیضی نے اس سے کوئی بات نہیں کی۔ ہاں ان کی باہر کی مصروفیتوں میں کوئی خاص کمی نہیں آئی۔

شفق کا دل چاہتا تھا... امی جان اور شائستہ ہمیشہ ان کے ساتھ رہیں کتنی رونق تھی ان دونوں کے دم سے گھر میں۔

امی جان اور شائستہ اس کے پکائے ہوئے کھانوں کی تعریفیں کرتی' اس کے سلیقے اور سگھڑاپے کو سراہتیں اور اس کی ذات میں دلچسپی لیتیں' اس پر توجہ دیتیں ایک بار نہیں' کئی بار ان دونوں نے اس سے اپنی صحت کا خیال رکھنے کو کہا۔

عارف فیضی نے بھی یہ سب کچھ کہا تھا' لیکن یہ سب بہت شروع کی باتیں تھیں۔ شادی کے ابتدائی دنوں کے چونچلے تھے۔

ان کے لہجے میں بھی کبھی شہد کی مٹھاس تھی لیکن اب تو بیشتر اوقات ان کی زبان سے زہر میں بجھے ہوئے الفاظ ہی ادا ہوتے تھے۔

طنز بھرے جملے ہی رہ گئے تھے اب ان کے پاس۔

امی جان نے بھی لاہور جانے سے پہلے شفق سے کہا۔

"دیکھو بیٹی' بنگلے کو فروخت کرنے کی غلطی ہرگز مت کرنا"۔

شفق نے ان کی بات سن کر سوچا۔

آپ کو کیا معلوم اس بنگلے کے پیچھے میں نے کتنی ذلت آمیز باتیں سنی ہیں۔

عارف فیضی کے بدترین سلوک کو برداشت کرنا پڑا ہے مجھے اس بنگلے کی خاطر۔

شائستہ اور امی جان چلی گئی تو گھر میں ایک بار پھر سناٹا چھا گیا۔

اس گھر میں رہتے ہوئے شفق کو وحشت ہونے لگی۔

عارف فیضی کی باہر کی بڑھتی ہوئی مصروفیات کا عقدہ بھی ایک روز کھل ہی گیا۔ عارف فیضی کوئی گمنام شخصیت تو تھے نہیں جو ان کی ذات سے وابستہ کوئی بات ہوتی اور ڈھکی چھپی رہتی۔ دن بدن لوگوں میں چہ میگوئیاں بڑھتی ہی جا رہی تھیں۔

اڑتے اڑتے یہ خبر شفق کے کانوں تک بھی آپہنچی وہ اگر اتنے عرصے میں عارف فیضی کی شخصیت کو اچھی طرح سمجھ نہ گئی ہوتی تو ان کے بارے میں اڑتی ہوئی خبروں کو محض افواہ سمجھ کر ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے اڑا دیتی لیکن عارف فیضی کو اس نے جتنی پستیوں میں گرے ہوئے دیکھ لیا تھا اس کے بعد ان کے بارے میں ہونے والی چہ میگوئیوں کو افواہ کیسے سمجھ لیتی۔

پہلے عارف فیضی شفق کو ہر ادبی محفل' مشاعرے میں ساتھ لے کر جاتے تھے بعض اوقات ان دونوں کے درمیان جھگڑا ہوتا تھا تب بھی ایسے موقعوں پر وہ اسے ساتھ ضرور لے جاتے تھے لیکن ادھر کچھ عرصے سے شفق محسوس کر رہی تھی کہ عارف فیضی اسے اپنے ساتھ لے جانے سے کترانے لگے تھے۔

ایسی ہی تقاریب کے موقعوں پر شفق نے کئی بار محسوس کیا تھا کہ وہ عارف فیضی کے آس پاس ہی منڈلاتی رہتی تھی۔

عارف فیضی سے بات کرتے وقت اس کا لب و لہجہ۔

ان کے کلام اور ان کی تحریروں کی تعریفیں کرتے وقت اس کا وہ انداز بے خودی۔

شفق کئی با۔ چونکی تھی لیکن....

لیکن پھر یہ سوچ کر اس نے اپنے آپ کو تسلی دے لی تھی کہ وہ عارف فیضی کی بہت مداح ہے۔

عارف فیضی کی مداح خواتین کی کوئی کمی نہیں تھی، ان میں سے بیشتر دیوانہ وار ان کی طرف بڑھتی تھیں۔ شفق نے یہ سوچ کر اپنے آپ کو سمجھالیا کہ اچھے شاعروں اور اچھے ادیبوں کے ساتھ اس قسم کے واقعات کا ہونا کوئی انوکھی بات نہیں اور کوئی ایسی معیوب بات بھی نہیں۔

عارف فیضی نے خود اس کا تعارف شفق سے کرایا۔

"شفق! یہ ماہرہ ہیں، ایک ادبی پرچے سے منسلک ہیں، افسانہ نگاری بھی کرتی ہیں"۔

"اچھا" شفق نے مسکرا کر ان کا استقبال کیا۔

"ہندوستان سے آئے ہوئے کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا انہیں"۔

"آپ ہندوستان سے آئی ہیں؟ کتنا عرصہ ہوا؟"۔

"دو سال ہو گئے"۔

"وہاں بھی یہ ایک پرچے میں ہی کام کرتی تھیں انٹرویو کا شعبہ زیادہ پسند ہے انہیں"۔ عارف فیضی نے کہا۔

ماہرہ نے مسکرا کر کہا۔

"یہ بھی بتایئے کہ آپ کا انٹرویو بھی لے چکی ہوں عنقریب پڑھنے کو ملے گا"۔

شفق نے کہا۔

"اچھا" تو گویا اب آپ مستقل طور پر یہاں آ گئی ہیں"۔

"جی! دراصل میرے ابو کا انتقال ہو گیا تھا اس لئے بھائیوں اور بھابیوں کے اصرار پر میں اور امی یہاں آ گئے"۔

"ہوں"۔

شفق نے ایک بار پھر غور سے ماہرہ کی طرف دیکھا اور سوچا۔

غالباً" شادی ابھی تک نہیں ہوئی، عمر اگرچہ خاصی ہو چکی ہے، چالیس سال سے کم تو کسی طرح بھی نہیں ہے.... ویسے ممکن ہے کہ دیکھنے میں ہی زیادہ عمر معلوم ہوتی ہو حقیقت میں اتنی نہ ہو۔

اس نے خود ہی اپنے پہلے خیال کو جھٹلا دیا۔

ماہرہ سے شفق کی یہ پہلی ملاقات تھی۔ اس کے بعد بھی چند دفعہ ادبی محفلوں اور مشاعروں میں اس نے ماہرہ کو دیکھا۔ ان چند دفعہ میں ہی شفق کو اندازہ ہو گیا کہ ماہرہ کو لوگوں میں گھس

گھس کر اپنی شخصیت کی پہچان کروانے کا بڑا شوق تھا۔

اس کی یہ خواہش بھی شفق سے چھپی نہ رہ سکی کہ وہ علم و ادب کی دنیا میں جلد از جلد ایک مقام، ایک نام حاصل کرنے کی خاطر بہت کچھ کر گزرنے کو تیار ہے۔

اخباروں میں رسالوں میں کسی نہ کسی طرح اپنا نام چھپوانے کا شوق تھا۔

ہر مشاعرے، ہر محفل میں ماہرہ موجود ہے، لوگوں سے مل رہی ہے، مسکرا رہی ہے، خواہ کسی کا کلام کسی کی تحریر اچھی ہے یا نہیں ہے اسے سراہ رہی ہے۔

عارف فیضی کو وہ کچھ زیادہ ہی سراہ رہی ہے۔

ان کے اردگرد کچھ زیادہ ہی منڈلا رہی تھی۔

دیکھنے والی نگاہیں دیکھ رہی تھیں۔

لوگوں میں سرگوشیاں ہو رہی تھیں۔

معنی خیز نگاہوں کے ڈھکے چھپے وار ان پر جاری تھے لیکن....

لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ان دونوں کے نزدیک ان سب باتوں کی کوئی اہمیت ہی نہ ہو۔

اور شفق... وہ عارف فیضی اور ماہرہ کے بارے میں دن بدن، مختلف لوگوں سے اتنا کچھ سن رہی تھی کہ اس کی فکر اور پریشانی قدرتی تھی۔

وہ عارف فیضی سے ماہرہ کے بارے میں بات کرنا چاہتی تھی، ان سے بہت کچھ پوچھنا چاہتی تھی لیکن کئی دفعہ سوچنے کے باوجود اپنے آپ میں ہمت نہیں پیدا کر سکی تھی۔

وہ عارف فیضی کو بہت اچھی طرح سمجھ گئی تھی وہ ان کے غصے سے ڈرتی تھی۔

دن پر دن گزرتے جا رہے تھے اور وہ انجانے خدشوں کو ذہن میں بسائے سوچ کر رہ جاتی تھی کہ عارف فیضی سے پوچھے یا نہ پوچھے۔

کچھ دن اور سوچ بچار میں گزر گئے شفق اپنے آپ میں اس بات کی ہمت نہیں پیدا کر سکی کہ وہ عارف فیضی سے ماہرہ اور ان کے بڑھتے ہوئے تعلقات کے بارے میں پوچھ سکتی اخباروں اور رسالوں میں دبے دبے لفظوں میں تبصرے ہو رہے تھے لوگوں میں چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں۔ شفق اندر ہی اندر کڑھ رہی تھی خوفزدہ ہو رہی تھی اپنا مستقبل تو اسے پہلے ہی خطرے میں نظر آ رہا تھا لیکن اب ماہرہ سے عارف فیضی کے بڑھتے ہوئے میل جول نے اس خطرے کو دو چند کر دیا تھا۔

اندر ہی اندر جل جل کر کڑھ کڑھ کر اس کی صحت خراب ہوئی جا رہی تھی ہر روز وہ ارادہ کرتی کہ آج عارف فیضی سے اس موضوع پر ضرور بات کرے گی لیکن اس کا ارادہ ریت کی دیوار ثابت ہوتا ان کا سامنا ہوتا تو وہ ان سے کچھ نہ کہہ پاتی کچھ نہ پوچھ پاتی اس کے دل و دماغ میں خوف سا جاتا وہ جانتی تھی کہ جب عارف فیضی سے کوئی جواب نہیں بن پڑے گا تو وہ طنز.... پر اتر آئیں گے غصے میں آپے سے باہر ہو جائیں گے اور نتیجہ آخر کار یہی ہو گا کہ وہ

اس پر ہاتھ اٹھائیں گے اسے ذلیل کریں گے اور وہ سوائے آنسو بہانے کے اور کچھ نہ کر سکے گی۔

لیکن شفق آخر کب تک خاموش رہتی؟ ایک روز جب عارف فیضی کا موڈ غیر معمولی طور پر خوشگوار تھا شفق ہمت کر کے ان سے پوچھ ہی بیٹھی۔

"اگر آپ برا نہ مانیں تو ایک بات پوچھوں"۔

"پوچھو"۔

وہ اپنے مجموعہ کلام کے نئے ایڈیشن کے اوراق پلٹتے ہوئے بولے۔

"آج کل آپ کے اور ماہرہ کے بارے میں بڑی سرگوشیاں ہو رہی ہیں"۔

"ہیں! اچھا"۔

عارف فیضی نے چونک کر انجان بنتے ہوئے کہا۔

شفق نے کہا۔

"آپ کو نہیں معلوم؟"۔

"نہیں مجھے اتنی فرصت کہاں ہے کہ ایسی باتوں کی طرف دھیان دوں"۔

"اخبار والوں کو تو جھوٹی سچی خبریں چھاپنے کا مرض ہوتا ہے"۔

"ہاں لیکن پھر بھی"۔

"شفق نے مصلحتاً بات ادھوری چھوڑ دی"۔

"لیکن پھر بھی سے کیا مطلب ہے تمہارا؟"۔

"میرا مطلب ہے رائی ہوتی ہے تو پہاڑ بنتا ہے"۔

"کہنا کیا چاہتی ہو تم؟"۔

"میں تو صرف یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ یہ جو اتنی چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں آئے دن خبریں چھپ رہی ہیں آپ لوگوں کے بارے میں تو اس میں حقیقت کتنی ہے؟"۔

"کوئی حقیقت نہیں"۔

"کوئی حقیقت نہیں!!"۔

شفق نے حیرت زدہ انداز میں پوچھا۔

"نہیں بھئی! اب کیا یہ بات لکھ کر دوں؟"۔

"آدمی زبان سے ہی سچ بات کہہ دے تو پھر لکھ کر دینے کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے"۔

"تمہارا مطلب ہے میں غلط بیانی سے کام لے رہا ہوں"۔

"نہیں! لیکن"۔

شفق نے بات ادھوری چھوڑ دی اس کی آنکھیں سوچوں میں ڈوب گئیں۔

"لیکن کیا؟"۔

"میرا مطلب ہے رائی ہوتی ہے تو پہاڑ بنتا ہے"۔

عارف فیضی نے تیکھی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا اور بولے۔

"میں دیکھ رہا ہوں کہ تم میں ایک نئی خوبی پیدا ہو گئی ہے"۔

"جی!"۔

شفق ان کی بات کا مطلب نہیں سمجھی۔

"شک کا مرض بھی لاحق ہو گیا ہے تمہیں"۔

"میرا تو خیال ہے مجھے شک نہیں ہے۔ اس لئے کہ لوگوں کی زبان پر جو باتیں ہیں اخباروں میں جو کچھ چھپ رہا ہے اس میں کچھ نہ کچھ حقیقت ضرور ہے"۔ شفق نے ہمت کر کے کہہ ہی دیا۔

عارف فیضی نے بے حد چڑے ہوئے انداز سے اس کی طرف دیکھا اور بولے۔

"شک اور وہم جب کسی شخص کے دل و دماغ میں جگہ بنا لیں تو بعض اوقات ذہنی توازن بگڑ جاتا ہے"۔

شفق نے سوچا۔

دوسرے معنوں میں آپ مجھے پاگل قرار دے رہے ہیں۔ اب جب کہ اس موضوع پر بات شروع ہو ہی چکی ہے تو اسے بیچ میں چھوڑ دینے کا کیا فائدہ؟ اس کی وضاحت ہو ہی جانی چاہیے۔

"ہر جگہ، ہر موقع پر آپ اور ماہرہ کیسے اکٹھا ہو جاتے ہیں؟"۔

"مشاعروں میں، ادبی محفلوں میں، مختلف کتابوں کی تقریب رونمائی کے موقع پر مجھے بلایا جاتا ہے یا نہیں؟" عارف فیضی نے کہا۔

"ہاں وہ تو مجھے معلوم ہے لیکن ماہرہ ہر جگہ کیسے پہنچ جاتی ہے؟"۔

"یہ سوال تم اس سے کرو"۔

عارف فیضی وہاں سے اٹھ گئے۔

شفق نے سوچا۔

بات جہاں سے شروع ہوئی تھی وہیں کی وہیں ہے اب آگے کیسے بڑھاؤں؟ یہ تو اٹھ کر چل بھی دیئے۔

خیر! اب جب کبھی بھی ان دونوں کے بارے میں کوئی بات سنوں گی اسی روز موقع پر ہی پوچھ لیا کروں گی۔

کچھ ہی روز گزرے تھے کہ شفق نے ماہرہ کو عارف فیضی کی گاڑی میں ان کے ساتھ بیٹھے دیکھا۔ ہوا یوں تھا کہ اس روز مسز رضوی کو اپنی بھانجی کی سالگرہ کے لئے کوئی گفٹ لینا تھا۔

کلاسز ختم ہوئیں تو وہ شفق کو اپنے ساتھ بازار لے گئیں وہیں ایک مصروف شاہراہ پر شفق نے عارف فیضی کے ساتھ ماہرہ کو دیکھا۔

ماہرہ کا خوشی اور مسرت سے بھرپور چہرہ اور عارف فیضی کے ہونٹوں پر بکھری ہوئی مسکراہٹ یہ سب دیکھنے کے لئے شفق کو صرف چند لمحے ہی تو درکار تھے۔ شفق کی ٹیکسی مخالف سمت کی طرف جاتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔

شفق نے ایک دبی ہوئی سانس لے کر سوچا۔

ساری دنیا جھوٹی ہے صرف آپ سچے ہیں عارف فیضی۔

جو کچھ آپ کر رہے ہیں اس کا اعتراف کرنے کے لئے آپ کو ابھی اور کتنے ثبوت چاہئیں؟

اس نے ارادہ کر لیا۔

آج کا حساب آج ہی بیباق ہو گا۔ ہر دفعہ تو معاملہ ادھار پر نہیں چھوڑا جا سکتا۔

عارف فیضی گھر آگئے تو شفق نے ایک کڑی نگاہ ان پر ڈالی اور چائے بنانے کچن میں چلی گئی غسل کر کے اور کپڑے تبدیل کر کے عارف فیضی چائے کی میز پر آئے تو شفق نے ان کے لئے کپ میں چائے انڈیلتے ہوئے کہا۔

"آج میں نے آپ کو صدر میں دیکھا تھا"۔

"اچھا کس وقت؟"۔

عارف فیضی چونکے۔

"یہی کوئی دو بجے ہوں گے"۔

"تم آج صدر گئی تھیں؟"۔

"جی!"۔

"کس سلسلے میں؟"

انہوں نے بات کا رخ بدل دیا۔

"مسز رضوی کو کچھ شاپنگ کرنی تھی انہی کے ساتھ گئی تھی"۔

"میرا خیال ہے تم نے کسی اور کو دیکھا ہو گا"۔

"نہیں' آپ کو نہیں پہچانوں گی میں؟"۔
پھر اس نے عارف فیضی کو کوئی اور بات کرنے کا موقع دیئے بغیر کہا۔
"ماہرہ بھی تھی آپ کے ساتھ"۔
ماہرہ کا نام سن کر عارف فیضی کچھ سنبھل کر لیکن بے حد ڈھٹائی سے بولے۔
"اگر ماہرہ ساتھ تھی تب تو پھر تم نے مجھے ہی دیکھا ہوگا"۔
شفق ان کی اس ڈھٹائی پر حیران نگاہوں سے ان کی طرف دیکھتی رہ گئی۔
عارف فیضی نے فوراً صفائی پیش کرتے ہوئے کہا۔
"میں ادھر سے گزر رہا تھا وہ رکشہ کے انتظار میں کھڑی تھی اس وقت صدر میں سواری کہاں ملتی ہے؟"۔
شفق خون کے گھونٹ پی کے رہ گئی۔
عارف فیضی نے چائے کا گھونٹ لے کر کہا۔
"کیوں؟ کیا تمہیں یہ بات ناگوار گزری؟"۔
"کون سی بات؟"۔
بوقت ضرورت اگر میں نے اسے لفٹ دے دی۔
"مجھے ناگوار گزرے بھی تو آپ کے لئے کیا فرق پڑتا ہے"۔
"اگر تمہیں یہ بات ناگوار گزری ہے تو بڑے افسوس کا مقام ہے"۔
"اچھا!"۔
شفق کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ تھی۔
"اور کیا' اتنا تنگ نظر نہیں ہونا چاہیے انسان کو"۔
شفق نے ان کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔
پھر ایک روز عارف فیضی کے بہت عزیز دوست ارشد کی بیوی نے شفق کو بتایا کہ تین چار روز پہلے میں نے عارف بھائی کو ماہرہ کے ساتھ ایک ہوٹل میں لنچ لیتے دیکھا تھا۔
شفق نے اس بات کا تذکرہ بھی عارف فیضی سے کردیا۔ عارف فیضی کچھ کھسیانے سے ہوگئے پہلے تو ان سے کوئی جواب ہی نہ بن پڑا پھر چند سیکنڈ بعد کچھ سوچ کر بولے۔
"وہ دراصل میں لنچ کے لئے جا رہا تھا اتفاق سے اسی وقت وہ میرے پاس کسی کام سے آگئی۔ میں نے تو محض رسمی طور پر کہا تھا وہ سچ مچ رضامند ہوگئی"۔
پھر انہوں نے خود ہی پوچھا۔
"تمہیں اس بات پر اعتراض ہے؟"۔
"میرے اعتراض کرنے سے بھلا ہوگا بھی کیا"۔
شفق نے ایک سانس لے کر کہا۔

عارف فیضی مسکرا کر بولے۔
"بھئی میں تو سمجھتا ہوں کہ اس قسم کی چھوٹی چھوٹی باتوں کو کوئی اہمیت نہیں دینی چاہیے۔ شہرت کی جس اسٹیج پر ہوں اس اسٹیج پر پہنچ کر تو انسان مجبور ہو جاتا ہے"۔
"میرا مطلب ہے کہ حلقہ احباب وسیع ہوتا جاتا ہے مرد و زن کی کوئی تخصیص باقی نہیں رہتی اور کسی سے بے رخی اور بے نیازی بھی نہیں برتی جاسکتی"۔
شفق نے طنزیہ انداز سے سوچا۔
خوب! یہ چند جملے زبان سے ادا کر کے آپ نے ہمیشہ کے لئے اپنا راستہ صاف کرلیا۔
عارف فیضی نے اسے سوچوں میں ڈوبا دیکھ کر پوچھا۔
"کیوں تم کیا سوچنے لگیں"۔
شفق نے ایک لمحے کے لئے ان کی طرف دیکھا اور بولی۔
"ہاں میں یہ سوچ رہی تھی کہ چلئے آپ کے کہنے پر میں ان چھوٹی چھوٹی باتوں کو اہمیت نہیں دیتی لیکن اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ یہ اتفاقیہ ملاقاتیں دھیرے دھیرے آپ دونوں کے تعلقات کو بڑھنے نہیں دیں گی"۔
"اچھا اس بات سے ڈرتی ہو"۔
"جی"۔
"یہ تعلقات اگر بڑھے بھی تو کس حد تک بڑھیں گے؟ کس حد تک بڑھ سکتے ہیں؟"۔
"حد؟ تعلقات جب بڑھنے پر آجائیں تو ان کی حد بندی نہیں کی جاسکتی تمام حدود کو پھلانگ جاتے ہیں وہ"۔
"چھوڑو بھی تم کس بحث میں الجھی ہوئی ہو۔ یہ تو مجھ پر منحصر ہے میں جتنا... چاہوں آگے بڑھ جاؤں۔ جتنا چاہوں پیچھے ہٹ جاؤں"۔
"آپ پیچھے ہٹنا ہی کیوں چاہیں گے"۔
"اور آگے کیوں بڑھنا چاہوں گا؟ میرا مطلب ہے ماہرہ میں ہے ہی کیا جو میں اس کی طرف بڑھوں گا؟"۔
شفق خاموش رہی لیکن اس نے سوچا۔
ہاں ہو سکتا ہے کہ آپ کو ماہرہ اتنی اچھی نہ لگے کہ آپ اس سے شادی کرنے کے بارے میں سوچیں لیکن وقت گزاری کے لئے تو ایک اچھا شغل ہے آپ کے پاس۔
اور پھر مرد کے پاس وقت گزاری کے لئے جب کوئی دوسری عورت ہو تو بیوی کے لئے رہ کیا جاتا ہے۔
ساری تفریحات۔ ساری خوبصورت باتیں پیار بھرا انداز گفتگو سب کچھ تو اس کے لئے وقف ہو جاتا ہے بیوی کے لئے تو بس رسمی انداز گفتگو اور کاروباری سے تعلقات رہ جاتے ہیں۔

شفق عارف فیضی سے ماہرہ کے تعلقات کے بارے میں بہت کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن وہ محسوس کر رہی تھی کہ عارف فیضی اس وقت مزید گفتگو کرنے کے موڈ میں نہیں تھے ان کی مرضی کے خلاف اس وقت اس موضوع پر مزید بات کرنے کا مطلب یہ تھا کہ وہ جھلا جاتے۔ چڑجاتے' دونوں میں تلخ کلامی ہوجاتی اور اس سے شفق کو کچھ بھی حاصل نہ ہوتا۔

اس وقت شفق نے خاموش رہنا ہی مناسب سمجھا لیکن اس نے سوچ لیا تھا کہ اس معاملے میں مکمل خاموشی بھی اس کے لئے سود مند نہیں ہوگی۔

وقفے وقفے سے عارف فیضی کو یہ احساس دلانا ضروری ہے کہ جو کچھ وہ کر رہے ہیں وہ اس سے بے خبر نہیں ہے اور اگر وہ بالکل اندھی' بہری' گونگی' بن کر بیٹھی رہی تو عارف فیضی کو آگے بڑھنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ روکنے ٹوکنے سے ممکن ہے کہ وہ اگر پیچھے نہ ہٹے تو آگے بھی نہیں بڑھ سکیں گے

پھر شفق کو گفتگو کا ایک موضوع ہاتھ آگیا جب بھی موقع ملتا وہ ماہرہ کے بارے میں کرید کرید کر ان سے پوچھنے لگی۔ گھما پھرا کر ان سے سوال کرنے لگی۔ کئی دفعہ عارف فیضی کی چوری پکڑی گئی۔ وہ لاجواب ہوگئے۔ شرمندہ ہوگئے۔ لیکن آہستہ آہستہ انہوں نے ڈھٹائی پر کمر باندھ لی۔ وہ لاجواب اور شرمندہ ہونے کے بجائے تلخ کلامی پر اتر آئے۔ دونوں میں تو تو میں میں ہونے لگی۔ اور جب ان کا غصہ حد سے بڑھنے لگتا تو مجبوراً" شفق کو خاموشی اختیار کرنی پڑتی ورنہ دوسری صورت میں عارف فیضی اسے تھپڑوں سے نوازتے۔

پھر ایک روز عارف فیضی اور ماہرہ کو ایک پکچر ہاؤس میں ساتھ ساتھ دیکھا گیا شفق نے جب ان سے پوچھا تو عارف فیضی بری طرح چڑ کر بولے۔

"تمہیں اور تمہاری سہیلیوں کو میری جاسوسی کرنے کے سوا اور کوئی کام نہیں ہے۔"

"میری کسی سہیلی نے نہیں بلکہ آپ کے ہی ایک چہیتے دوست کی بیوی نے بتایا ہے۔"

شفق بھی تلخ ہو کر بولی۔

عارف فیضی بولے تو کچھ نہیں ہاں چند سیکنڈ تک کھا جانے والی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے رہے ان کی خاموشی سے شفق کو اور شہ ملی اس نے طنزیہ انداز سے کہا۔

"انسان ایسے کام ہی کیوں کرے کہ دوسرے لوگوں کو اس کے بارے میں تجسس رہنے لگے اور وہ اس کی ٹوہ میں رہنے لگیں؟۔"

"کون سا گناہ کر رہا ہوں میں۔ سینکڑوں دفعہ یہ بات سمجھا چکا ہوں کہ میں اپنے پاس آنے والے لوگوں سے بے رخی نہیں برت سکتا۔ ان سے بد سلوکی نہیں کر سکتا اور نہ کسی کو اپنے پاس آنے سے روک سکتا ہوں چاہے وہ مرد ہو یا عورتیں"۔ وہ دھاڑ کر بولے۔

"میں نے یہ تو نہیں کہا کہ آپ لوگوں کے ساتھ بد سلوکی سے پیش آئیں۔"

عارف فیضی سنی ان سنی کرتے ہوئے بولے۔

"میرے پاس تو یونیورسٹی اور کالجوں کی بہت سی لڑکیاں آتی ہیں بہت سی لڑکیاں اور عورتیں صرف اس لئے مشاعروں اور ادبی نشستوں میں آتی ہیں تاکہ مجھ سے مل سکیں مجھے دیکھ سکیں میرے آٹوگراف لے سکیں....."

شفق نے کہا

"جی ہاں' میں بھی یہی کہنا چاہتی ہوں کہ آپ کا ایک نام ہے' ایک مقام ہے لوگوں کی نگاہوں میں آپ کی جو عزت اور قدر ہے اس کو بٹہ لگانے پر کیوں تلے ہوئے ہیں۔؟"

عارف فیضی بولے کچھ نہیں غصے بھری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے رہے۔

شفق نے کہا۔

"آپ کیا سمجھتے ہیں ماہرہ سے اس حد تک میل جول آپ کی عزت اور شہرت کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔"

"دوسری بہت سی لڑکیاں اور عورتیں بھی آپ کے پاس آتی ہیں ملتی ہیں ان میں سے کسی کا نام آپ کے نام کے ساتھ منسوب کر کے کوئی خبر کیوں نہیں چھپ جاتی؟ کوئی افواہ کیوں نہیں اڑجاتی؟۔"

"بہت زیادہ دلیلیں پیش کرنے کی کوشش مت کرو۔" عارف فیضی جھنجلا کر بولے

"اس لئے کہ لاجواب ہوجاتے ہیں آپ؟۔"

"تم حد سے زیادہ بڑھتی جا رہی ہو شفق۔"

"اور آپ؟ آپ ماہرہ کے معاملے میں حد سے نہیں بڑھتے جا رہے ہیں؟ اس کو لنچ پر اپنے ساتھ لے جانا' تفریحی مقامات پر اپنے ساتھ لے جانا' اکٹھے فلم دیکھنے جانا' یہ سب کیا ہے آخر؟۔"

"میں نے کہا نا بکواس بند کرو جو میرا دل چاہے گا کروں گا۔"

عارف فیضی بڑی زور سے گرجے۔

"ہنہ......"

شفق نے تحقیر آمیز نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔

عارف فیضی ایک قدم آگے بڑھ کر سیدھے اس کی آنکھوں میں گھورتے ہوئے بولے۔

"ایک بات سمجھ لو کہ جب کوئی شخص کسی بات کے لئے میرے پیچھے پڑجاتا ہے تو مجھے ضد ہوجاتی ہے اس حد تک میرے پیچھے مت پڑو کہ میں ضد میں آکر ماہرہ کو اپنے ساتھ گھر لانا شروع کردوں۔"

شفق نے سوچا۔

ہاں' بس اسی بات کی کسر تو باقی رہ گئی ہے۔

اس نے ایک نفرت بھری نگاہ عارف فیضی پر ڈالی اور دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

دو تین ہفتے گزر گئے ماہرہ کے بارے میں دونوں کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی۔ عارف فیضی کا رویہ اکھڑا اکھڑا سا تھا اور شفق تو ویسے ہی ان سے بیزار تھی۔

انہی دنوں امی جان کا خط آیا انہوں نے شائستہ کی منگنی ختم کر دی تھی۔ عارف فیضی تو ویسے ہی بھرے بیٹھے تھے اتنے دنوں کے دبے ہوئے غصے کا سارا غبار نکالنے کا موقع انہیں ہاتھ آگیا۔

وہ شفق کے سامنے خط پھینکتے ہوئے بولے۔

"لو، جشن مناؤ، شادیانے بجاؤ، تمہاری دلی تمنا پوری ہو گئی۔"

شفق خاموش رہی تو وہ چلا کر بولے

"یہی چاہتی تھیں ناں تم، یہی خواہش تھی نا تمہاری کہ شائستہ کی منگنی توڑ دی جائے گی تو توڑ دی گئی منگنی۔"

"آپ ناحق دل برداشتہ ہو رہے ہیں بلاوجہ مجھ پر ناراض ہو رہے ہیں معلوم نہیں اس میں خدا کی کیا مصلحت ہے۔"

"خدا کی جو بھی مصلحت ہو لیکن تمہاری مصلحت تو پوری ہو گئی۔"

"میری کون سی مصلحت تھی اس منگنی کے ٹوٹنے میں؟"

"تمہارے چہیتے غزنوی کا دیا ہوا عزیز از جان بنگلہ فروخت ہونے سے بچ گیا۔ خدا جانے کتنی دعائیں مانگی ہوں گی تم نے یہ منگنی نہ ہونے کے لئے۔"

"اس بدگمانی کا میں کیا جواب دوں آپ کو؟ میں تو آپ لوگوں کے فائدے اور شائستہ کے بہتر مستقبل کے بارے میں ایک صحیح اور سچی بات کہہ کر خواہ مخواہ ہی مجرم بن گئی۔"

شفق نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

عارف فیضی نے تحقیر آمیز نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ہنہ! تم ضرور سوچو گی شائستہ کے بہتر مستقبل کے بارے میں تمہیں تو منگنی ٹوٹنے میں سراسر اپنا فائدہ نظر آ رہا تھا۔"

"اف کس قدر بیہودہ اور اوچھی ذہنیت ہے اس شخص کی۔" شفق نے سوچا۔

عارف فیضی مزید زہر اگلنے سے باز نہ رہ سکے۔ انہوں نے بڑے رعب سے اور دھمکی دینے والے انداز میں کہا۔

"لیکن کسی زعم میں مت رہنا۔ غزنوی کا بخشا ہوا یہ بنگلہ میں تمہارے پاس نہیں رہنے دوں گا"۔

شفق کے پاس ان کی بات کا کوئی جواب نہیں تھا وہ خاموش ہی رہی۔

عارف فیضی نے کہا۔

"اس مشکل سے تو شائستہ کا رشتہ طے ہوا تھا اس کی عمر ویسے ہی زیادہ ہو گئی ہے لیکن کون

یا وہ تمہاری بہن ہے جو تمہیں اس بات کی فکر ہو، نند ہے تمہاری، نند سے تمہیں کیا ہمدردی ہو سکتی ہے؟"

شفق نے سوچا۔

اوہ! پھر وہی عورتوں والا انداز فکر۔

یہ پڑھا لکھا شخص ہے۔

علم و ادب کے زیور سے آراستہ و پیراستہ۔

لیکن گندی سوچوں کی دلدل میں پھنسا ہوا۔

میں کیا کہوں اس آدمی کو؟

اتنا کچھ لکھنے پڑھنے کے بعد بھی جو شخص اپنی روح اور اپنے ذہن کو جلا نہ بخش سکا تو اس کی ذات پر سوائے افسوس کرنے کے اور کیا کیا جا سکتا ہے۔

واقعی یہ شخص تو قابل رحم ہے اس معاملے میں۔

شفق سوچوں میں ڈوبی ہوئی تھی اور عارف فیضی کھا جانے والی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھے جا رہے تھے۔ پھر انہوں نے شفق کو ایک اور دھمکی دی۔

"اگر جلدی ہی شائستہ کا رشتہ کہیں اور طے نہ ہو گیا تو پھر تم اپنی خیر منانا زندگی عذاب بنا دوں گا تمہاری"۔ شفق نے سوچا۔

"اب کیا ہے؟ اب بھی تو آپ نے میری زندگی عذاب ہی بنا رکھی ہے"۔

عارف فیضی پیر پٹختے ہوئے دوسرے کمرے کی طرف بڑھے اور پھر جاتے جاتے رک کر بولے۔

"تمہارا ابھی تک ایک حلقہ احباب ہے۔ بے شمار ملنے والے ہیں، درجنوں سہیلیاں ہیں۔"

"جی!"۔

شفق ان کی ادھوری بات کا مطلب نہ سمجھ سکی۔ حیران نگاہوں سے ان کی طرف دیکھنے لگی۔

"اس قدر بھولی بن کر کیا دیکھ رہی ہو۔ اگر میری بات کا مطلب نہیں سمجھ سکیں تو ابھی سمجھائے دیتا ہوں"۔

وہ چند قدم آگے بڑھ کر اس کے قریب رک گئے اور بولے۔

"شائستہ کا رشتہ اب تم طے کرواؤ گی"۔

"میں کہاں اور کس سے طے کرواؤں گی؟"۔

شفق پریشان ہو گئی۔

"اپنے ملنے والوں میں، عزیزوں میں، رشتے داروں میں کہیں بھی"۔

"میرے عزیز او، رشتہ دار؟"۔

"ہاں 'کیوں؟ کیا ہوا؟"۔
عارف فیضی کا انداز تمسخرانہ تھا۔
شفق نے کہا۔
"آپ جانتے تو ہیں کہ آپ سے شادی کرنے کے بعد میرا ناطہ سب سے ٹوٹ چکا ہے"۔
"میں یہ سب کچھ نہیں جانتا"۔
عارف فیضی نے بڑی اکڑ سے کہا۔
شفق عارف فیضی کا ایک نیا انداز 'ایک نیا روپ دیکھ رہی تھی اور حیران تھی کہ یہ شخص آدمی ہے یا بہروپیا۔
ابھی کتنے روپ بدلے گا یہ آدمی؟
ابھی کتنے خول اتارے گا اپنی ذات پر سے؟
عارف فیضی اس کی سوچوں سے لاپرواہ اپنی کہے گئے۔
"شائستہ کا رشتہ اگر تم نے اچھی جگہ طے نہیں کروایا تو جانتی ہو کیا ہوگا"۔
شفق خاموش رہی۔
اسے کیا معلوم تھا کہ اس آدمی کا ذہن ابھی کون کون سی باتیں اختراع کرے گا۔
عارف فیضی نے بڑی فرعونیت سے کہا۔
"پھر ہوگا یہ شفق بیگم کہ میں تمہیں طلاق دے دوں گا"
شفق کو اپنے آس پاس ہی شدید دھماکے کا احساس ہوا۔
وہ سرتاپا لرز گئی۔
کانپ گئی وہ اس دھماکے کی آواز سن کر۔
ارے یہ گھٹیا آدمی اس انداز سے بھی سوچ سکتا ہے۔
وہ حیران پریشان کھڑی سوچ رہی تھی۔
طلاق دینے کے بارے میں تو شاید یہ عرصے سے سوچ رہا ہوگا۔
اب تو بڑا خوب صورت بہانہ ہاتھ آگیا ہے اسے۔
عارف فیضی چلے گئے اور شفق کے لئے پریشان سوچوں کا ایک نیا در کھول گئے۔
وہ سوچ رہی تھی کہ کسی کا رشتہ طے کرانا کیا اتنا ہی آسان ہے جتنا عارف فیضی سمجھ رہے ہیں۔ ملنے والوں کی محبت و خلوص ایک طرف رہا۔
لیکن یہ رشتوں ناتوں والی بات کوئی کھیل یا مذاق تو نہیں ہے کسی سے شائستہ کے رشتے کے لئے کہوں اور وہ فوراً"مان جائے یہ کیسے ممکن ہے؟
میری کون سی درجنوں سہیلیاں ہیں جو عارف فیضی نے طعنہ دے دیا۔
گنتی کی چند سہیلیاں ہیں ان میں سے بھی ہمدرد اور مخلص کتنی ہیں یہ تو خدا ہی بہتر جانتا

ہے ایک مسز رضوی بیچاری ہی ہیں جو دکھ سکھ میں شریک ہیں لیکن وہ بھی اس سلسلے میں کیا مدد کر سکتی ہیں یہ کوئی ان کے بس کی بات ہے کہ کسی کو پکڑ کر زبردستی شائستہ سے اس کا نکاح پڑھوادیں گی۔
شفق پر پڑنے والی اس نئی افتادہ کو سن کر مسز رضوی ایک دم جھلا کر بولیں۔
"اُفوہ! یہ شخص کس طرح جینے دے گا تمہیں"
شفق خاموش رہی۔
مسز رضوی نے کہا۔
"میں ان حضرت کی چالوں کو اچھی طرح سمجھ رہی ہوں"
شفق نے سوچا۔
"ہاں 'ان کی چالوں کو تو میں بھی اچھی طرح سمجھ رہی ہوں لیکن بے بس ہوں کر ہی کیا سکتی ہوں"۔
مسز رضوی نے کہا۔
"بہر حال میں کوشش کروں گی۔ شاید کامیابی ہو جائے 'پھر انہوں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا"۔
"اصل میں مشکل یہ ہے کہ آج کل لوگ لڑکیوں میں کچھ بھی نہیں چاہتے اور سب کچھ چاہتے ہیں"۔
"جی"
شفق نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔
"ہاں میرا مطلب ہے کہ اکثر لوگ یہی کہتے ہیں کہ ہمیں کچھ نہیں چاہئے بس لڑکی شریف خاندان کی ہو"
وہ کچھ دیر رک کر بولیں۔
"اور جب لڑکی کو دیکھ کر جاتے ہیں تو خاموشی اختیار کر لیتے ہیں پوچھنے پر کبھی جواب ملتا ہے لڑکی کا رنگ ذرا سانولا ہے کبھی یہ سننے کو ملتا ہے قد چھوٹا ہے کچھ لوگوں کو پڑھی لکھی مگر گھریلو لڑکی بہو بنانے کا خیال آجاتا ہے یعنی اس نے ایم اے پی ایچ ڈی بھی کر لیا ہو مگر سروس نہ کر رہی ہو یعنی کوئی نہ کوئی شرط پیش کر ہی دی جاتی ہے"
مسز رضوی نے خاصے چڑے ہوئے انداز میں یہ سب کچھ کہا۔ شفق خاموش بیٹھی ان کی باتیں سنتی رہی۔
وقت گزرتا رہا۔ شفق اور عارف فیضی کے درمیان فاصلے بڑھتے رہے وہ پہلے سے بھی زیادہ بدمزاج تند خود ہو گئے تھے بات بات پر شفق کو کاٹ کھانے کو دوڑتے تھے جھڑکتے تھے اس کے ہر کام میں نقص نکالتے تھے اٹھتے بیٹھتے ان کی زبان پر شفق کے لئے طعنے تھے اس کے

دل دماغ کو کچوکے لگانے کا کوئی موقع وہ ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔

مسز رضوی نے دو تین جگہ شائستہ کے رشتے کے لئے کوشش تو کی تھی لیکن کہیں بات ہی نہیں بن رہی تھی لیکن خوش قسمتی سے شائستہ کا رشتہ وہیں لاہور میں طے ہو گیا امی جان کی ایک سہیلی نے جن سے کافی عرصہ سے ملاقات نہیں تھی اپنے بھانجے کے لئے شائستہ کو پسند کیا۔ امی جان کی سہیلی عارفہ بیگم کئی برسوں پہلے اپنے بڑے بیٹے اور بہو کے ساتھ انگلینڈ چلی گئی تھیں کچھ عرصے تک دونوں کے درمیان خط کتابت رہی پھر مصروفیتوں کی بناء پر یہ سلسلہ قائم نہ رہ سکا درمیان میں ایک دفعہ عارفہ بیگم وطن آئیں بھی لیکن امی جان سے ان کی ملاقات نہ ہو سکی معلوم ہوا کہ وہ کراچی گئی ہوئی ہیں لیکن اس بار وطن آنے پر نہ صرف امی جان سے ملاقات ہو گئی بلکہ امی جان کا ایک بگڑا ہوا کام بھی بن گیا بات ساری نصیب اور قسمت کی تھی شائستہ کی قسمت کی ڈور جس کے ساتھ بندھی تھی اس کے ساتھ رشتہ طے ہو گیا خدا نے کسی نہ کسی ۔۔ بنا دیا۔

جس روز امی جان کا خط آیا اس سے ایک روز پہلے شفق اور عارف فیضی کے درمیان شائستہ کے معاملے پر بہت جھگڑا ہو چکا تھا۔

شفق تو خیر کیا جھگڑتی وہ ان کے طعنے اور جھڑکیاں سہتی رہی ہاں اپنی صفائی میں کچھ نہ کچھ کہنے کا حق تو اسے تھا ہی لیکن اپنی صفائی میں کہی ہوئی باتیں بھی عارف فیضی کو ناگوار گزر رہی تھیں۔

انہوں نے بڑی رعونت سے اپنا فیصلہ سنا دیا تھا۔

"میں یہ سب کچھ نہیں جانتا کہ تمہارے عزیز رشتے دار تم سے ملنا پسند کرتے ہیں یا نہیں تمہیں بلانا پسند کرتے ہیں یا نہیں شائستہ کے رشتے کے لئے چاہے تمہیں ان لوگوں کے سامنے ہاتھ جوڑنے پڑیں یا ناک رگڑنی پڑے تمہیں ان کے پاس جانا ہو گا ورنہ"

انہوں نے بات ادھوری چھوڑ کر کچھ اس انداز سے شفق کی طرف دیکھا جیسے وہ کوئی بڑا میدان مارنے والے ہیں۔

جیسے وہ کوئی فاتح بننے والے ہیں۔

پھر اپنی بات پوری کرتے ہوئے بولے۔

"ورنہ اس کے نتائج تمہیں بھگتنے پڑیں گے"

شفق نے بے چارگی اور بے بسی سے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟ میں کیا منہ لے کر ان لوگوں کے پاس جا سکتی ہوں؟"

"میں یہ سب کچھ نہیں جانتا تمہیں جانا ہی پڑے گا"

وہ بڑی زور سے دھاڑے۔

"میں نہیں جاؤں گی"

شفق نے آنسو بہاتے ہوئے کہا۔

"تم وہاں جاؤں گی اور ضرور جاؤں گی کل ہی۔ یہ میرا فیصلہ ہے"۔

"نہیں میں ہرگز نہیں جاؤں گی"

شفق نے کہا۔

اور اس کے بعد عارف فیضی کا پارہ ایک دم ہائی ہو گیا۔ وہ مجنونانہ انداز میں آگے بڑھے اور ان کا مضبوط ہاتھ شفق کے رخساروں پر کئی نشانات چھوڑ گیا۔

"مجھے نہیں سننے کی عادت نہیں ہے سنا تم نے؟"

وہ چنگھاڑ کر بولے اور پیر پٹختے ہوئے باہر نکل گئے چند ہی منٹ کے بعد شفق نے گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز سنی۔

وہ ساری رات شفق نے روتے ہوئے گزاری۔

اپنی اس قدر ذلت اور تحقیر پر اس کا دل ریزہ ریزہ ہو کر بکھر گیا تھا۔

اس کی یہ ذلت اور تحقیر پہلی دفعہ نہیں ہوئی تھی اب تک اسے اس کا عادی ہو جانا چاہئے تھا۔

لیکن ہر دفعہ عارف فیضی کے اس ظالمانہ سلوک پر اس کا درد پہلے سے بھی سوا ہو جاتا تھا۔

کس قدر گر گئی تھی وہ خود اپنی نگاہوں میں اگر اس نے مرد کا وہ ایک اور روپ نہ دیکھا ہوتا جو غزنوی کی شکل میں اس کے سامنے آیا تھا تو شاید وہ اب تک عارف فیضی کے سلوک کی عادی ہو چکی ہوتی۔

وہ اب تک سمجھوتے کر کے صبر کر چکی ہوتی۔

لیکن غزنوی کے حسن سلوک نے اس کے احساسات کو سولی پر لٹکا دیا تھا۔

ضمیر کے کچوکے اسے کسی پل چین نہیں لینے دیتے تھے۔

قدم قدم پر اسے جس تحقیر اور جن ٹھوکروں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا اس کا ذمہ دار اور کوئی نہیں تھا تباہی اور بربادی کے دہانے پر وہ خود آکھڑی ہوئی تھی۔

امی جان کے خط میں شائستہ کا رشتہ طے ہو جانے کی خبر پڑھ کر شفق کو ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے سر سے بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔

جیسے زیادہ نہ سہی تو کچھ عرصے کے لئے ہی اس کا مستقبل محفوظ ہو گیا ہو۔

عارف فیضی آفس سے آئے تو ان کا موڈ گزشتہ روز کی طرح خراب نہیں تھا لیکن اچھا بھی نہیں تھا۔ شفق نے خط بیڈ سائیڈ ٹیبل پر ڈال دیا تھا عارف فیضی نے خط پڑھ کر طنزیہ نگاہوں سے شفق کی طرف دیکھا بولے۔

"کتنی سو نفلیں مان رکھی تھیں شائستہ کا رشتہ طے ہو جانے کے لئے؟"

شفق خاموش رہی۔
"کیوں؟ جواب نہیں دیا تم نے میری بات کا"۔
"اگر نفلیں مان رکھی تھیں تب بھی کوئی بری بات نہیں ہے"
شفق نے رسانیت سے کہا۔
"ہاں تم نے تو سراسر اپنے فائدے کے لئے کیا ہوگا یہ سب کچھ"
"میرا فائدہ؟"
"ہاں اور کیا، تم اپنے رشتے داروں کے سامنے ناک رگڑنے اور ہاتھ باندھنے سے بچ گئیں"
شفق کا دل چاہا پوچھے۔
"میرے ناک رگڑنے اور ہاتھ باندھنے سے آپ کو کیا مل جائے گا"۔
لیکن اس نے خاموش رہنے میں ہی عافیت سمجھی۔
عارف فیضی نے طنز کا ایک اور تیر پھینکا۔
"دل ہی دل میں خوش ہو رہی ہو گی چلو مستقبل تو محفوظ ہو گیا؟"
شفق نے سوچا۔
آپ جیسے ہاتھوں میں میرا مستقبل کتنے عرصے تک محفوظ رہ سکتا ہے؟
یہ بات نہ سہی کوئی اور بات ڈھونڈ لیں گے آپ۔
آپ تو ویسے بھی مجھ سے جان چھڑانے کا بہانہ ڈھونڈ رہے ہوں گے۔
شفق کو خاموش پا کر عارف فیضی نے ایک اور اوچھی حرکت کی ادھر کچھ عرصہ سے ان کی اس قسم کی باتوں میں اضافہ ہو گیا تھا۔
ہونٹوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے بولے۔
"پچھتاوا تو بہت ہوتا ہوگا؟"
"کس بات کا پچھتاوا؟"
شفق کو آخر زبان کھولنی پڑی۔
"غزنوی کو چھوڑ دینے پر پچھتاتیں نہیں؟"
شفق نے کوئی جواب نہیں دیا۔
"کوئی جواب نہیں ہے تمہارے پاس؟ یا جواب دینا نہیں چاہتیں"
شفق پھر بھی کچھ نہ بولی۔
غزنوی سے ہٹ کر عارف فیضی بچوں کے ذکر پر آگئے۔ پچھلے چند ماہ سے غزنوی کے ساتھ ساتھ بچوں کا طعنہ بھی ملنے لگا تھا۔
"بچوں کی یاد تو ستاتی ہوگی؟"

"آپ سے کس نے کہہ دیا ہے کہ مجھے بچوں کی یاد ستاتی ہے"
"کہے گا کون؟ میں کوئی بچہ ہوں؟ نادان ہوں" پھر چند سیکنڈ رک کر بولے۔
"صورت پر بارہ بج رہے ہیں۔ سوگ طاری رہتا ہے تمہارے اوپر آخر کس لئے؟ کس وجہ سے؟"
شفق چپ چاپ سنتی رہی۔
لیکن وہ بولنے سے باز نہ رہ سکے۔
"ظاہر ہے کہ اٹھتے بیٹھتے تمہارے دماغ پر وہی ساری صورتیں مسلط رہتی ہوں گے"
شفق نے کہا
"میرے دل دماغ پر کسی کی صورتیں مسلط نہیں رہتیں کسی کی یاد نہیں ستاتی مجھے"
عارف فیضی طنزیہ انداز سے مسکرا کر بولے۔
"اچھا پھر تم سے زیادہ ظالم اور سنگدل عورت کوئی نہیں ہو سکتی"
شفق نے سوچا۔
"اُفوہ کسی طرح بھی چین نہیں ہے"۔
عارف فیضی نے پھر طنزیہ وار کرتے ہوئے کہا۔
"خدا جانے تم کیسی ماں ہو؟ نہ تمہیں اپنے بچوں کو چھوڑ کر کسی دوسرے شخص سے شادی کرتے ہوئے دکھ ہوا نہ اب..... انہیں یاد کرتی ہو؟"
شفق ایک دبی ہوئی سانس لے کر رہ گئی۔
عارف فیضی نے دل جلانے والے انداز میں کہا۔
"یا تو تم مجھے دھوکہ دیتی ہو یا پھر تمہارے سینے میں دل نہیں پتھر کا ٹکڑا ہے"
"آپ جو چاہیں سمجھ لیں جو چاہیں کہہ لیں"
وہ جانتی تھی کہ اب ساری زندگی کے لئے اس کی قسمت میں یہی طعنے ہی باتیں رہ گئی ہیں
عارف فیضی بڑی دیر تک گھوم پھر کر کوئی نہ کوئی بات کہتے رہے اس کا دل جلاتے رہے وہ چپ چاپ سنتی رہی۔
اپنے کاموں میں مصروف رہی۔
امی جان کا خط آئے ایک ہفتہ گزرا تھا کہ شفق کی توقع کے برعکس عارف فیضی نے کہا۔
"اگر شادی میں شریک ہونا چاہتی ہو تو تیاری کر لو"
"جی"
شفق نے حیران ہو ان کی طرف دیکھا جیسے انہوں نے کوئی انہونی بات کہہ دی ہو۔
"میں نے کوئی معمہ تو نہیں بیان کیا ہے جو تمہاری سمجھ میں نہیں آیا ہے"
عارف فیضی کے لہجے میں طنز تھا۔

پھر وہ کچھ سوچ کر بولے۔
"اگر چھٹی مل سکے تو شادی سے آٹھ دس روز پہلے چلی جانا"
شفق چپ چاپ سنتی رہی بولی کچھ نہیں۔
"دوسرے روز بھی عارف فیضی کا یہی اصرار تھا کہ تم ذرا جلدی چلی جاتیں تو اچھا تھا"
شفق نے کہا۔
"اگر چھٹی مل گئی تو چلی جاؤں گی"
اس کا جواب سن کر عارف فیضی ایک دم تنک کر بولے۔
"یا تو طعنے دے کر میرا جینا حرام کیا ہوا تھا کہ مجھے ان لوگوں کے پاس جانے نہیں دیتے مجھے شائستہ کی منگنی میں نہیں شریک ہونے دیا یا پھر...."
انہوں نے بات ادھوری چھوڑ کر بہت گھور کر اس کی طرف دیکھا اور بولے۔
"یا پھر اتنی لاتعلقی ہے کہ چھٹی نہ ملنے کا بہانہ کر دیا"
شفق نے حیران ہو کر ان کی طرف دیکھا اور بولی۔
"میں نے جانے سے انکار تو نہیں کیا ہے"
"ہاں تمہارے دل میں تو خدا جانے کون کون سے تمنائیں کروٹیں لے رہی ہیں"
وہ زہر خند سے بولے۔
پھر انہوں نے اپنا قطعی فیصلہ سناتے ہوئے کہا۔
"بہر حال تمہیں چھٹی ملے یا نہ ملے شائستہ کی شادی میں جانا ہے"
شفق نے ان کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا لیکن بے حد چڑ کر سوچا۔
اونہہ خبطی ہو گیا ہے یہ شخص' دماغی توازن بگڑ گیا ہے اس کا۔
شائستہ کی شادی میں اسے جانا تو تھا ہی لیکن اس سلسلے میں عارف فیضی کا یہ انداز اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔
شفق کا خیال تھا کہ شائستہ کی شادی میں شرکت کرنے کے لئے عارف فیضی بھی اس کے ساتھ جائیں گے شادی میں صرف ایک ہفتہ باقی رہ گیا تو شفق کو اگلے روز لاہور کے لئے روانہ ہو جانا تھا عارف فیضی نے جب ریزرویشن ٹکٹ لا کر دیا تو شفق کو معلوم ہوا کہ اسے تنہا ہی شادی میں جانا ہے۔
اس نے حیران ہو کر پوچھا۔
"مجھے اکیلے جانا ہے"
"ہاں ظاہر ہے' میں تو اتنے دنوں کی چھٹی نہیں کر سکتا"
"تو کب تک آئیں گے آپ؟"
"شادی سے دو روز پہلے آجاؤں گا"

"ان کا ہاتھ بٹانے کے لئے اب کام ہی کون سا رہ گیا ہو گا"
"ہاں ایسے موقعوں پر بظاہر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ سب کام ہو چکے ہیں لیکن پھر بھی آخری وقت تک کوئی نہ کوئی اہم کام باقی رہ جاتا ہے"۔
شفق سر جھکائے سوچوں میں ڈوبی کھڑی تھی۔
عارف فیضی نے کہا۔
"تم کیا سوچنے لگیں"
"میں سوچ رہی تھی کہ آپ کے ساتھ جاتی تو اچھا تھا لیکن مجبوری ہے آپ کو ابھی چھٹی نہیں مل سکتی اور میرا محض دو روز پہلے پہنچنا مناسب نہیں ہے"
"کیوں؟ آخر اکیلے جاتے ہوئے تمہیں ڈر کس بات کا ہے؟ کس بات کی فکر ہے؟"
اور پھر اگلے روز دوران سفر سارے راستے وہ متضاد احساسات کا شکار رہی۔
ایک طرف اسے اس بات کی خوشی بھی تھی کہ وہ اس گھر میں جا رہی ہے جسے دیکھنے کی اسے تمنا تھی' دوسری طرف گھبراہٹ کے ساتھ ساتھ احساس پشیمانی بھی اسے گھیرے ہوئے تھا۔
وہ سوچ رہی تھی۔
میں اس عورت کا سامنا کس طرح کروں گی جس کے شوہر کی زندگی میں داخل ہو کر میں نے اس کی محبت کا بٹوارہ کر دیا تھا۔
اور مجھے دیکھ کر ان بچوں کی معصوم سوچیں انہیں کون سے احساس میں مبتلا کریں گی جو اپنے باپ کے زندہ ہونے کے باوجود اپنی ماں کو تنہائیوں اور محرومیوں کے سمندر میں گھرا ہوا دیکھتے ہوں گے۔
مانا کہ میں اصل صورت حال سے بے خبر ہونے کے سبب اتنی قصوروار بھی نہیں لیکن ضروری تو نہیں کہ ان کو اس بات کا یقین بھی ہو۔
لوگ جب الزام دینے پر آتے ہیں تو ہر حقیقت سے چشم پوشی کر جاتے ہیں۔
کبھی کبھی جب دنیا کسی کو قصوروار ٹھہرانے پر آتی ہے تو بس آنکھیں بند کر کے فیصلہ صادر کر دیتی ہے۔
ہر نکتے اور ہر دلیل کو نظر انداز کر کے یہ طے کر لیا جاتا ہے کہ قصوروار صرف یہی ایک ہستی ہے۔
جی بھر کے اسے تنقید کا نشانہ بناؤ۔
اس سے جتنی نفرت کی جا سکے کرو۔
شفق کی زندگی میں یہ لمحات کبھی نہ کبھی تو آنے ہی تھے سو اب آ رہے تھے۔
ٹرین کبھی دھیمی اور کبھی تیز رفتاری سے منزل کی جانب رواں تھی اور اب آخر کار اسے

شفق کو منزل پر پہنچانا ہی تھا شفق اس کا رخ نہیں موڑ سکتی تھی البتہ یہ خیال اسے ضرور آرہا تھا کہ

آخر کیوں وہ اس قدر ضد کرتی تھی ان لوگوں کے پاس جانے کی، کیا نقصان تھا اس کا اگر وہ ساری زندگی ان لوگوں سے ملے بغیر وہاں جائے بغیر گزار دیتی؟

اور اب شائستہ کی شادی میں وہ شرکت نہ کرتی۔

کوئی بہانہ کردیتی

عارف فیضی ناراض تو ضرور ہوتے ممکن ہے اس بات پر ان دونوں کے درمیان بہت زیادہ جھگڑا ہوجاتا حسب عادت عارف فیضی اس پر ہاتھ اٹھالیتے مگر یہ ایسی کون سی نئی بات ہوجاتی؟ جان سے تو نہیں مار دیتے وہ، کم از کم اس ذہنی کوفت کا سامنا تو نہ کرنا پڑتا اسے۔

ایسی ہی سوچوں میں راستہ تمام ہوگیا۔

سفر ختم ہوگیا منزل آگئی۔

اسے لینے کے لئے اسٹیشن پر شائستہ اور عاکف آئے ہوئے تھے شائستہ اسے گلے لگاکر بڑی گرم جوشی اور محبت سے ملی خوشی اس کی آنکھوں سے چھلکی پڑ رہی تھی مسرت اس کے چہرے سے ظاہر ہورہی تھی۔

عاکف کا انداز رسمی تھا ان کا انداز اس سے مختلف ہو بھی نہیں سکتا تھا وہ اس سے ملے ہی کتنی بار تھے بس نکاح کے موقع پر ہی تو آئے تھے، وہ چند روز ہی رہے تھے ان چند دنوں میں وہ ان سے کتنی بے تکلف ہوسکتی تھی۔

وہ گھر پہنچی تو امی جان اور عاکف کی بیوی فرزانہ نے اس کا استقبال کیا امی جان کے استقبال میں محبت پیار گرم جوشی اور مسرت سب ہی کچھ شامل تھا عاکف کی بیوی بھی اچھے ہی انداز سے ملی شفق کی نگاہیں عارف فیضی کی بڑی بیگم کو تلاش کررہی تھیں وہ کہیں نظر نہیں آرہی تھی اس کے ارد گرد چند بچے کھڑے حیرت سے اسے دیکھ رہے تھے وہ ان کے لئے اجنبی جو تھی۔

شفق نے سوچا

معلوم نہیں ان بچوں میں سے عارف فیضی کے بچے کون سے ہیں؟

اور ان بچوں کی امی شاید سوگئی ہوں رات کے گیارہ بجنے والے ہیں آخر۔

لیکن رات کے گیارہ تو ان بچوں کے لئے بھی بجے ہیں۔

پھر بڑی بیگم؟

ممکن ہے وہ سو ہی گئی ہوں۔

ایک عورت جس کا شوہر اس کے پاس نہ ہو بچوں اور گھر کے کاموں سے فارغ ہونے کے بعد اور کیا کرے گی

اس کے پاس کرنے کے لئے اور ہے بھی کیا؟

سوائے اس کے کہ وہ سوجائے

سوجانے کی کوشش کرے

یا پھر چپ چاپ لیٹی ہوئی خیالوں کے تانے بانے میں الجھی رہے

گزرے ہوئے خوشگوار یا ناخوشگوار لمحوں کی مدھم مدھم چاپ سنتی رہے۔

آنے والی گھڑیوں کی فکر اپنے دل و دماغ پر مسلط کئے رہے۔

شفق اپنی سوچوں میں گم صم اپنے ارد گرد کھڑے ہوئے بچوں کی طرف دیکھے جارہی تھی شائستہ نے کہا۔

"بھابھی۔ یہ عروسہ ہے اور یہ راحیل، عارف بھائی جان کے بچے۔"

"اچھا۔"

شفق نے باری باری ان دونوں کی طرف دیکھا

شائستہ نے اندر داخل ہوتے ہوئے ایک بچے کو اپنی طرف آنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"یہ شرجیل ہے" وہ دیکھنے ہی سے بڑا نٹ کھٹ معلوم ہورہا تھا اس نے شفق کے قریب کھڑے ہوکر خاصے شرارتی انداز سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اچھا تو یہ ہیں ہماری چھوٹی امی۔"

شائستہ نے اس کے رخسار پر پیار سے چپت لگاتے ہوئے کہا

"ہاں لیکن بدتمیز لڑکے! تم نے انہیں سلام نہیں کیا۔"

"یہ باقی سارے لوگ انہیں سلام کرچکے ہیں۔"

شرجیل نے پاس کھڑے دوسرے بچوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں تو اور کیا ہم تمہاری طرح بدتمیز ہیں؟"۔

راحیل نے کہا

"مجھے بدتمیز کہا۔"

شرجیل فوراً "باکسنگ لڑنے کے انداز میں راحیل کی طرف بڑھا۔

شائستہ نے دونوں کا بیچ بچاؤ کراتے ہوئے دھمکی دی۔

چار پانچ روز بعد تم لوگوں کے ابو آنے والے ہیں میں تم دونوں کی ساری شکایتیں ان سے کروں گی۔"

"ابو آئیں گے تو آپ دلہن بننے والی ہوں گی شرم کے مارے کچھ بول بھی نہیں پائیں گی۔"

شرجیل کا انداز تمسخرانہ تھا۔

شائستہ ایک لمحے کے لئے تو جھینپی پھر اس نے اپنے لہجے میں مزید رعب پیدا کرتے ہوئے کہا

"فکر نہ کرو میں عروسہ سے کہوں گی وہ تم لوگوں کی شکایت کرے گی۔"
شرجیل نے خاصے ترس کھانے والے انداز سے اس کی طرف دیکھا اور بولا
"یہ، ہی ہی، یہ بیچاری تو ہم دونوں بھائیوں سے ڈرتی ہیں، یہ ابو سے ہماری شکایت کیسے کر سکتی ہیں؟۔" اتنے میں عاکف آتے نظر آئے ان سے شاید دونوں ڈرتے تھے
راحیل نے دھیرے سے کہا
"عاکف چچا آرہے ہیں۔ چپ ہو جاؤ"۔
یوں ان دونوں بچوں نے خاموشی اختیار کی۔
شفق، امی جان اور عاکف کی بیوی فرزانہ سے باتیں کر رہی تھی جبھی ایک بوڑھی سی عورت نے آکر اس کی بلائیں لیتے ہوئے کہا۔
"اچھا! یہ چھوٹی بیگم ہیں، ماشاء اللہ"۔
فرزانہ نے کہا۔
"یہ چاچی نسیمہ ہیں برسوں سے اس گھر کے لوگوں کی خدمت کر رہی ہیں"۔
پھر اس نے ایک بیس پچیس سال کی لڑکی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
"یہ چاچی کی بھانجی ہے۔ تاجور۔"
"تاجی آپا کہتے ہیں انہیں۔"
کسی نے لقمہ دیا۔
شفق نے مسکرا کر اس بچے کی طرف دیکھا۔
"یہ ثمینہ آپا کا بیٹا عادل ہے۔"
شائستہ نے کہا۔
امی جان نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"ثمینہ اور عالیہ سے تو صبح ہی ملاقات ہو سکے گی تمہاری، دوپہر تک آئیں گی دونوں۔"
تاجی نے شفق کو سلام ضرور کیا تھا لیکن اس کا انداز کچھ عجیب سا تھا۔
اس کے ہونٹوں پر نہ مسکراہٹ تھی نہ اس کے چہرے سے کسی خوشی، حیرت اور اشتیاق کا اظہار ہو رہا تھا۔
اس کی آنکھوں میں بڑی گہری سوچیں تھیں چہرے پر بڑی جامد سی سختی تھی۔
شفق تاجی کے دیکھنے کے انداز سے کچھ نروس سی ہو گئی اس نے دل ہی دل میں سوچا۔
شاید مجھے اچھا نہیں سمجھتی اس کی ساری ہمدردیاں اس کی تمام عزت اور احترام بڑی بیگم کے لئے ہوں گی۔
شفق نے اس کی نگاہوں میں اپنے آپ کو کمتر محسوس کیا۔
اس کا دل چاہا۔

تاجی وہاں سے چلی جائے۔
اور تاجی زیادہ دیر وہاں رکی بھی نہیں۔ چند منٹ بعد ہی وہ وہاں سے چلی گئی۔
دوسرے روز صبح شفق سو کر اٹھی تو بچے اسکول جا چکے تھے۔ اس نے غسل کر کے کپڑے بدیل کئے۔ ہیئر ڈرائر سے اپنے بال خشک کر رہی تھی جبھی شائستہ ناشتے کے لئے اسے بلانے ئی وہ ناشتے کی میز پر پہنچی تو اسے بیٹھے ہوئے چند سیکنڈ ہی ہوئے تھے کہ دروازے میں ایک بی چہرہ اسے نظر آیا۔
اس نے سوچا۔
یقیناً یہی بڑی بیگم ہوں گی۔
وہ قریب آئیں تو شائستہ نے کہا۔
"یہ بڑی بھابھی ہیں۔"
شفق نے کھڑے ہو کر انہیں سلام کیا انہوں نے نظریں اٹھا کر ایک لمحے کے لئے اس کی ف دیکھا اور اتنی آہستہ سے اس کے سلام کا جواب دیا کہ شفق صرف ان کے ہونٹوں کو ں کرتے ہی دیکھ سکی ان کی آواز نہیں سن سکی۔ ناشتہ ختم ہو گیا لیکن شفق اور بڑی بیگم درمیان کوئی بات نہیں ہوئی۔ شکل و صورت کے لحاظ سے بڑی بیگم اگر بہت اچھی نہیں ں تو بری بھی نہیں تھیں۔
لکہ ممکن ہے جل جل کر، کڑھ کڑھ کر اب وہ ویسی نہ رہی ہوں جیسی پہلے کبھی رہی ہوں
شفق نے سوچا۔
ناشتے کے بعد بڑی بیگم گھر کے کاموں میں مصروف ہو گئیں اور شفق کو امی جان شائستہ کا کھانے لگیں۔
دوپہر تک عارف فیضی کی دوسری بہنیں ثمینہ اور عالیہ بھی آگئیں وہ دونوں شادی کے ر نہیں آئی تھیں بقول شائستہ کے ان دونوں کو شفق کو دیکھنے کا بڑا اشتیاق تھا۔
شفق نے سوچا۔
اب دیکھنے کے لئے مجھ میں رہ ہی کیا گیا ہے؟۔
جلا جلا کر، کڑھا کڑھا کر عارف فیضی نے میری جو حالت بنائی ہے اسے میں ہی سمجھ سکتی
۔
یں پہلے ایسی ہی تھی جیسی اب ہوں؟۔
ی نند ثمینہ نے کہا۔
"بہت تعریفیں سنی تھیں آپ کی۔"
"مایوسی ہوئی ہو گی۔"

شفق کے ہونٹوں پر زخم خوردہ سی مسکراہٹ تھی۔

"کیوں، مایوسی کیوں ہوئی؟"۔

"اس لئے کہ میں ویسی نہیں ہوں جیسا آپ نے سنا ہوگا۔"

امی جان نے کہا۔

"ہاں، صحت پہلے کے مقابلے میں خراب ہوگئی ہے۔"

شائستہ نے کہا۔

"رنگ بھی پہلے سے خاصا مدھم ہوگیا ہے۔"

دوسری نند عالیہ نے کہا۔

"مگر اس کے باوجود اب بھی عمارت شاندار ہے۔"

عالیہ کی اس بات پر سب ہنس پڑے۔

شفق پشیمان سی ہوگئی۔

پھر شادی کی گہما گہمی شروع ہوگئی۔ مایوں ہوا، مہندی کی رسم کا دن آیا۔

اسی روز عارف فیضی بھی آگئے۔

بچوں کو باپ کے آنے کی بہت خوشی تھی اور۔

اور عارف فیضی کی بڑی بیگم!

خدا جانے ان کے جذبات اور احساسات کیا تھے؟

ان کی موجودگی میں جب بھی عارف فیضی کا ذکر ہوتا تھا شفق کی نگاہیں بے اختیار ان کی طرف اٹھ جاتی تھیں لیکن ان کے چہرے پر ایک سپاٹ سے کیفیت ہوتی تھی۔

شفق جاننا چاہتی تھی کہ بڑی بیگم کے دل میں عارف فیضی کے لئے کس قسم کے جذبات ہیں۔

کیسے احساسات ہیں ان کے دل میں۔

اس کا دل چاہتا تھا۔

وہ ان سے پوچھے۔ آپ کے دل میں اس آدمی کے لئے جو آپ کا شوہر ہے، آپ کے بچوں کا باپ ہے اب بھی کوئی نرم گوشہ ہے؟

محبت کی کوئی ننھی سی کرن باقی ہے ابھی آپ کے سینے میں؟

چاہت کی ایک ہلکی سی رمق موجود ہے ابھی آپ کے سینے میں؟

یا پھر محبت اور چاہت کی جگہ نفرت اور بیزاری نے لے رکھی ہے۔

وہ کچھ تو کہیں، کچھ تو بولیں۔

اور کچھ نہ سہی تو اس کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کریں لیکن انہوں نے تو ہونٹوں پر چپ کی مہر لگا رکھی تھی۔ ان چند دنوں میں شفق اور بڑی بیگم کے درمیان بہت ہی

کم گفتگو ہوئی تھی بلکہ اگر یہ کہا جاتا تو غلط نہ ہوتا کہ وہ گفتگو نہ ہونے کے برابر تھی۔

جب کہ شفق کا دل چاہتا تھا کہ وہ ان سے باتیں کرے۔

بہت ساری باتیں۔

اپنی صفائی میں ان سے بہت کچھ کہے۔

کچھ اپنی کہے کچھ ان کی سنے۔

لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بڑی بیگم یا تو اس کے وجود ہی کو سرے سے نظرانداز کئے ہوئے ہیں یا پھر وہ اسے اس قابل ہی نہیں سمجھتیں کہ اس سے دو باتیں کریں، وہ تو شاید اس کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنا بھی نہیں چاہتی تھیں۔

بڑی بیگم عارف فیضی سے بھی خود کوئی بات نہیں کرتی تھیں اور جب عارف فیضی کی باتوں کا جواب دیتی تھیں تو ان کے چہرے پر بڑی سختی اور ناگواری ہوتی تھی۔ ہاں، ان چند دنوں میں ان کے بچے شفق سے خاصے بے تکلف ہوگئے تھے۔

شائستہ کی شادی بخیر و خوبی ہوگئی۔ ہر رسم پر بڑا ہنگامہ اور بہت چہل پہل رہی لیکن شفق اس تمام عرصے میں بڑی نروس رہی گھر کے افراد کے علاوہ وہ باقی تمام لوگوں کے لئے اجنبی تھی۔ وہ ہر ایک شخص کی توجہ کا مرکز تھی۔

آڑی ترچھی پر اشتیاق اور معنی خیز سبھی طرح کی نگاہیں اس پر پڑ رہی تھیں۔

اس پر نگاہ پڑتے ہی لوگوں میں دبی دبی سرگوشیاں ہونے لگتی تھیں۔ اور تو جو کچھ تھا سو تھا لیکن سب سے بڑھ کر تاجی کا رویہ شفق کی سمجھ سے بالاتر تھا اس کی نگاہوں کی چبھن شفق کو اپنی پشت پر سے بھی محسوس ہوتی تھی۔ شفق نے اکثر اوقات اسے چھپ چھپ کر اپنی طرف تکتے ہوئے پایا تھا کبھی کبھی شفق کو ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے تاجی اس سے کچھ کہنا چاہتی ہے کوئی بات کرنا چاہتی ہے اور کسی کسی وقت ایسا معلوم ہوتا جیسے اس کے دل و دماغ پر کوئی خوف، کوئی فکر سوار ہو۔ ایسا کون سا خوف تھا۔ شفق اس گتھی کو سلجھا نہیں پا رہی تھی۔

لیکن ایک روز یہ گتھی بھی سلجھ ہی گئی۔

تاجی کی ان عجیب و غریب حرکتوں کا سبب شفق کو معلوم ہوگیا۔

تاجی نے ان دنوں جو انداز اپنایا ہوا تھا اس کی وجہ سے شفق کے دل و دماغ پر بہت بوجھ تھا۔

وہ بوجھ اس کے دل و دماغ سے اتر گیا۔ لیکن اس کے بعد شفق نے سوچا۔

وہ بوجھ نہ ہی اترتا تو اچھا ہوتا۔

شائستہ کی مہندی کی رسم تھی۔ تاجی نے بھی اس روز مہندی رنگ کا گوٹا کناری والا سوٹ پہنا تھا اس کے کپڑے بہت قیمتی اور زرق برق نہیں تھے لیکن پھر بھی اس کے چہرے پر بڑا روپ اور بڑا نکھار تھا۔ شفق بے اختیار اس کی تعریف کر بیٹھی اپنی تعریف سن کر اس کے چہرے پر خوشی اور مسرت کی ایک کرن تک نہیں جگمگائی اس نے بڑے سپاٹ سے لہجے میں کہا۔

"شکریہ چھوٹی بیگم۔"

اور چائے کی ٹرے ان دونوں کے سامنے رکھ کر چلی گئی۔ عارف فیضی بھی اس وقت وہیں تھے وہ کپڑے تبدیل کرنے کے لئے ذرا ہی دیر پہلے وہاں آئے تھے اور تاجی پر نگاہ پڑتے ہی انہوں نے چائے کی فرمائش کردی تھی۔

تاجی دروازے سے نکلنے لگی تو شفق نے عارف فیضی سے کہا۔

"تاجی کتنے عرصے سے کام کررہی ہے یہاں۔"

"بچی تھی جب یہاں آئی تھی۔"

"اچھا!۔"

شفق کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں"

"اتنے عرصے تک ساتھ رہنے سے تو غیر بھی اپنوں کی طرح محسوس ہوتے ہیں"

عارف فیضی نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا، بس کچھ سوچوں میں ڈوبے ہوئے بیٹھے رہے۔

شفق نے اپنی بات کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"میرا مطلب ہے کہ پھر تو تاجی بھی آپ لوگوں کے لئے شائستہ کی طرح ہی ہوئی"

"شائستہ کی طرح"

عارف فیضی نے ایک دم چونک کر پوچھا۔

"ہاں یعنی بہنوں کی طرح"

"ہوں! ہاں"

عارف فیضی پہلے سے بھی زیادہ چونک کر بولے اور گرم گرم چائے کا کپ ہونٹوں سے لگا لیا۔

شفق نے ان کی اس بات کو کوئی اہمیت نہیں دی لیکن پھر ہوا یوں کہ... مہندی کی تقریب کے وقت ایک الگ تھلگ گوشے میں بیٹھی ہوئی دو تین عورتوں کی سرگوشیوں نے عارف فیضی کے چہرے پر پڑی ہوئی نقابوں میں سے ایک اور نقاب کو کھینچ لیا۔ وہ عورتیں بڑی بیگم کے میکے کی تھیں ان میں سے ایک تو ان کی سگی بھاوج ہی تھیں۔

کھانا ختم ہونے کے بعد تاجی پان 'چھالیہ سے سب کی تواضع کرتی پھر رہی تھی ان خواتین کو پان دے کر جب تاجی دوسرے مہمانوں کے ہجوم کی طرف بڑھ گئی تو وہ ان کی گفتگو کا موضوع بن گئی۔

بہت زیادہ رازداری سے بات کرنے والے۔

اور دبی دبی زبان سے سرگوشیاں کرنے والے لوگ بعض اوقات اپنی طرف سے بہت محتاط اور بہت چوکنے ہو کر باتیں کرتے ہیں لیکن ہوتا یہ ہے کہ ان کی سرگوشیاں کسی نہ کسی

طرح، کسی نہ کسی کے کانوں تک پہنچ ہی جاتی ہیں۔

کہنے والی خواتین اپنی بات کہہ گئیں۔

اور انہیں خبر بھی نہیں ہوسکی کہ۔

جس جگہ ان کی دانست میں کسی کے بھی نہ ہونے کا امکان تھا' وہاں اتفاق سے شفق کھڑی تھی۔ وہ جو ادھر چند دنوں سے اپنے دل و دماغ پر ایک بوجھ لئے ہوئے تھی ان عورتوں کی باتیں سن کر وہ بوجھ اتر گیا۔

وہ بوجھ اتر گیا لیکن۔

اس سے کہیں زیادہ بار گراں اس کے دماغ پر آگرا۔

افواہ!

کس قدر شدید دھماکہ ہوا تھا اس کے چاروں طرف۔

وہ پوری کی پوری لرز کر رہ گئی تھی۔

کانپ گئی تھی وہ۔

وہ وہاں سے ہٹ کر لوگوں کے ہجوم میں آگئی۔

پہلے تو چند منٹ کے لئے وہ سن سی ہو کر رہ گئی۔

اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے۔

بچوں کا شوروغل۔

ان کی ماؤں کی چیخ و پکار۔

زیورات کے ڈیزائن 'کپڑوں کی اقسام اوزان کی قیمتوں اور ہیئر اسٹائل کے موضوع پر باتیں کرتی ہوئی عورتیں۔ سب کچھ جیسے اس کی سماعت سے بہت دور چلی گئی تھیں۔

چند منٹ بعد جب اس کی یہ کیفیت دور ہوئی تو اسے اپنے دماغ کے پرخچے اڑتے ہوئے محسوس ہوئے۔

تند و تیز آندھی کا احساس ہو رہا تھا اسے اپنے چاروں طرف۔

بگولے اڑ رہے تھے۔

جھکڑ چل رہے تھے۔

اڑتے ہوئے بگولوں کی دھند میں عارف فیضی کا چہرہ

"اف خدایا!"

اس چہرے کی طرف دیکھنے کو بھی اس کا دل نہیں چاہ رہا تھا۔

کس قدر مکروہ نظر آرہا تھا وہ چہرہ۔

مہمان رخصت ہوگئے۔ صرف قریبی رشتہ دار خواتین اور شائستہ کی رشتے کی کچھ بہنیں رہ گئیں تھیں جو کافی دیر تک ڈھولک کی تھاپ پر گانے گاتی رہیں۔ ہنسی اور قہقہے لگاتی رہیں پھر

دھیرے دھیرے خاموشی چھانے لگی ایک ایک کر کے سب سو گئے۔

لیکن نیند شفق تک پہنچنے کا راستہ بھول گئی۔

ان عورتوں کی باتیں ہتھوڑے بن کر اس کے دماغ پر برس رہی تھیں۔

اور وہ سوچ رہی تھی۔

یہ شخص... جو بہت بڑا شاعر اور ادیب ہے۔

ایک دنیا اس کے حسن کی مداح ہے۔

جس کے قلم کی نوک سے نکلے ہوئے الفاظ کہیں تیر و نشتر بن جاتے ہیں تو کہیں مرہم اور پھاہا ہے۔

جو عورت کی مظلومیت کی تصویر کشی کرتا ہے تو بے اختیار اس کا قلم چوم لینے کو جی چاہتا ہے۔

جو مرد کی عیاری' اس کی شاطرانہ فطرت اور اس کے ہاتھوں بنے ہوئے مکرو فریب کے جال کی کہانیاں رقم کرنے پر آتا ہے تو جانے کتنے پڑھنے والے واہ واہ کر اٹھتے ہیں۔

جانے کتنی لڑکیاں اور عورتیں اس کی کتابوں کو پڑھتے پڑھتے سرہانے رکھ دیتی ہیں۔

اس سے ملنے اور اس سے باتیں کرنے کی تمنا اور آرزو ان عورتوں کو کبھی مشاعروں میں کھینچ لاتی ہے تو کبھی ادبی نشستوں میں۔

ان میں سے کچھ اتنی باہمت اور بلند حوصلہ ہیں کہ عارف فیضی سے ملنے اور ان سے چند باتیں کر لینے کی خاطر ان کے دفتر تک پہنچ جاتی ہیں۔

انہیں کون بتائے؟

ان سے کون کہے؟

کہ وہ... جس کا قلم کوٹھے پر بیٹھنے والی عورت کی زندگی کے کرب اور دکھ کی داستان اوراق پر اتنی خوبصورتی سے بکھیرتا ہے اس کی اصلیت کیا ہے؟

وہ جو حب الوطنی اور قوم پرستی کے جذبوں میں ڈوبی ہوئی نظمیں لکھ کر لوگوں سے داد و تحسین کے ڈونگرے اپنے اوپر برسواتا ہے اس کا اصل روپ کیا ہے؟

وہ.... جو اپنی غزلوں میں محبت کو پاکیزہ ترین جذبہ قرار دیتا ہے۔

وہ جس کے نزدیک چاہت اور الفت کے جذبات بند سیپیوں میں چھپے ہوئے موتیوں کی مانند ہیں۔

وہ محبت اور چاہت کا پیراہن خود اپنے ہی ہاتھوں کس طرح تار تار کرتا ہے۔

کس طرح دھجیاں بکھیرتا ہے وہ ان پاکیزہ جذبات کی۔

یہ شاعر' ادیب' ذلت اور کمینگی کے کتنے گہرے پانیوں میں کھڑا ہے یہ تاجی بتا سکتی ہے۔

یا پھر۔ یا پھر؟

یکلخت بھولے بسرے وقت کا ایک دھندلا سا واقعہ شفق کے ذہن پر دستک دینے لگا۔

ہنی مون کے دنوں میں ایبٹ آباد میں ان دنوں کی آخری رات۔

اچانک اس کی آنکھ کھل جانا۔

رات کے آخری پہر گرم گرم کافی کا کپ۔

ڈرائنگ روم کے سامنے والی راہداری میں اچانک کسی سائے کے گم ہو جانے کا احساس

چوکیدار کی جوان بیوی کی چوڑیوں کی کھنک

اور پھر گول مول الفاظ میں عارف فیضی کا یہ کہنا کہ کافی انہوں نے خود ہی تیار کی ہے۔

اس وقت عارف فیضی کی شخصیت تہ در تہ نقابوں کے پیچھے کچھ اس طرح چھپی ہوئی تھی کہ شفق اپنے خیالوں کو واہمہ سمجھی۔

راہداری میں کسی کی موجودگی کے احساس کو اگلے ہی لمحے اس نے اپنا شک سمجھ کر جھٹلا دیا۔

قریب سے آتی ہوئی چوڑیوں کی کھنک کی آواز سن کر اس نے یہ فرض کر لیا کہ چوکیدار کا کمرہ باورچی خانے کے قریب ہی ہے اس لئے آواز اتنی نمایاں ہے۔

عارف فیضی نے کہا انہوں نے کافی خود ہی بنائی ہے اور اس نے ان کی بات کو سچ مان لیا مگر۔

مگر آج۔ اس کا دل' اس کا دماغ ان سب باتوں کی نفی کر رہا تھا۔ گزرتے ہوئے وقت نے عارف فیضی کی تہ در تہ چھپی ہوئی شخصیت کو بے نقاب کیا تو دل پکار پکار کر کہنے لگا۔

اس شخص کی اصل حقیقت' اس کا اصل روپ' اس کا صحیح چہرہ یہی ہے۔ جو میں اب دیکھ رہی ہوں جو میں اب سن رہی ہوں۔

جس کے نزدیک بچپن کی عمر سے رکھی ہوئی ملازمہ کی عزت و عصمت کی کوئی قدر کوئی اہمیت نہیں اس کے نزدیک چوکیدار کی بیوی کی عزت کی کیا اہمیت ہوگی۔

عارف فیضی کے سلوک نے پہلے ہی شفق کے دل میں کون سی قدر و منزلت پیدا کر رکھی تھی لیکن اب ان کے اور تاجی کے بارے میں سننے کے بعد تو شفق کو ان کے وجود سے گھن آرہی تھی۔

ان کے بارے میں سوچنے کو بھی اس کا دل نہیں چاہ رہا تھا۔

لیکن سوچیں تھیں کہ پھر بھی اس کے دماغ پر یورش کئے جا رہی تھیں۔

کروٹ بدلتے ہوئے شفق کو یوں ہی خیال آیا۔

عارف فیضی کے گھر والے۔ ان کی امی' بہنیں' بھائی اور بھاوج اس بات سے بے خبر ہوں گے؟

لیکن اگر انہیں خبر ہو تب بھی وہ کیا کر سکتے ہیں۔

جو ہونے والی بات تھی وہ تو ہو چکی۔

تاجی کا جو کچھ لٹنا تھا وہ تو لٹ چکا۔

عارف فیضی کوئی ناسمجھ بچے تو ہیں نہیں جو انہیں سرزنش کیا جائے 'مارا پیٹا جائے۔
انہیں سرزنش کرے گا بھی کون۔
ان کے بھائی۔ ان کی بہنیں؟
سبھی تو ان سے چھوٹے ہیں بس ایک امی جان ہیں۔
انہوں نے بھی کیا کہا ہوگا؟ اور کس طرح کہا ہوگا۔
ایسی اولاد.... جو زندگی کا ناسور بن جائے کس طرح دکھ دیتی ہے۔
ایسی اولاد سے ناتا توڑنا بھی بس میں نہیں ہوتا۔
تمام رات آنکھوں میں کٹ گئی۔
شفق کو نیند نہیں آئی۔ صبح وہ سو کر اٹھی تو عارف فیضی سے بڑی دیر بعد اس کا سامنا ہوا۔
انہیں دیکھتے ہی نفرت کی ایک تند و تیز لہر تھی جو شفق کے پورے وجود میں سرایت کر گئی۔
جھرجھری سی آ گئی اسے۔
عارف فیضی کے تمام گھر والوں پر اسے بے انتہا رحم آیا۔
اپنے جذبات اور اپنی کیفیت پر وہ بڑی مشکل سے قابو پا سکی۔ وہ زیادہ دیر ان کے پاس ٹھہری بھی نہیں اور شائستہ کے پاس چلی گئی۔
پھر شادی 'ولیمہ 'چوتھی سب کچھ ہو گیا۔ ساری تقریبات بخیر و بخوبی ختم ہو گئیں۔ گھر میں سناٹا سا چھا گیا۔
شفق اور عارف فیضی کراچی واپس آ گئے۔ شفق کے دل و دماغ پر بہت بوجھ تھا۔
کبھی اس کا دل چاہتا وہ عارف فیضی سے ان کے اور تاجی کے بارے میں پوچھے اور ان کی غلط بیانی پر ان کی اصلیت کو ان کے سامنے بے نقاب کر دے۔
اور کبھی سوچتی۔
کیا ضرورت ہے مجھے یہ سب پوچھنے کی۔
وہ چاہے اپنی زبان سے اقرار کریں یا نہ کریں۔
وہ جو کچھ اور جیسے بھی ہیں مجھے معلوم تو ہو ہی چکا۔
تاجی کے بارے میں ان سے پوچھنے کا مطلب یہ ہوگا کہ از سر نو لڑائی جھگڑا ہوگا۔
زندگی میں سکون خوشی اور مسرت تو ویسے بھی نہیں ہے 'مزید تلخیاں بھرنے سے کیا فائدہ۔
بس جیسے گزر رہی ہے گزر جانے دوں۔
کئی دفعہ دل کی بات شفق کے ہونٹوں تک آتے آتے رہ گئی۔ اس نے بڑی مشکل سے اپنے آپ کو سمجھایا۔ بہت مشکل سے روکا۔
پھر اس نے خاموشی اختیار کر لی کسی بھی معاملے میں نہ بولنے کا ارادہ کر لیا۔ یہاں تک کہ ماہرہ کے بارے میں بھی اس نے کچھ کہنا چھوڑ دیا۔ عارف فیضی کے گھر میں رہنے کے اوقات

ہیں دن بدن کمی آ رہی تھی۔
اور خود عارف فیضی اس کی طرف سے اتنے لاپرواہ اور اس قدر بے نیاز ہوتے جا رہے تھے کہ کبھی پلٹ کر پوچھتے بھی نہیں تھے۔
تمہیں کیا ہوتا جا رہا ہے شفق؟
تم اتنی گم صم اور اتنی چپ چپ سی کیوں رہنے لگی ہو؟
کس بات کی فکر تمہیں اندر ہی اندر کھائے جا رہی ہے؟
زندگی کے تپتے جھلستے راستوں پر چلتے چلتے ایک روز اچانک وہ چہرے اسے پھر نظر آ گئے انہیں دیکھ کر اس کی رگوں میں خون جوش مارنے لگا۔
جن پر نگاہ پڑتے ہی اس کے دل کی دھڑکنیں بے اختیار تیز ہو گئیں۔
وہ چہرے 'وہ صورتیں اب اس کے لئے راحت جاں تو تھے۔
لیکن پھر بھی درد کی ایک لہر سی اس کی رگ و پے میں سرایت کر گئی۔
زندگی اگر پر سکون اور پر مسرت انداز سے گزر رہی ہوتی تو شاید ان چہروں کو دیکھ کر دل میں درد کی کوئی لہر نہ اٹھتی۔
مگر یہاں تو یہ عالم تھا کہ دکھ کی بھاری صلیبوں کو گلے میں لٹکائے ایک ایک قدم اٹھانا دشوار تھا۔ ہر سانس گراں بار تھی۔
روح زخموں کے انبار تلے دبی سسک رہی تھی۔
کتنے دشوار تھے وہ لمحے
اور اپنے جذبات پر قابو پانا اسے مشکل ترین کام لگ رہا تھا۔
خداوندا! یہ کیسے لمحات آ گئے ہیں میری زندگی میں؟
کیا حرج تھا تو جو آج اس تقریب میں 'میں نہ آتی۔
عارف فیضی نے اصرار بھی تو نہیں کیا تھا مجھ سے۔
میں کیوں رضامند ہو گئی تھی یہاں آنے کے لئے؟
وہ اپنی جگہ پر مضطرب سی بیٹھی سوچے جا رہی تھی۔
عارف فیضی ابھی ابھی اس کے پاس سے اٹھ کر اپنے کچھ دوستوں کے ہجوم کی طرف بڑھ گئے تھے وہاں اس کے قریب بیٹھے ہوئے لوگ اجنبی اور ناآشنا تھے اس محفل میں کچھ شناسا اور مانوس چہرے تھے تو سہی لیکن وہ اس سے دور فاصلے پر بیٹھے تھے۔
گیٹ سے اندر داخل ہوتے ہوئے غزنوی اور اپنے بچوں پر نگاہ پڑتے ہی وہ کس بری طرح چونکی تھی لیکن پھر اگلے ہی لمحے اس نے گھبرا کر اپنے ارد گرد دیکھا۔
کہیں 'کسی نے اس کو اس طرح چونکتے ہوئے دیکھا تو نہیں؟
اس کے چہرے کی کیفیت پر کسی نے توجہ تو نہیں دی۔

اس نے فوراً ہی بظاہر نارمل ہونے کی پوری پوری کوشش کی۔
لیکن اس کا دل!
اور اس کا دماغ!
کتنی توڑ پھوڑ ہو رہی تھی۔ اس کے وجود کے اندر

اتنے بہت سارے ہنستے مسکراتے اور قہقہے لگاتے ہوئے لوگوں کے درمیان بیٹھی ہوئی وہ کتنی شدید ذہنی کشمکش کا شکار تھی، یہ کسی کو کیا خبر تھی۔

دل و دماغ پر ٹوٹنے والی ہر قیامت کو چھپانے کی تمامتر کوششوں کے باوجود اس کا چہرہ داستان غم بن کر رہ گیا تھا۔ اس داستان غم کو پڑھنا دوسروں کے لئے کوئی ایسا مشکل کام تو نہیں تھا۔

وہ تو اب مجمع میں جانے سے گھبرانے لگی تھی، لوگوں سے کترانے لگی تھی دنیا والوں سے نگاہیں ملاتے ہوئے اسے اب خوف آنے لگا تھا۔

ابھی وہ متضاد سوچوں میں ہی الجھی ہوئی تھی کہ غزنوی کو دونوں بچوں کے ساتھ اس نے اپنی سمت بڑھتے دیکھا۔ شفق کو اپنے ہاتھ پیر برف کی طرح یخ محسوس ہوئے۔ وہ تینوں اس کے قریب والی نشستوں پر بیٹھ گئے۔

غزنوی کے دل و دماغ کی کیفیت بھی عجیب تھی۔ شفق پر ان کی نگاہ پڑی لیکن پہلے پہل انہیں اپنی بصارت پر یقین نہیں آیا۔ انہوں نے پلکیں جھپکا کر دوبارہ اس کی طرف دیکھا۔

شفق! یہ تم ہو؟
کس قدر بدل گئی ہو تم؟
تمہارا وہ حسین روپ کیا ہوا؟
وہ ستاروں کی طرح روشن آنکھیں کتنی بجھی بجھی سی لگتی ہیں۔
تم تو کہتی تھیں کہ تم نے بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا تھا۔
اپنی مرضی اور خوشی سے تم نے ایک راستے کا انتخاب کیا تھا۔
پھر کیا ہوا؟
کیا وہ راستہ وادی پر خار کی طرف جاتا تھا؟
کس طرح پوچھوں کہ تم پر کیا گزری؟ اچھی گزری یا بری گزری؟

غزنوی شفق سے کچھ دور جا کر بیٹھ گئے۔ اس وقت وہاں سے اٹھ کر کہیں اور بیٹھنا بھی مناسب نہیں تھا۔ میزبان ان لوگوں کو لے کر اس طرف کی خالی نشستوں تک آ کر ٹھہر گئے تھے۔

شفق کا رنگ و روپ ماند پڑ گیا تھا۔
چمکتی ہوئی آنکھوں میں وہ پہلی سی بات باقی نہیں رہی تھی لیکن۔
وہ وقار، وہ تمکنت تو اب بھی اس میں موجود تھی۔

وہ شہزادیوں کی سی آن بان تو اب تک اس میں موجود تھی۔

شفق ایک دفعہ بھرپور نگاہوں سے غزنوی کی طرف دیکھنے کے بعد نظریں چرائے بیٹھی تھی دوبارہ غزنوی کی طرف دیکھنے کی اس میں ہمت ہی نہیں تھی۔

پھر چند منٹ بعد غزنوی اٹھ کھڑے ہوئے انہوں نے ایک تاسف بھری نگاہ شفق پر ڈالی اور مہروز سے مخاطب ہو کر بولے۔

"آؤ بیٹے! اس طرف بیٹھتے ہیں۔"

انہوں نے کافی فاصلے پر پڑی ہوئی خالی نشستوں کی طرف اشارہ کیا۔

"اچھا ابو!۔"

مہروز یہ کہہ کر اٹھا ہی تھا کہ شفق اپنے اردگرد بیٹھے ہوئے لوگوں کی موجودگی سے بے پروا ہو کر پکار اٹھی

"مہروز۔"

مہروز کی نگاہیں تو تھیں ہی شفق کی طرف۔

پھر وہ اگلا قدم اٹھا ہی نہ سکا۔ اپنی جگہ کھڑے کھڑے اس نے متذبذب انداز سے ایک دفعہ غزنوی کی طرف دیکھا۔ پھر قریب بیٹھی ہوئی اپنی بہن افق کی طرف دیکھا اور آخر کار اس کی نگاہیں پھر اپنی ماں کے چہرے پر آ کر ٹھہر گئیں۔

شفق دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر مہروز کو پکار تو بیٹھی تھی لیکن اب سخت پریشان تھی۔

اپنے بچوں سے بات کرے یا نہ کرے؟
عارف فیضی نے دیکھ لیا تو وہ پوچھیں گے ضرور۔

اور پھر ایسا نہ ہو کہ ایک نئی قیامت ٹوٹ پڑے مجھ پر۔ لیکن پھر اس نے آنے والے لمحات کے ہر خوف و خطر سے بے نیاز ہو کر اپنے بچوں سے بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

اس اثناء میں مہروز بھی فیصلہ کر چکا تھا کہ یہ عورت، جو میرے سامنے بیٹھی ہے۔
جس نے مجھے پکارا ہے۔
جو ہم سب کو چھوڑ چکی ہے۔
بالآخر یہ میری ماں ہے۔
مجھے اس کی بات سن ہی لینی چاہئے۔
اس نے غزنوی کے پاس جا کر آہستہ سے کہا۔

"ابو... آپ آگے چل کر بیٹھئے میں اور افق ابھی آتے ہیں۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔"

غزنوی ایک دبی ہوئی سانس لے کر آگے بڑھ گئے۔
مہروز، شفق کے سامنے والی نشست پر آ بیٹھا۔

شفق کی نگاہیں افق کی طرف اٹھ گئیں۔
اس نے زبان سے کچھ نہیں کہا۔
لیکن 'اس کی نگاہیں بول رہی تھیں۔
وہیں بیٹھی رہو گی؟
آواز دینے کی ضرورت ہے تمہیں؟
اور یہ کیسے ممکن تھا کہ افق اپنی ماں کی نگاہوں کا مفہوم نہ سمجھتی۔ ایک لمحے کے لئے اس نے آگے بڑھتے ہوئے اپنے باپ کی طرف دیکھا اور اٹھ کر شفق کے قریب آگئی۔ شفق جس جگہ بیٹھی تھی 'وہاں آس پاس نسبتاً" کم لوگ تھے۔ اردگرد کی بیشتر نشستیں خالی تھیں۔
شفق نے باری باری اپنے دونوں بچوں کی طرف دیکھا اور مدھم لہجے میں بولی۔
"کیسے ہو تم دونوں؟۔"
"ٹھیک ہوں۔" افق اور مہروز نے بیک وقت کہا۔
"اور باقی سب لوگ۔۔"
"باقی سب لوگ بھی ٹھیک ہیں۔"
"خالہ سے ملنے جاتے ہو؟۔"
"ٹینا خالہ سے؟۔"
"ہاں ایک ہی تو خالہ ہے تم لوگوں کی۔"
"جی 'وہ خود بھی ملنے آتی ہیں۔"
"نانی اماں کیسی ہیں؟۔"
"جی... وہ...۔"
مہروز نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ افق اور مہروز نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ پھر چند سیکنڈ کی خاموشی کے بعد افق نے کہا۔
"نانی اماں بہت بیمار ہیں۔"
شفق نے ایک گہری سانس لی اور سوچوں میں ڈوب گئی۔
مہروز نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔
"آپ... آپ بیمار ہیں؟۔"
شفق نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور بولی۔
"میں؟ نہیں تو...۔"
"آپ بہت کمزور ہو گئی ہیں۔"
شفق کے ہونٹوں پر ایک زخم خوردہ مسکراہٹ ابھری 'ایک لمحے کے لئے اس نے مہروز کی طرف دیکھا اور بولی۔

"بہت عرصے بعد دیکھا ہے نا تم نے مجھے 'اس لئے اتنی بدلی ہوئی نظر آرہی ہوں۔"
"مہروز ٹھیک کہہ رہا ہے امی 'آپ کا رنگ زرد پڑ گیا ہے۔ آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقے ئے ہیں اور دبلی بھی ہو گئی ہیں۔"
شفق مسکرا کر بولی۔
"نہیں 'ایسی کوئی بات نہیں ہے 'وہم ہے تم لوگوں کا۔"
افق دو تین منٹ خاموش رہی پھر بولی۔
"آپ تنہا آئی ہیں؟۔"
"نہیں۔"
شفق اس کا مطلب اچھی طرح سمجھ رہی تھی۔
افق نے متجسس اور سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔
شفق اس کی نگاہوں کا مفہوم سمجھتے ہوئے بولی۔
"آگے کہیں مجمع میں ہوں گے۔"
پھر افق نے اٹھتے ہوئے کہا۔
"چلو مہروز... ابو اکیلے بیٹھے ہوں گے۔"
"ہاں چلو۔"
مہروز بھی اٹھ گیا۔ شفق کی نگاہوں میں اداسی سی اتر آئی۔
اس نے ایک دبی ہوئی سانس لے کر کہا۔
"کبھی کبھی ٹیلی فون کر لینے میں کوئی حرج تو نہیں ہے۔"
افق اور مہروز دونوں خاموش رہے۔ شفق نے کہا۔
"میں اپنا نمبر دوں تو تم لوگ فون کرو گے؟۔"
"جی 'دے دیجئے۔"
افق نے کہا۔
شفق نے پرس کھول کر چھوٹی سی نوٹ بک نکالی اور اپنا فون نمبر دیتے ہوئے کہا۔
"میں انتظار کروں گی تم لوگوں کے فون کا۔"
"جی بہتر ہے۔"
پھر ان دونوں کو وہاں سے گئے ہوئے چند منٹ بھی نہیں گزرے تھے کہ عارف فیضی ئے۔ انہوں نے افق اور مہروز کو شفق سے بات کرتے دیکھا تھا یا نہیں 'شفق کو اس بات کا ازہ نہیں ہو سکا 'خود انہوں نے اس بات کا اظہار کیا بھی نہیں۔ اور پھر تقریب کے اختتام غزنوی 'افق اور مہروز 'شفق سے دور دور ہی رہے۔ جبکہ ان تینوں کی نگاہیں 'ہجوم میں ار شفق پر پڑ رہی تھیں۔

شفق کو ڈھونڈ رہی تھیں اور خود شفق کی بھی یہی کیفیت تھی۔

مگر واپس آتے ہوئے راستے میں عارف فیضی نے ایک دم شفق سے پوچھا۔

"وہ لڑکا اور لڑکی کون تھے ؟۔"

شفق کو اگرچہ اس بات کا خیال تو تھا کہ عارف فیضی نے اسے مہروز اور افق سے باتیں کرتے ہوئے دیکھا ہوگا اور وہ اس سے پوچھیں گے بھی ضرور لیکن پھر بھی اس وقت عارف فیضی کے پوچھنے پر وہ ایک دم گھبرا گئی۔ اس کا رنگ زرد پڑ گیا مگر فوراً ہی اس نے اپنے آپ کو سنبھالا۔ اور ان کی بات کا جواب دینے کے بجائے انہی سے الٹا سوال کر بیٹھی۔

"آپ کا کیا خیال ہے ؟ کون ہوسکتے ہیں وہ ؟۔"

عارف فیضی کچھ جھنجلا کر بولے۔

"میرے خیال کی بات چھوڑو تم خود ہی بتادو۔"

"سمجھ تو گئے ہوں گے آپ خود بھی' میری زبان سے سننا ضروری ہے ؟۔"

عارف فیضی نے بڑے رعب سے کہا

"ہاں' میں تمہاری زبان سے سننا چاہتا ہوں۔"

شفق نے ان کے لہجے کو نظر انداز کرتے ہوئے لاپرواہی سے کہا۔

"وہ دونوں افق اور مہروز تھے... میرے بچے۔"

"خوب! تو آخر کار ملاقات ہو ہی گئی۔"

عارف فیضی کے لہجے میں طنز تھا۔ پھر وہ طنز کا کچھ اور کاری وار کرتے ہوئے بولے۔

"غزنوی سے بات نہیں ہوئی ؟۔"

اپنے بچوں سے بات کرنے اور ان سے ملنے کے بعد شفق کے دل میں ہمت اور حوصلہ پیدا ہوگیا تھا۔ اس وقت اسے عارف فیضی کے طنز کی کوئی پروا نہیں تھی اور نہ ان کی بات سے ڈر اور خوف محسوس ہو رہا تھا۔

اس نے گردن موڑ کر بڑی کڑی نگاہوں سے گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے عارف فیضی کی طرف دیکھا اور بولی۔

"آپ نے جب دونوں بچوں سے باتیں کرتے ہوئے مجھے دیکھا ہے تو یہ بھی دیکھا ہوگا کہ غزنوی نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی اور نہ میں نے غزنوی سے۔"

"تمہارا کیا خیال ہے میں سارا وقت تمہاری چوکیداری کرتا رہا ؟۔"

عارف فیضی بڑی دیر سے اس کے لہجے کی تلخی کو محسوس کر رہے تھے آخر کار ایک دم چراغ پا ہوگئے اور بولے۔

"دماغ کیوں عرش معلیٰ پر پہنچے ہوئے ہیں تمہارے ؟ غزنوی کا دیدار ہوگیا ہے۔ اس لئے ؟۔"

شفق نے ان کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

عارف فیضی نے ایک اور کچوکا لگایا۔

"اب کون سی جگہ طے ہوئی ہے ملنے کے لئے ؟۔"

"آپ کا کیا خیال ہے آج جو اتفاقیہ طور پر ہم ایک جگہ اکٹھا ہوگئے تو یہ پہلے سے طے شدہ اسکیم تھی ؟۔"

"اب یہ تو تم ہی بہتر جانتی ہوگی یا پھر تمہارے غزنوی۔"

"غزنوی کے ساتھ میرا رشتہ ناتہ ٹوٹ چکا ہے' اب نہ وہ میرے ہیں' نہ میں ان کی۔"

"بچوں کے ساتھ تو رشتہ قائم ہے۔"

"جی ہاں' وہ رشتہ قائم ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ دنیا کا کوئی فرد یہ بات نہیں کہہ سکتا کہ میں ان کی ماں نہیں ہوں یا وہ میرے بچے نہیں ہیں۔"

"اچھا مگر کبھی ان کے لئے تمہاری مامتا تڑپی نہیں۔ کبھی ان سے ملنے کو تمہارا دل نہیں چاہا ؟۔"

"یہ تو میرا دل جانتا ہے کہ میری مامتا تڑپی یا نہیں تڑپی' ان سے ملنے کو میرا دل چاہا یا نہیں چاہا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم آج تک مجھے فریب دیتی رہیں۔"

"لیکن اب فریب نہیں دوں گی۔"

"کیا مطلب ؟۔"

"مطلب یہ کہ اب جب کبھی میں اپنے بچوں سے ملوں گی' یا انہیں فون کروں گی' یا وہ مجھے فون کریں گے تو آپ سے چھپاؤں گی نہیں' آپ کو بتادیا کروں گی۔"

عارف فیضی حیران تھے... وہ کس طرح دوٹوک ان سے گفتگو کر رہی تھی۔

انہوں نے کہا۔

"ایک دن بچوں سے ملاقات کیا ہوگئی' تمہاری ہمت اور حوصلہ اس قدر بڑھ گیا' اپنی کھال میں رہنا میں بہت برا حشر کرنے والے لوگوں میں سے ہوں۔"

پھر انہوں نے کچھ رک کر کہا۔

"ایسا نہ ہو کہ تمہیں پچھتانے کا وقت بھی نہ ملے۔"

عارف فیضی سخت غصے کے عالم میں گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے گھر پہنچے۔ شفق کو تو سارے راستے یہی دھڑکا لگا رہا کہ معلوم نہیں خیریت سے گھر پہنچ بھی سکیں گے یا نہیں۔

وہ اس سے کوئی بات کئے بغیر کپڑے تبدیل کرکے سونے کے لئے لیٹ گئے۔ شفق خود بھی اس وقت کوئی بات کرنے کے موڈ میں نہیں تھی۔ کپڑے تبدیل کرکے وہ بھی سونے کے لئے لیٹ گئی لیکن نیند اس کے پاس بھٹکی بھی نہیں۔ ساری رات آنکھوں میں کٹ گئی۔

زندگی کے سارے لمحے جو خواب بن کر گزر گئے تھے۔ اس کی نگاہوں کے سامنے تھے۔

غزنوی کے ان گنت روپ تھے جن پر نگاہ پڑتے ہی دل کے زخم تازہ ہوئے جا رہے تھے۔

آج اپنے بچوں سے مل کر بے اختیار اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ پھر اسی گھر میں لوٹ جائے جس کے دروازے خود اپنے ہاتھوں ہی بند کر کے وہ چلی آئی تھی۔

رات دھیرے دھیرے گزرتی رہی۔

شبنم کی برسات میں سبزہ بھیگتا رہا۔

گہری اداسی اور گھمبیر سناٹا شفق کو اپنے ارد گرد محسوس ہو رہا تھا۔

اس کا دل چاہتا تھا کہ بس زندگی کے انہی لمحات میں چپکے چپکے آنسو بہاتے ہوئے اس کی سانس کی نازک ڈور ٹوٹ جائے۔

دوسری طرف غزنوی نے بھی ساری رات اپنے کمرے میں ٹہل ٹہل کر اور سگریٹ پھونک کر گزار دی وہ پچھتا رہے تھے... آخر وہ کیوں اس تقریب میں چلے گئے تھے؟

وہ اور شفق جب سے جدا ہوئے تھے آج پہلی بار انہوں نے شفق کو دیکھا تھا اور دیکھ کر حیران رہ گئے تھے.....؟

انہوں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ اپنی موجودہ زندگی سے خوش اور مطمئن نہیں ہے۔

اس کا مرجھایا ہوا زرد چہرہ، بجھی بجھی نگاہیں، چہرے پر چھائی ہوئی اداسی اور آنکھوں میں

اتری ہوئی گہری سوچیں۔

اگر وہ خوش ہوتی تو اس کا روپ یہ ہوتا؟

غزنوی کی نگاہوں نے تو اس کے ان گنت حسین روپ دیکھے تھے وہ روپ آج بھی ان کی نگاہوں میں بسے ہوئے تھے۔

تقریب کے دوران انہوں نے بڑی مشکل سے اپنے آپ کو سنبھالا تھا۔ بار بار ان کی نگاہیں اسی سمت اٹھتی تھیں جہاں وہ بیٹھی تھی ان کا دل بے اختیار ہوا جا رہا تھا۔

اسے دیکھ لیا تھا تو اب ان کا دل چاہتا تھا کہ وہ اس سے پوچھیں۔

کیا غم ہے تمہیں؟

کون سے دکھ ہیں تمہیں؟

کون سی فکروں نے تمہیں گھلا دیا ہے؟

تمہارا حسن تمہاری خوب صورتی اور تمہاری صحت یہ سب کچھ کہاں کھو گیا؟

کہاں لٹ گئی تمہاری یہ ساری دولت؟

اپنے ہم خیال ہم ذہن اور من پسند شخص سے شادی کر کے بھی تم اپنے حسن اور اپنی صحت کی دولت کو بچا نہیں سکیں۔

لیکن یہ سب کچھ غزنوی اس سے پوچھ نہیں سکے۔

وہ اس سے پوچھ بھی نہیں سکتے تھے۔

انہوں نے سوچا۔

آخر انہیں کیا حق ہے شفق سے یہ سب کچھ پوچھنے کا۔

اب ان کا کیا رشتہ ہے اس کے ساتھ؟

اور وہ ان کی کیا لگتی ہے؟

ماضی کے دریچوں کو کھولتے بند کرتے ہوئے صبح ہو گئی مسجدوں میں فجر کی اذانیں بلند ہونے لگیں دھیرے دھیرے کاروبار زندگی معمول پر آنے لگا۔

عارف فیضی کے بگڑے تیور اس دفعہ کچھ زیادہ ہی بگڑ گئے صبح شفق نے انہیں چائے کا کپ دیا تو انہوں نے قہر آلود نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا اور چائے واش بیسن میں الٹ دی شفق نے ناشتے کے لئے کہا تو پھاڑ کھانے والے انداز میں بولے۔

"مجھے نہیں ضرورت تمہاری خدمتوں کی۔"

"کوئی وجہ بھی ہو [illegible] ؟"

شفق نے دبی زبان سے کہا۔

"تمہیں جب اپنے عزیز از جان غزنوی اور اس کے چہیتے بچوں کی یاد میں آہیں بھرنے سے فرصت مل جائے تب میرا کوئی کام کر دینا"۔

وہ سیدھے اس کی آنکھوں میں گھورتے ہوئے بولے۔
"آپ سے کس نے کہہ دیا کہ میں ان کی یاد میں آہیں بھرتی ہوں؟۔"
"تم کیا سمجھتی ہو؟ میں بچہ ہوں' ناسمجھ ہوں' نادان ہوں۔"
"غلط فہمی کا کوئی علاج نہیں۔"
شفق یہ کہہ کر دوسری طرف مڑ گئی عارف فیضی غصے میں بھرے ہوئے آفس چلے گئے
شفق نے جلدی جلدی باقی کاموں کو سمیٹا اور یونیورسٹی چلی گئی اس کا خیال تھا کہ شام تک عارف فیضی کا غصہ ٹھنڈا ہوجائے گا اور وہ نارمل ہوجائیں گے کیونکہ عموماً" یہی ہوتا تھا انہیں غصہ بڑی شدت سے آتا تھا لیکن شام تک یا اگلے ایک دو روز تک وہ بالکل نارمل ہوجاتے تھے یہ الگ بات تھی کہ اگلے دو تین دن کے اندر ہی وہ کسی دوسری بات پر چراغ پا ہوجاتے تھے مگر اس دفعہ تو چار پانچ دن گزر گئے ان کے مزاج میں کوئی تبدیلی نہیں آئی یوں تو وہ گھر میں وقت ہی بہت کم گزارتے تھے جو وقت گزارتے تھے اس میں یا تو کوئی بات ہی نہیں کرتے تھے یا پھر غزنوی اور بچوں کا طعنہ دیتے تھے اس کی ذات پر کیچڑ اچھالتے تھے گھٹیا سے گھٹیا بات جو اس کی ذات سے منسوب کرسکتے تھے کرتے تھے۔
شفق کا دل و دماغ جیسے سن ہو کر رہ گیا تھا۔
اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ کیا کرے؟
کسی اندھے کنویں میں چھلانگ لگا دے؟
کہیں روپوش ہوجائے؟
کچھ کھا کر ہمیشہ کے لئے سوجائے؟
اٹھتے بیٹھتے طعنے سن سن کر اس کا سینہ چھلنی ہوگیا تھا۔
ان چار پانچ دنوں میں اس نے مہروز اور رافق کے ٹیلیفون کا انتظار بڑی شدت سے کیا۔
فون کی گھنٹی بجتی تو بے اختیار اس کا دل دھڑک اٹھتا اس کا دل کہتا مہروز یا افق کا فون ہوگا لیکن ریسیور کان سے لگاتے ہی اس کے دل میں مایوسی کی لہر دوڑ جاتی۔
وہ اداس ہو کر سوچتی۔
میں بھی کتنی نادان ہوں؟
وہ بھلا مجھے فون کیوں کریں گے؟
وہ میری بات کی پروا کریں گے یا اپنے باپ کی؟
یقیناً غزنوی نے انہیں منع کردیا ہوگا۔
درد کی ایک لہر سی اس کے رگ وپے میں سرایت کرجاتی۔
ایک گہری سانس لے کر وہ سوچتی۔
اگر غزنوی نے مہروز اور رافق کو فون کرنے سے منع کیا ہے تو وہ اس میں حق بجانب بھی ہیں۔

میں انہیں کون سی خوشیاں اور مسرتیں سونپ آئی تھی جو ان کے دلوں میں میری محبت کروٹیں لے گی؟
میں ان کے لئے کون سی نیک نامی چھوڑ آئی تھی جو اب وہ مجھ سے بات کرنے' مجھے دیکھنے اور مجھ سے ملنے کے متمنی ہوں گے؟
وہ سارے لوگ تو میرا ذکر کرنے سے بھی گریز کرتے ہوں گے۔
شفق نے کئی بار ارادہ کیا کہ وہ خود ہی فون کرکے اپنے بچوں سے بات کرے لیکن اپنی سوچ پر عمل کرتے ہوئے اسے ڈر لگتا تھا۔
معلوم نہیں فون کون ریسیو کرے' غزنوی کی امی! ابو' یا پھر خود غزنوی۔
کیا بتاؤں گی کہ میں کون بول رہی ہوں۔
کچھ نہ بن پڑا تو اس نے ٹینا کا نمبر ہی ملالیا۔ نمبر ملاتے ہوئے وہ دل ہی دل میں دعا کررہی تھی کہ ٹینا ہی فون ریسیو کرے اس کی دعا قبول ہوگئی ٹینا اس وقت گھر میں تنہا ہی تھی شفق بڑی دیر تک اس سے باتیں کرتی رہی اپنے بچوں سے ملاقات کا ذکر بھی اس نے کردیا اور پھر بڑے بجھے ہوئے لہجے میں اس نے کہا۔
"مگر ان دونوں نے مجھے فون نہیں کیا۔"
"موقع نہیں ملا ہوگا۔"
"موقع نہیں ملا ہوگا یا پھر ان کے دلوں میں میرے لئے محبت کی جگہ نفرت نے لے لی ہوگی۔"
شفق نے افسردہ لہجے میں کہا۔
ٹینا خاموش رہی تو شفق نے کہا۔
"ٹینا تم تو ان سے ملتی رہتی ہو۔"
"ہاں۔"
"تمہیں تو معلوم ہی ہوگا وہ لوگ مجھ سے نفرت کرنے لگے ہیں؟۔"
"نہیں! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"
شفق نے پھر کہا۔
"ٹینا میرا دل چاہتا تھا میں ایک دفعہ سب سے مل کر معافی مانگ لوں حالانکہ۔"
"حالانکہ میں جانتی ہوں کہ جو زخم میں نے تم لوگوں کو دیئے ہیں۔ معافی کے چند الفاظ ان پر مرہم نہیں رکھ سکتے۔ نہ ہی میرے ضمیر کا بوجھ ان سے ہلکا ہوگا لیکن میں کیا کروں؟ میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا...."
ٹینا نے اس کی بات سن کر ایک دبی ہوئی سانس لی' شفق نے کہا۔
"ٹینا! مجھے کوئی راستہ دکھاؤ' مجھے بتاؤ.... اپنے دل و دماغ پر پڑا ہوا یہ بھاری بوجھ میں کس

طرح ہٹاؤں؟۔"

"میں کیا بتاؤں آپا؟ میں خود تمہیں کوئی مشورہ دینے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔"

"مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے اس بوجھ کو میں زیادہ عرصے تک برداشت نہیں کرپاؤں گی ہر لمحے مجھے اپنا دم گھٹا ہوا محسوس ہوتا ہے"۔

ٹینا خاموش رہی تو شفق نے کہا۔

"تم مجھ سے نہیں مل سکتیں ٹینا؟ ایک دفعہ بھی نہیں؟"

"میں تمہیں پہلے بھی بتا چکی ہوں آپا! ابو نے ہم سب کو قسم دی تھی کہ ....۔"

"قسم توڑ دو ٹینا! کفارہ ادا کر دینا۔"

ٹینا روہانسی ہو گئی۔

شفق نے بے اختیار سسکتے ہوئے کہا۔

"میں امی کو دیکھنا چاہتی ہوں صرف ایک بار تم یقین کرو میں انہیں یا کسی کو معلوم نہیں ہونے دوں گی خاموشی سے دیکھ کر چلی آؤں گی۔"

"امی آج کل یہاں نہیں ہیں تبدیلی آب و ہوا کے لئے گئی ہوئی ہیں۔"

"کہاں؟ کہاں گئی ہیں؟۔"

شفق نے بیتابی سے پوچھا۔

"مری گئی ہیں"۔

"کب تک آجائیں گی؟۔"

"کچھ پتہ نہیں ان کی صحت پر منحصر ہے۔"

"اچھا۔"

شفق نے مایوسی سے کہا اور ریسیور کان سے لگائے گہری سوچ میں ڈوب گئی۔

ٹینا دو ایک منٹ اس کے بولنے کا انتظار کرتی رہی پھر اس نے پوچھا....

"اب تو کوئی بات نہیں کرنی ہے میں فون بند کر دوں۔"

شفق نے چونک کر کہا۔

"بات 'باتیں تو اتنی ہیں کہ تم سنتے سنتے تھک جاؤ گی لیکن ....۔"

اس نے بات ادھوری چھوڑ کر ایک طویل سانس لی اور بولی۔

"لیکن مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے یہ ساری باتیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے میرے سینے میں ہی دفن ہو جائیں گی۔"

"بہت زیادہ مایوسی کی باتیں کر رہی ہو آج۔" ٹینا کے لہجے میں تشویش تھی۔

"مایوسی کے سوا اب میری زندگی میں رکھا ہی کیا ہے 'یقین کرو ٹینا! اب تو زندہ رہنے کو بھی دل نہیں چاہتا۔"

"حالات ہمیشہ ایک سے نہیں رہتے 'تم کیوں دل چھوٹا کر رہی ہو؟۔"

"میں مرجاؤں گی تب بھی تم مجھے دیکھنے نہیں آؤ گی؟"۔ شفق نے کہا۔

"دونوں وقت مل رہے ہیں کوئی اچھی بات زبان سے نکالو آپا۔"

"میرے نزدیک تو اب اچھی بات یہی ہے کہ جلد از جلد اس زندگی سے چھٹکارا نصیب ہو۔"

"افوہ! میں فون بند کر رہی 'تم اس وقت بہت دل برداشتہ ہو رہی ہو....۔"

ٹینا نے کہا۔

لیکن ٹینا کے فون بند کرنے سے پہلے خود شفق نے فون بند کر دیا۔

عارف فیضی اب تک نہیں آئے تھے پچھلے بہت سارے دنوں کی طرح وہ تنہا تھی۔

وحشتیں اسے اپنے حصار میں لئے ہوئے تھیں۔

اندر باہر چاروں طرف گہری اداسی اور سناٹا تھا۔

اس کی روح چیخ رہی تھی۔

سسک سسک کر کہہ رہی تھی۔

کوئی تنہائیوں کے ڈستے ناگوں سے مجھے دور کر دے۔

کوئی میرے گھر کے اس منجمد سناٹے میں ارتعاش پیدا کر دے۔

کوئی میرے دل و دماغ پر پڑے ہوئے بوجھ کو اتار کر مجھے آزاد کر دے۔

پاگلوں اور دیوانوں کی طرح چاروں طرف دیکھتے ہوئے اس کے دل کا سارا درد سمٹ کر آنکھوں میں آگیا۔ بہتے آنسو پلکوں کے بند توڑ کر باہر آئے۔

رخساروں پر روانی سے پھسلنے لگے۔

اور اس کے بعد وہ ویران 'تنہا گھر کے سناٹوں میں پھوٹ پھوٹ کر روئی۔

کوئی نہیں تھا اس گھر میں... اس کے پاس... جو اسے چپ کراتا... اس کے آنسو پونچھتا۔

اور پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ شفق کی گھریلو زندگی تلخ سے تلخ تر ہوتی چلی گئی۔

عارف فیضی ان دنوں پوری طرح ماہرہ کے دام میں گرفتار ہو چکے تھے ان دونوں کے میل ملاپ کی خبریں شفق سے ڈھکی چھپی نہیں تھیں۔ لیکن اب اس موضوع پر بھی عارف فیضی سے کوئی بات کرنے کو اس کا دل نہیں چاہتا تھا۔

عارف فیضی کے ساتھ سکون اور مسرت کی زندگی گزارنے کا خیال ہی اب مضحکہ خیز ہو گیا تھا۔

اس نے کتنا چاہا کہ وہ اور عارف فیضی ایک مثالی ازدواجی زندگی بسر کریں۔

زندگی کو خوشی اور سکون کے ساتھ گزارنے کے خواب آنکھوں میں سجائے وہ ہر سمجھوتے سے تو گزر چکی تھی۔

عارف فیضی کی خاطر اس نے اپنے آپ کو کس طرح بدل دیا تھا۔ اس کا اندازہ یا تو خود

اسے ہو سکتا تھا یا پھر ان لوگوں کو... جن کے سارے رشتے ختم کر کے وہ چلی آئی تھی۔
لیکن اس کا نتیجہ کیا نکلا تھا...؟
اس کے نصیب میں تو اب ذلت و رسوائی ہی رہ گئی تھی۔
وہ... جسے کبھی کسی نے پھول کی چھڑی بھی نہیں چھوائی تھی اب عارف فیضی کے رحم و کرم پر تھی وہ جب چاہتے تھے اور اس کے ساتھ جو سلوک چاہتے تھے روا رکھتے تھے۔
جب جی چاہا... مغلظات سے نواز دیا۔
جب جی چاہا... ہاتھ اٹھا بیٹھے۔
جب دل چاہا... طنز و تشنیع سے جگر چھلنی کر دیا۔
محبت اور چاہت کا جتنا بھی خزانہ تھا وہ اس نے عارف فیضی پر لٹا دیا تھا لیکن اب؟
اب وہ بے بس ہو گئی تھی۔
کم ظرفی کی انتہا کو پہنچتے ہوئے اس شخص نے اسے جتنی ذہنی اور جسمانی اذیتیں پہنچائی تھیں اس کے بعد شفق کے دل میں اس کے لئے نفرت اور بیزاری کے جذبات نہ پیدا ہوتے تو کیا ہوتا...؟
عارف فیضی!... یہ وہی شخص تو تھا جس کی خاطر شفق نے رسوائی اور بدنامی کا طوق اپنے گلے میں سجا لیا تھا۔
ماں، باپ، بہن، بھائیوں شوہر اور سب سے بڑھ کر اولاد جیسی قیمتی دولت کو اس پر قربان کر دیا۔
صرف اس کی ایک بات کی خاطر! کہ یہ شخص اس کا ہم خیال ہے، ہم ذہن ہے، اسے سمجھے گا اور اسے کچھ اور نہ سہی محبت جیسی دولت تو دے ہی دے گا لیکن۔
لیکن گزرتے ہوئے وقت کے ہاتھوں جب اس کا چہرہ بے نقاب ہوا تو شفق حیرت زدہ رہ گئی...!
افوہ! وہ آدمی تھا یا بہروپیا!
وہ جسے اس نے بہت اونچے سنگھاسن پر جگہ دی تھی وہ تو ذلت کی پستیوں میں گرا ہوا تھا۔
شفق کے خوابوں کے دھنک رنگ پیرہن ایک ایک کر کے تار تار ہوتے رہے۔ دل کی گہرائیوں میں نفرت تہ در تہ جڑ پکڑتی رہی وہ اندر ہی اندر گھٹتی رہی۔
طنز کے تیر سینے پر سہہ کر کڑھتی رہی۔
کوئی ہمدرد غمگسار نہیں تھا... کس کے سامنے آنسو بہاتی...!
کس کے سامنے اپنے دکھڑے روتی...؟
لے دے کر ایک مسز رضوی تھیں، وہی اپنے مقدور بھر اس کی دلجوئی کرتی تھیں۔
لیکن اب تو شفق نے ان کے سامنے بھی کچھ کہنا چھوڑ دیا تھا۔ ان سے کچھ کہنے کا فائدہ

بھی نہیں تھا۔ وہ عارف فیضی کو ماہرہ سے ملنے سے نہیں روک سکتی تھیں اور عارف فیضی ماہرہ سے شادی کر لینے پر پوری طرح آمادہ ہو ہی گئے تھے تو وہ انہیں ان کے ارادے سے باز نہیں رکھ سکتی تھیں۔
اور اس روز... جب شفق اس بات سے بالکل مایوس ہو چکی تھی کہ مہوز اور افق اسے ٹیلیفون کریں گے تو اچانک... کسی کا فون آ گیا... لیکن دوسری طرف افق کی آواز سن کر شفق کے تن مردہ میں جیسے جان سی پڑ گئی۔
اس کے جسم کا سارا خون سمٹ کر — چہرے پر جمع ہو گیا۔
زرد چہرہ تمتما اٹھا۔
بجھی بجھی نگاہوں میں جیسے ستارے سے جھلملانے لگے۔
اس نے ایک لمحے کے لئے دزدیدہ نگاہوں سے سامنے بیٹھے ہوئے عارف فیضی کی طرف دیکھا جو ذرا دیر پہلے ہی کسی بات پر اس سے الجھ کر خونخوار بنے بیٹھے تھے۔
افق کے بعد مہوز نے بھی شفق سے بات کی بڑی رسمی سی باتیں تھیں... محض چند جملے... ایک دوسرے کی خیر خیریت پوچھی تھی اور بس
اور پھر شفق نے ریسیور رکھا ہی تھا کہ عارف فیضی نے پوچھا۔
"کس کا فون تھا؟۔"
ان کے لہجے میں کرختگی تھی۔
شفق کا دل دھڑک اٹھا۔
اس نے سہمی ہوئی نگاہوں سے عارف فیضی کی طرف دیکھا لیکن اس سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔
عارف فیضی نے طنزیہ انداز سے کہا۔
"بتاؤ گی کیسے...؟ تم جواب دینے کی پوزیشن میں ہی نہیں ہو۔"
"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں۔"
شفق نے بڑے سکون سے کہا۔
"تو پھر کیوں نہیں بتاتیں کہ کس کا فون تھا؟۔"
عارف فیضی بڑے زور سے دھاڑے۔
شفق نے بہت ضبط کر کے ان کی طرف دیکھا اور بولی۔
"افق اور مہوز تھے۔"
"کون افق اور مہوز؟"
"میرے بچے، کیا آپ نہیں جانتے؟"۔
عارف فیضی نے طنزیہ مسکراہٹ ہونٹوں پر بکھیرتے ہوئے کہا۔

"ہاں جانتا ہوں' بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ وہی بچے نا! جنہیں تم ٹھوکر مار کر چلی آئی تھیں؟۔"

شفق نے ایک دبی ہوئی سانس لے کر کہا۔

"آپ جو چاہیں کہہ سکتے ہیں؟۔"

"وہ تو میں کہوں گا۔"

شفق خاموش رہی تو وہ چلا کر بولے۔

"کان کھول کر سن لو' آئندہ یہ بچے تمہیں ٹیلیفون نہیں کریں گے۔"

"اس میں آپ کا کیا نقصان ہے؟ کیوں اعتراض ہے آپ کو اس بات پر؟۔"

شفق نے التجا آمیز لہجے میں۔

"اپنے فائدے نقصان کو میں اچھی طرح سمجھتا ہوں بس یہ میرا حکم ہے کہ آئندہ ان کا کوئی فون نہیں آئے گا۔"

"یہ زیادتی ہے۔"

شفق نے احتجاج کیا۔

"میں پوچھتا ہوں کہ تم نے میری اجازت کے بغیر انہیں میرا فون نمبر کیوں دیا؟"

شفق ابھی ان کی اس بات کا جواب دے بھی نہیں پائی تھی کہ انہوں نے دوسرا سوال کر دیا۔

"اس سے پہلے بھی فون آیا تھا؟۔"

"نہیں۔"

"انہوں نے نہیں کیا ہو گا تو تم نے کیا ہو گا۔"

"نہیں' میں نے کبھی بچوں کو فون نہیں کیا۔"

عارف فیضی نے طنز کا ایک اور تیر پھینکتے ہوئے کہا۔

"بچوں کو نہیں کیا ہو گا تو بچوں کے باپ کو کیا ہو گا۔"

شفق نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھامتے ہوئے کہا۔

"آپ کیوں اتنی گھٹیا بات کر رہے ہیں؟ بچوں کے باپ سے اب میرا کیا واسطہ اور کیا تعلق باقی رہ گیا ہے؟۔"

عارف فیضی نے نفرت بھرے انداز سے کہا۔

"ہنہ۔! مجھے کیا معلوم کہ تم نے اس شخص سے کتنا واسطہ اور کتنا تعلق قائم کر رکھا ہے؟ میں کوئی سارا دن تمہاری چوکیداری کرتا ہوں۔"

"خدا کے لئے چپ ہو جایئے۔" اتنا بڑا بہتان میں برداشت نہیں کر سکوں گی۔

شفق سرتاپا کانپ کر رہ گئی۔

لیکن عارف فیضی کے دل و دماغ پر تو شیطان سوار تھا۔ وہ اپنی کہے گئے۔

"اس کمینے غزنوی کے آفس کا فون نمبر بھی تمہارے پاس ہو گا گھر کا بھی تھا' جب دل چاہتا ہو گا فون پر اس کا دل بہلاتی ہو گی۔"

"عارف فیضی صاحب! میں کہہ رہی ہوں اپنی زبان کو لگام دیجئے۔"

شفق مارے غم و غصے کے پاگل سی ہوئی جا رہی تھی۔

"ورنہ کیا کر بیٹھو گی تم؟۔"

عارف فیضی حقارت آمیز انداز میں مسکرائے۔

"ورنہ۔"

شفق نے ایک گہرا سانس لے کر بڑی زور سے اپنی مٹھیوں کو بھینچا۔

عارف فیضی نے کہا۔

"ہاں' کہو رک کیوں گئیں؟۔"

"کہنے کو میرے پاس بہت کچھ ہے' اور اب سے نہیں' بہت عرصے سے لیکن۔"

وہ ایک سیکنڈ کے لئے رک کر بولی۔

"لیکن میں چاہتی تھی کہ اب جتنی زندگی بھی باقی ہے آپ کے ساتھ خاموشی سے گزر جائے مگر آپ نہیں چاہتے۔"

"تم کیا کہو گی؟ تمہارے پاس کہنے کے لئے ہے ہی کیا۔"

"ہاں! میرے پاس کہنے کے لئے بہت کچھ ہے"۔

سن لو' "کان کھول کر سن لو' آئندہ تمہارے بچوں کا کوئی فون نہیں آئے گا اور وہ جو تمہارا سابقہ شوہر تھا اس مردود کا تو میں نام بھی نہیں لینا چاہتا اپنی زبان سے۔"

عارف فیضی نے بڑی حقارت سے کہا۔

شفق بھی اس وقت صبر و ضبط کے سارے بندھنوں کو توڑ بیٹھی تھی۔ اس سے نہ غزنوی کی شان میں کوئی گستاخی برداشت کی جا رہی تھی نہ اپنے بچوں کے لئے کوئی بات سننے کا اس میں حوصلہ تھا۔ عارف فیضی نے جتنی حقارت سے غزنوی کا ذکر کیا تھا اس سے بھی زیادہ حقارت زدہ لہجے میں شفق نے کہا۔

"آپ کی زبان واقعی اس لائق ہے بھی نہیں کہ غزنوی جیسے انسان کا نام آپ اپنی زبان سے لے سکیں۔"

عارف فیضی کو شاید شفق سے اتنی بڑی بات سننے کی توقع نہیں تھی۔ انہوں نے کھا جانے والی نگاہوں سے شفق کی طرف دیکھا اور بولے۔

"تمہاری یہ مجال۔"

"جی' اب تک اگر میں خاموش رہی اور آپ کی ہر بات برداشت کرتی رہی تو اس کا یہ

مطلب نہیں کہ آپ کے بارے میں مجھے کچھ نہیں معلوم۔"

"کیا مطلب ہے تمہاری باتوں کا؟"

عارف فیضی چونکے تو ضرور لیکن لہجے کی خوانخوری برقرار رہی۔

"میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ آپ کتنے پانی میں ہیں۔"

"جس کی نظر میں بچپن سے رکھی ہوئی ملازمہ کی عزت و آبرو کی کوئی قدر نہ ہوا اس سے بھی زیادہ ذلیل آدمی کوئی ہو سکتا ہے؟۔"

پہلے تو عارف فیضی کے چہرے کا رنگ بدلا لیکن پھر فوراً" ہی بڑے شاطرانہ انداز میں انہوں نے کہا۔

"کیا خرافات بک رہی ہو؟۔"

"اگر یہ خرافات ہے تو کھایئے اپنے بچوں کی قسم۔"

"میں ان سب چکروں میں نہیں پڑتا۔"

عارف فیضی قہر آلود نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے رہے پھر بولے۔

"تم یہ پوچھنے والی کون ہوتی ہو؟۔"

"واقعی' سچ تو یہی ہے کہ مجھے شرم آتی ہے یہ سوچ کر کہ میں آپ جیسے گھٹیا آدمی کی بیوی ہوں۔"

عارف فیضی آپے سے باہر ہو گئے۔ انہوں نے آگے بڑھ کر پے در پے کئی طمانچے شفق کے منہ پر مارے' اسے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹا' دیوار سے اس کا سر ٹکرایا اور دھاڑ کر بولے۔

"میں ذلیل ہوں؟ گھٹیا ہوں؟۔"

شفق بھی اس وقت مارے غم وغصے کے پاگل ہو گئی تھی۔

صبر وضبط کا حوصلہ نہیں رہا تھا اس میں۔

اس نے کہا۔

"آپ چاہے آج مجھے مارتے مارتے ختم کر دیں لیکن میں اپنے الفاظ نہیں بدلوں گی۔"

"اچھا تو پھر جاؤ اسی شخص کے پاس جسے تم نے عظمتوں کے مینار پر بٹھا رکھا ہے۔"

پھر عارف فیضی نے بڑی حقارت سے کہا۔

"قبول کر لے گا وہ عظیم انسان تمہیں؟۔"

شفق نے آنسو بھری نگاہوں سے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اس کے ظرف کو آزمانا چاہتے ہیں؟ یہ حسرت بھی پوری کر کے دیکھ لیجئے"۔

عارف فیضی کی آنکھوں میں ایک بار پھر خون اتر آیا۔ انہوں نے دہاڑتے ہوئے کہا۔

"بڑا زعم اور بڑا گھمنڈ ہے تمہیں اس کمینے غزنوی پر تو جاؤ میں تمہیں ٹھوکر مارتا ہوں۔ میں تمہیں طلاق دیتا ہوں طلاق دیتا ہوں میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔"

عارف فیضی راستے میں پڑی ہوئی چیزوں کو ٹھوکر مارتے ہوئے باہر چلے گئے اور گاڑی اسٹارٹ کر کے نکل گئے۔

شفق دونوں ہاتھوں سے سر تھامے گم صم بیٹھی سوچ رہی تھی۔

یہ انجام ہونا تھا میرا؟۔

اب کہاں جاؤں؟

اب کون سا ٹھکانہ ہے میرا؟

اس ایک ٹھکانے کی خاطر تو سارے ٹھکانوں سے منہ موڑ لیا تھا۔ مگر اب یہ بھی میرا نہیں رہا۔ ذلت و رسوائی کا ایک داغ کچھ عرصے پہلے خود اپنے ہاتھوں اس نے ماتھے پر سجایا تھا۔ مگر اب یہ دوسرا داغ ماتھے پر لگا کر دنیا والوں میں رہنے کا اس میں حوصلہ نہیں تھا۔ اب اور کس قدر ہنسی اڑواؤں گی میں اپنی؟ میرے سامنے تو بس اب ایک ہی راستہ ہے مجھ جیسی عورتوں کا انجام یہی ہوتا ہے۔

جو ہیرے کو ٹھکرا کر پتھروں سے سر پھوڑنے پہنچ جائے اس کا انجام یہی ہونا چاہئے۔

مجھ جیسی عورتوں کو زندہ رہنے کا کیا حق ہے بھلا؟

مجھے مر ہی جانا چاہئے۔

زندہ رہنے کو تو ویسے بھی میرا دل نہیں چاہتا۔

لمحوں میں اس نے سالوں کی مسافت طے کر لی۔

اور پھر نیم دیوانگی کے عالم میں اٹھ کر اس نے ڈھیر ساری ڈی' ڈی' ٹی حلق میں انڈیل لی۔

اور اس کے بعد کہانیاں باقی رہ گئیں۔

چہ میگوئیاں باقی رہ گئیں۔

جانے والی چلی گئی۔

صرف باتیں رہ گئیں۔

افسانے رہ گئے۔

ہر شخص اس کے بارے میں مختلف انداز سے سوچ رہا تھا۔

جتنے لوگ تھے اتنی آراء تھیں۔

غزنوی کے زخم از سر نو تازہ ہو گئے وہ بہرحال ان کی اولین اور آخری محبت تھی۔

وہ جان بھی نہ سکے کہ زندگی کے آخری لمحوں میں وہ انہی کی عظمت میں چند الفاظ کہہ کر اپنے انجام کو پہنچ گئی تھی۔

افق اور مہروز سوچ رہے تھے کہ یقیناً ہمارے فون کرنے سے حالات اس درجہ بگڑ گئے کہ ہماری ماں نے دنیا سے ہی ناتا توڑ لیا۔ وہ دونوں اپنے آپ کو مجرم سمجھ رہے تھے۔

اور.... مسز رضوی سوچ رہی تھیں.... ان کی ایک بہن ان سے جدا ہو گئی ہے۔ وہ سچ مچ انہیں بہنوں کی طرح عزیز تھی۔ غزنوی کے ساتھ اس کی شادی ہونے سے لے کر اب تک کے حالات ان کے سامنے تھے۔ انہوں نے ہر موقع پر اسے سمجھایا تھا مشکل وقت میں اسے یہ احساس بخشا تھا کہ سارے رشتے ناتے ختم ہو جانے کے بعد بھی ایک رشتہ دوستی محبت اور پیار کا رشتہ قائم تھا۔

انہوں نے تو اس کی زندگی سنوارنے کی بڑی کوشش کی تھی لیکن وہ کیا کرتیں؟ اس کے نصیب میں یہی لکھا تھا۔

اسٹاف روم میں شفق کی خالی نشست پر نظریں جمائے وہ سوچ رہی تھیں غزنوی تو پیار کا ساگر تھے، شفق! اور تم....؟ دریا بن کر ساگر کی آغوش میں پناہ لے لیتیں تو تمہارا انجام اتنا دردناک نہ ہوتا۔ مگر تم تو بادل بن کر ہواؤں کے دوش پر اڑنے لگیں۔ عارف فیضی کو تم نے کیا سمجھا اور وہ کیا نکلا۔ اس کی زندگی میں داخل ہو کر تو تم کچھ بھی نہ رہیں۔ اپنی حیثیت اپنی عزت اور اپنا وقار... سب کچھ تو کھو دیا تم نے... عورت کے پاس جب عزت، وقار اور نیک نامی نہ رہے تو اس کی حیثیت پانی کی ایک بوند سے زیادہ نہیں ہوتی۔

پانی کی ایک بوند... اس کی ہستی ہی کتنی ہے....؟ کتنی جلدی نیست و نابود ہو جاتی ہے....

کاش! ساگر سے جدا ہونے کا فیصلہ کرتے وقت تم نے یہ بات سوچی ہوتی... مگر اب....؟ اب تو ان سب باتوں کا وقت گزر چکا ہے تم چلی گئیں... تم جا چکیں... ! لیکن دوسری بہت سی عاقبت اندیش عورتوں کے لئے ایک درس عبرت چھوڑ گئی ہو۔

اے دریا تو دریا رہ
اسی میں بھرم اور عزت ہے
گرنا ہے تو ساگر میں گر
چھوٹے سے تو بڑا تو بن
بادل بن کے تو نہ اڑ
ورنہ ایک دن ہوگا یہ
بوند سی بن اڑ جائے گا

*